

اُردو - انگریزی
کھتر الایمان

چیف ایڈیٹر

محمد نعیم طاہر ضوی

اہلسنت و جماعت کا ترجمان
فجر اسلام آباد

جلد ۲ جمادی الآخر ۱۴۱۵ھ ، نومبر ۱۹۹۳ء شمارہ ۹



قوم پرست
مولویوں کے
اسلامی تعلیم
اداروں پر بیخوار



مدرسہ گاندھی
مسلمانوں کی انفرادیت ختم
اور رام راج و ستام کرنے میں
متہمک تھے



تحریک خلافت
و ترک موالات نمبر



کانگریسی مولویوں
کی ہندو نوازی نے
اسلام اور مسلمانوں
کو بے حد نقصان پہنچایا

امام احمد رضا رحمہ اللہ
کے باطل شکن فتویٰ نے
اسلام دشمنوں کے عزم کو
ٹھاک میں ملا دیا



قادیان اور بیونینڈ
اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں
لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے

بفیضانِ نظرِ علامتِ امام احمد رضا خان حنفی قادری

رحمۃ اللہ علیہ

مترجم قرآن پاک مجید
کنز الایمان
کہہ کر طلب کریں

جمادی الاخرہ ۱۴۱۵ھ
نومبر ۱۹۹۳ء

جلد نمبر ۳
شمارہ نمبر ۹

ماہنامہ
کنز الایمان
رجسٹرڈ ایل نمبر ۹۱۱
لاہور
انگریزی

سستی اینڈ نیو

ایڈیٹڈ

چیف ایڈیٹر

طارق محمود عزیزی

رانا شبیر احمد

محمد نعیم شاہ رضوی

انتظامیہ
ڈاکٹر خالد فخر
آزاد حسین شیخ
شکیل احمد
اشتہارات
عبدالوہید سبازی
ناصر حسین
پبلشر: ڈاکٹر محمد جمیل
ہدف: محمد منیم
چاپا پرنٹنگ پریس
لاہور کینٹ

اس نیشنل مہینے میں

تحریک خلافت و ترک موالات نمبر

مرتبہ
نور الدین رضوی

قیمت مجموعہ شمارہ = ۲۵ روپے

قیمت فی شمارہ ۲ روپے۔ سالانہ ۴۰ روپے
ڈرافٹ: ماہنامہ کنز الایمان لاہور
اکاؤنٹ نمبر ۱۷-۵۶۸۵ حبیب بینک لاہور
کینٹ۔ پاکستان

مجلس ادارت
طارق محمود بیٹ
ڈاکٹر لیاقت علی خان نازی
مجلس مشاورت
مذاشر ارج احمد دل
شیخ عبدالحمید جلالی شرنی
سرگزشتیں
فقط نور محمد رانا
شفقت وید
سکریٹری

ماہنامہ "کنز الایمان" لاہور
دبلی روڈ صدر بازار لاہور چھاتی
فون نمبر ۳۷۱۹۲۷-۳۷۱۹۲۷

خط و کتابت
و ترسیل زر کاچہ

ایڈیٹر: ۲۵ ڈالر بدلیجہ ہوائی جہاز
ایڈیٹر: ۲۳ ڈالر
ایڈیٹر: ۲۰ ڈالر
ایڈیٹر: ۱۵ ڈالر

مجرم کون؟

برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے تحریک خلافت و ترک موالات میں جوش و خروش سے حصہ لے کر اگرچہ بہت نقصان اٹھایا لیکن یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وہ ہندوؤں کی ذہیت اور خطرناک منصوبوں سے آگاہ ہوئے اور دو قوی نظریہ پر ان کا ایمان مزید مضبوط ہوا لیکن یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ان اہم تحریکوں کے ساتھ مورخین نے انصاف نہیں کیا کسی بھی کتاب کو اٹھا کر دیکھ لےجئے، چند صفحات سے زیادہ مواد نہیں ملے گا، وجہ یہ ہے کہ اکثر لکھنے والوں نے ذاتی پسند و ناپسند اور شخص عقیدت کے پیش نظر ان پر کھل کر اظہار خیال نہیں کیا حالانکہ تاریخی نقطہ نظر سے یہ مکان متعین نہیں کیونکہ اس طرح ہم ماضی کی غلطیوں سے سبق حاصل کر کے مستقبل کیلئے صحیح لائحہ عمل اختیار نہیں کر سکتے، نیز صحیح حالات و واقعات کو پر وہ افشا میں رکھ کر ہم نئی نسل کو نظریہ پاکستان سے بے خبر کر دیتے اور ہندوؤں کے ایک قوی نظریہ کو تقویت پہنچانے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

مسلمانوں کو ملی خود کشی سے بچانے کی خاطر جن محسنین قوم نے اپنی شہرت اور عزت و وقار کو داؤ پر لگا کر ان تحریکوں کی بھرپور مخالفت کی، ان کے نقطہ نظر کو تاریخ کے صفحات میں مناسبت جگہ نہیں دی گئی بلکہ سنی علماء و مشائخ کی بدو جہد اور شائد ار کارناموں کا تو ذکر تک بھی نہیں کیا گیا ہے، بعض حضرات نے کرم نوازی بھی کی تو خوف خدا سے بے نیاز ہو کر منفی انداز اختیار کیا، جہاں تک معتقدین و خدا کا تعلق یہ ہے تو ان میں سے اکثر نے اس جانب توجہ ہی نہیں کی بعض نے ایک آدھ نے ایک آدھ مضمون لکھ کر یہ سمجھ لیا کہ حق ادا ہو گیا، حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی اور اب بھی ہے کہ اس موضوع پر مسلسل تحقیق اور جدید انداز میں لکھا جائے اور لکھتا چاہئے۔ یہ اس کا آخری ابتدا ہے۔

ان تحریکوں کے دوران جس نے جو کچھ بھی کیا، ہم نے اسے منہ ماند کے حوالے سے قہقہہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود بعض ایسے افراد جو اپنے حضرت کا جہذا ہر حال میں اونچا رکھنے کے خواہر ہوں۔ شاید اس تحریر سے مطمئن نہیں ہوں گے لیکن ہم انہیں اور دیگر سب حضرات کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارا مقصد کسی کی دل آزادی کرنا ہرگز نہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ حالات کا صحیح رخ پیش کرتے وقت بعض ایسے واقعات کا ذکر بھی مجبوراً کرنا پڑتا ہے جو اگرچہ سچ پر مبنی ہوتے ہیں لیکن کچھ لوگ انہیں عوام کی نظروں سے اوجھل رکھنے کو ہی ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ہر حال میں خوش رکھنا کسی بھی شخص کے بس کی بات نہیں۔ تاہم اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ وہ غلطیوں کی نشاندہی فرما کر شکر یہ ادا کرنے کا موقع عطا فرمائیں۔

اس غیر کو جناب زمین الدین ذہری صاحب نے دن رات ایک کر کے تیار کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی کاوش کو قبول فرمائے آمین۔

اس کی کچھ رنگ کے تمام اخراجات جناب جلال الدین صاحب نے ادا کیے مولا تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔ اس کے علاوہ حکیم حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری (ادبی تحریک یوم رضا پاکستان) محترم ظہور الدین صاحب مؤذیوال کلاوی لاہور اور بیڑ زادہ اقبال احمد فاروقی صاحب اور دیگر احباب کے بھی تہہ دل سے مشکور ہیں ان میں سے بعض نے حوصلہ افزائی فرمائی اور بعض نے قیمتی مواد فراہم کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو مسلمانوں کے لئے مشعل راہ بنائے آمین۔

قارئین سے اتنا ہے کہ اسے پڑھ کر اپنی آراء سے ضرور نوازیں۔



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

☆ لوگ ہمیشہ سوالات کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ (جب ان سے) یہ کہا جائے گا کہ (ساری) مخلوقات کو خدا نے پیدا کیا ہے تو (کہیں گے کہ) خدا کو کس نے پیدا کیا ہے پس جس شخص کے دل میں اس قسم کا وسوسہ پیدا ہو۔ وہ فوراً یہ کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا (اور ان وسوسوں سے توبہ کی)

☆ شیطان انسان کی ترکوں میں اس طرح جادری و ساری ہے جس طرح خون جاری و ساری ہے۔

☆ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان اس امر سے مایوس ہو گیا ہے کہ صلی (مومن) جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کریں (یعنی بت پرستی میں مبتلا رہیں) اور اسی وجہ سے وہ ان کے درمیان لڑائی جھگڑا پیدا کرنا رہتا ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ شیطان ابن آدم پر تصرف رکھتا ہے اور فرشتہ بھی انسان پر تصرف رکھتا ہے۔ شیطان کا تصرف تو یہ ہے کہ وہ انسان کو برائی کا وعدہ دیتا رہتا اور حق کو بھلائے پر آمادہ کرتا ہے اور فرشتہ کا تصرف یہ ہے کہ وہ بھلائی کا وعدہ دیتا اور حق کی تصدیق کرتا ہے۔ پس جس کے دل میں بھلائی کا خیال پیدا ہو اس کو خدا کی جانب سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے اور جس کے دل میں برائی کا وسوسہ پیدا ہو۔ تو اس کو شیطان رحیم کی طرف سے سمجھ کر خدا کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔

(مشکوٰۃ شریف - جلد اول - باب فی

عہدِ باری تعالیٰ

یا الہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل شر مشکل کشا کا ساتھ ہو

یا الہی نامہ اعمال جب کھینچ لگیں
عیب پوش خلق ستار خطا کا ساتھ ہو
یا الہی جب بہیں آنکھیں حسابِ جرم میں
اُن تبسم ریز ہونٹوں کی دعا کا ساتھ ہو
یا الہی جب حسابِ خدہٗ بیجا لائے
چشمِ گریانِ شفیع مرتجا کا ساتھ ہو
یا الہی رنگِ لائیں جب مری بے باکیاں
اُن کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو
یا الہی جب چلوں تاریک راہِ پل صراط
آفتابِ ہاشمی نور الہدیٰ کا ساتھ ہو
یا الہی جب سرِ شمشیر پر چلتا پڑے
کعبِ سلیم کہنے والے غمزدہ کا ساتھ ہو

یا الہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادی دیدارِ حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو
یا الہی گورتیں ہوئی جب آئے سخت رات
اُن کے پیارے منہ کی صبح جانفزا کا ساتھ ہو
یا الہی جب پڑے محشر میں ثور دار و گمیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو
یا الہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شرِ جو دو عطا کا ساتھ ہو
یا الہی سرد مہری پر ہو جب غورِ شہیدِ حشر
میت بے سایہ کے قتلِ لوا کا ساتھ ہو
یا الہی گرمیِ محشر سے جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

یا الہی جو دعائے نیک میں تجھ سے کروں
قدسیوں کے لیے ایمانِ دینا کا ساتھ ہو
یا الہی جب رفتِ خوابِ گراں سے سر اٹھائے
دولتِ بینا و عشقِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

الْأَشْيَاكَاتِ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

نعتِ رسول مقبول ﷺ

از۔ امام اہلسنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کھانا کھانے کے آداب

- ۱۔ کھانا کھاتے وقت بسم اللہ پڑھ لینی چاہئے۔
بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کیا جائے تو اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔
- ۲۔ دسترخوان پر اگر اشعار وغیرہ لکھے ہوں تو اس پر کھانا پانا ہے۔
- ۳۔ کھانا کھاتے وقت جوئے اتار لینا سنت ہے۔

الحی سورتوں کا فیصلہ

بعض وظائف میں سورتوں کا اٹا کر کے پڑھنا سخت گناہ اور قریب کفر ہے۔ سورتوں کی صرف ترتیب بدل کر پڑھنے کے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ”کیا ایسا کرنے والا ڈرتا نہیں کہ اللہ اس کے قلب کو الٹ دے۔“

۵۔ مسجد میں دنیا کی کوئی بات نہ کی جائے۔
ہاں اگر کوئی دینی بات کسی سے کہتا ہو تو قریب جا کر آہستہ سے کہنا چاہیے۔ نہ کہ ایک آدمی مسجد میں کھڑے ہو کر دوسرے آدمی سے جو سڑک پر کھڑا ہو چلا کر بات کرے۔ یا کوئی آدمی مسجد کے باہر سے پکارے اور سمجھ سکے۔ اندر سے بلند آواز سے جواب دیا جائے۔

دل کو اُن سے خُدا جُدا نہ کرے
اُس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف
یہ وہی ہیں کہ بخشش دیتے ہیں
سب طبیبوں نے فیدیا ہے جواب
دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے
عذرِ اُمیدِ عفو گزشتہ نہیں
دل میں روشن ہے شمعِ عشقِ حضور
حشر میں ہم بھی سیر و دیکھیں گے
ضعف مانا مگر غیظِ عالم دل
جب تری نعر ہے سب کا جی رکھنا
دل سے اک قوتیئے کا طالب ہوں
بیکیسی لُٹ لے خُدا نہ کرے
ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے
کون ان مجرموں پر سزا نہ کرے
آہ عیسیٰ اگر دوا نہ کرے
ارے تیرا خُدا بُرا نہ کرے
روسیاہ اور کیا بہانہ کرے
کاش جو شش ہو بس ہوا نہ کرے
مُنکر آج اُن سے التجا نہ کرے
اُن کے رستے میں تو تھکا نہ کرے
وہی اچھا جو دل بُرا نہ کرے
کون کہتا ہے اتقار نہ کرے

لے رضا سب چلے مدینے کو
میں نہ جاؤں ارے خُدا نہ کرے

مرید اعلیٰ حضرت حافظ محمد حسین رضوی انتقال کر گئے۔

انتقال کر گئے۔ اللہ وانا الیہ راجعون۔

کنز الایمان سوسائٹی کا ایک تفریحی اجلاس سوسائٹی کے بانی و صدر محمد نعیم طاہر رضوی کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں حافظ صاحب کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور پسماندگان سے اہتمام تحریت کیا گیا۔ اجلاس میں مرحوم کی کنز الایمان سوسائٹی کے لئے کاوشوں کو سراہا گیا۔

لاہور۔ کنز الایمان سوسائٹی کے خصوصی معاون اور امام احمد رضا خان رضوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید حافظ محمد حسین رضوی صاحب ۱۲ اکتوبر کو

کٹر الایمان سوسائٹی

مختصر تعارف

خواتین اور دوسرے قرآن کے آفریقہ اور ویڈیو کیٹ عوام کے استفادہ کے لئے بلا معاوضہ موجود ہیں۔
قرب و جوار کے شہان علم شام کے اوقات میں لائبریری آکر میر ہوتے ہیں۔ لائبریری کے قیام سے ملے کر اب تک کے اخبارات و رسائل و جرائد کے فائل بھی محفوظ ہیں۔

۱۔ قاری کلاس

سوسائٹی کی جانب سے چالیس روزہ قاری کلاس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں سولہ سال سے بڑھ کر سال کی عمر تک کے احباب باخبر قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ سینکڑوں طلباء اس کلاس کے ذریعے باخبر قرآن پاک پڑھ چکے ہیں۔ قاری کلاس کے طلباء کو کورس کی کتابیں اور کتابیں "پن و شبر" بھی سوسائٹی کی طرف سے مفت مہیا کی جاتی ہیں اور کلاس کے اختتام پر اسناد و دیگر کتب کے علاوہ حرم قرآن پاک کٹر الایمان کے لئے بھی تمام طلبہ میں مفت تقسیم کیے جاتے ہیں۔

۲۔ مقدس اور ارق کو بے حرمتی سے بچانے کا اہتمام

سوسائٹی کی جانب سے قرآن حکیم و حدیث شریف کے مقدس اور ارق کو دفتر میں بیچ کر کے انہیں اسلامی طریقہ سے دیرا بد کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ معاشرہ میں غیر شرعی حرکات روکنے کا اہتمام

کٹر الایمان سوسائٹی کی طرف سے اصلاح معاشرہ کے لئے مختلف مواقع پر ملی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں علماء کرام اپنی بصیرت افروز تقاریر کے ذریعے معاشرہ میں موجود برائیوں کو دور کرنے میں مدد ملانے کا کام لیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سوسائٹی کی طرف سے اسلامی پوسٹر بھی شائع کیے جاتے ہیں جس میں عوام کو غیر شرعی رسومات کو ترک کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اب تک درج ذیلی عزائمات کے تحت ہزاروں کی تعداد میں پوسٹر شائع کیے جا چکے ہیں۔

۱۔ عکس اوقات سے پہلے (درگاہ حضرت میاں میر کے بارے میں)
۲۔ کیا حضرت داتا گنج بخشؒ نے کہا تھا یا کیا تھا؟
۳۔ اہل عام اسسٹنٹ کسٹرمز صاحب (جشن عید میلاد النبیؐ کے موقع پر آکر

اعلیٰ حضرت ابوالکلام رضا بریلوی قدس سرہ کی ذات گرامی مختلف تعارف نہیں۔ دنیا کے اسلام اس حکیم شخصیت کے کارناموں سے بخوبی واقف ہے۔ خصوصاً تصنیف و تالیف میں اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ الرحمۃ کو اعلیٰ مقام حاصل ہے جہاں انہوں نے مختلف علوم و فنون پر ایک ہزار سے زیادہ کتب تصنیف کیں وہاں انہوں نے قرآن حکیم کا ترجمہ عام "کٹر الایمان" بھی کیا یہ ترجمہ ان کی دوسری تصانیف کی طرح ان کے مشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔
کٹر الایمان سوسائٹی کا قیام اسی ترجمہ قرآن حکیم کی ترویج و اشاعت کے سلسلہ میں ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ میں عمل میں آیا۔

اغراض و مقاصد

- ۱۔ اردو ترجمہ قرآن "کٹر الایمان" کی اشاعت و مفت تقسیم۔
- ۲۔ اختر رضا لائبریری کا قیام
- ۳۔ اعلیٰ حضرت فری لائبریری کا قیام
- ۴۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی اشاعت و مفت تقسیم۔
- ۵۔ امام احمد رضا خان بریلوی کی یاد میں "امام احمد رضا کانفرنس" کا انعقاد۔
- ۶۔ اسلامی قومی تہواروں پر خصوصی اجتماعات کا اہتمام
- ۷۔ درس قرآن و حدیث کا خصوصی اہتمام کرنا
- ۸۔ انسانیت کی اصلاح و تہذیب کے لئے کوشاں رہنا

خدمات کا مختصر جائزہ

۱۔ اختر رضا لائبریری

پھر اکتوبر ۱۴۱۵ھ کو دہلی دوا مدار بازار لاہور جمناؤی میں "اختر رضا لائبریری" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ لائبریری نبیہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سخی اعظم ہند حضرت علامہ محمد اختر رضا خان لاہوری قادری بریلوی مدظلہ العالی صدر سخی جمعیت العلماء ہند کے نام مہی سے منسوب ہے۔ لائبریری میں ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق ہزاروں سفید ترین کتب اور ۱۰۰ سے زیادہ رسائل و جرائد کے علاوہ اخبارات اور علماء کرام کی تقاریر مفت

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ قریٰ اپنری

شیخ الاسلام والمسلمین امام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قاضی بریلی کی یاد میں اعلیٰ حضرت اپنری کے قیام کا منصوبہ ہے جہاں پر غریب و محتاج طبقہ کے افراد کو علاج معالجہ کی مفت سروسیں دستیاب ہوں گی۔

قرآن پاک کی اشاعت و مفت تقسیم

دنیا کے دیگر مذاہب کی مقدس کتب کی تقسیم منت ہوتی ہے اس کا کوئی بدلہ نہیں لیا جاتا لیکن قرآن حکیم جو کہ دنیا کے لئے کوئی مسلمانوں کی الہامی کتاب ہے کہ حاصل کرنے کے لئے بدلہ دینا پڑتا ہے۔ "کنز الایمان" سوسائٹی کا سب سے اہم اور بڑا منصوبہ یہی ہے کہ قرآن پاک کو دستیاب کرنے پر شائع کر کے اس کی مفت تقسیم کیا جائے اس منصوبہ پر لاکھوں روپے کی لاگت آئے گی اس لئے اس کی اشاعت کے لئے ایک الگ فنڈ قائم کر دیا گیا ہے جس میں صرف اشاعت قرآن پاک کے لئے فنڈ جمع ہو گا اس کا نام "کنز الایمان فنڈ" ہے قرآن پاک اور ترجمہ کے علاوہ دنیا کی دیگر زبانوں میں علیحدہ علیحدہ شائع کیا جائے گا۔

کنز الایمان سوسائٹی اپنے ان عظیم مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کوشاں ہے لیکن اس گراں دور میں علوم و فنون اور قرآن کی خدمت کچھ آسان کام نہیں ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ صاحب ثروت حضرات سوسائٹی کی سرپرستی فرماتے ہوئے مقدود بھرتیوں فرمائیں تاکہ یہ منصوبہ بات پایہ تکمیل کو پہنچیں۔

ترتیل زر کا پتہ

محمد نعیم طاہر وضوی۔ بانی و صدر
کنز الایمان سوسائٹی دہلی روڈ صدر
لاہور۔ چٹاؤٹی

بذریعہ چیک: ڈرافٹ نام "کنز الایمان سوسائٹی" کا بواکر بھیجیں۔ حسب بینک لینڈ لاہور گینٹ برانچ "اکاؤنٹ نمبر 34-109-5

"کنز الایمان" کے ابعار کا طریقہ

70 روپے درج ذیل بہت پہنچ کر ذکر کریں۔ کس سال پر
کب کہہ رہے ہیں یا کہتے ہیں۔

پتہ: ماہنامہ "کنز الایمان" ص ۱۰ لاہور چٹاؤٹی

دائیں دھوکے کے بارے میں
میں آخری چار صفحہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

کتاب و رسائل کی اشاعت

سوسائٹی کی طرف سے اب تک درج ذیل عنوانات کے تحت کتب و رسائل بڑاؤں کی تعداد میں شائع کر کے مفت تقسیم کئے جا چکے ہیں۔
(۱) لوہ کریم (۲) چالیس امانت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم (۳) وصایا قریم (۴) شاہ فہم کے نام کتب گراوی۔
کئی ایک مسودے سرمایہ کی کمی کے پیش نظر اشاعت کے منتظر ہیں۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کانفرنس کا انعقاد

سوسائٹی کے زیر اہتمام ۱۹۸۷ء سے جناح ہل لاہور میں امام المہنت امام احمد رضا خاں بریلی کی یاد میں ہر سال ملکی سطح پر "امام احمد رضا کانفرنس" ثابت ترک و اعتقاد کے ساتھ اعتقاد پذیر ہوتی ہے جس میں ملک بھر سے علماء، مشائخ، دانشور، مفکر، شاعر، ادیب، نقاد، دانشور اور صحافی وغیرہ امام اعلیٰ منت کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

۷۔ ماہنامہ "کنز الایمان" لاہور کا اجراء

سوسائٹی کے زیر اہتمام مارچ ۱۹۹۳ء سے انگریزی اور اردو میں ماہنامہ "کنز الایمان" لاہور کا اجراء کیا جا چکا ہے جس کے ذریعے دین اسلام کے صحیح عقائد و نظریات کی اشاعت و ترویج کا کام کیا جا رہا ہے۔

کنز الایمان سوسائٹی کے آئندہ عزائم

سیخ بخش رحمۃ اللہ علیہ سائنس کالج

مخدوم الادویہ سندھ الواسطین حضرت علی ہجویری المعروف: بہ و آماج حق کی یاد میں سچ حق سائنس کالج کے قیام کا منصوبہ ہے جہاں پر سچ و حقاہ کی سرپرستی کی جائے گی اور انہیں ذہور عقلم سے آراستہ کرنے کے لئے مفت تعلیمی سروسز فراہم کی جائیں گی تاکہ وہ حقاہ میں اپنا مقام بنا سکیں۔

”تحریک خلافت و ترک موالات“ نمبر کی اشاعت پر پیغامات

دور میں اور بھی ضروری ہو گیا ہے کہ بعد میں قیام پاکستان اس کے اسباب اور عوامل کی ساری عمارت اپنی تحریکوں کے فہم و ادراک پر استوار ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت اور جرأتِ خیر عطا فرمائے۔
و اسلام

رئیس المحققین حکیم اہلسنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری

داعی تحریک یوم رضا پاکستان

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ ”کنز الایمان“ لاہور

سلام و رحمت

یہ معلوم ہو کر قلبی مسرت حاصل ہوئی کہ آپ ماہنامہ کنز الایمان کا ”تحریک خلافت و ترک موالات“ نمبر نکال رہے ہیں۔ اس کے منظر عام پر آنے کے بعد قارئین کرام خود فیصلہ کریں گے کہ آپ نے قوم کو کیا دیا ہے۔

مفکر اسلام حضرت پروفیسر سید شاہ فرید الحق صاحب نائب

صدر ورلڈ اسلامک مشن

محترم چیف ایڈیٹر صاحب ماہنامہ ”کنز الایمان“ لاہور

اسلام و علیکم ورحمۃ اللہ وبرکات

آپ کی تحریر سے یہ جان کر انتہائی مسرت ہوئی کہ آپ ماہنامہ ”کنز الایمان“ کا نومبر ۱۹۹۳ء میں ”تحریک خلافت اور ترک موالات“ نمبر شائع کر رہے ہیں۔ یہ وقت کی ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں کو اس وقت کے صحیح حالات معلوم ہو سکیں۔ لوگوں کو ملانے جن علماء اہلسنت کے کردار سے بھی واقفیت ہو سکے۔ بعض نام نواز مسلم راہنماؤں کی صحیح حیثیت بھی آشکار ہو سکے۔ آپ قابلِ مبارکباد ہیں کہ اس سلسلے میں دوامِ اہلسنت کے اعمال اور عقائد سے متعلق صحیح راہنمائی کا فریضہ اپنے پاپے کے ذریعے ادا کر رہے ہیں خدا آپ کو اور آپ کے رفقاء اور معاونین کو جرأتِ خیر عطا فرمائے۔

حضرت پیر سید محمد فاروق القادری مدظلہ، سجادہ نشین آستانہ

عالیہ قادریہ شاہ آباد شریف۔ گڑھی اختیار خان

جناب ایڈیٹر صاحب کنز الایمان

سلام ممنون :-

یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوئی کہ آپ کنز الایمان کا ”تحریک خلافت و ترک موالات“ نمبر شائع کر رہے ہیں۔

برصغیر کی تاریخ میں اس تحریک کو اچھی طرح جانتا اور سمجھتا اس

تَسِيرُ النَّاعُونَ لِلْمَسْكِينِ فِي الطَّاعُونَ

طاعون

اور

دوسری متعدی بیماریوں سے فرار کیوں؟

دُعائے دفع طاعون

تصنیف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی

شائستہ عالمہ ۶ روپے کے ڈاک ٹکٹ ارسال کر کے طلب کریں۔

ملنے کا پتہ

تنظیم نوجوانان اہلسنت

جامع مسجد مید نامہ بنی اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بازار ملکپاں، بھائی گیٹ، لاہور

مسٹر گاندھی اور تحریک خلافت و ترک موالات گاندھی کی قیادت

تحریک خلافت کے دوران مسٹر موبن داس کرم چند گاندھی نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ وہ واحد ہندو لیڈر تھا جس نے علی الاعلان مسئلہ خلافت سے مکمل درجہ انصاف اور دلی وابستگی کا اظہار کیا۔ ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا اور اپنے سر مذہبوں کو بھی یہی رویہ اپنانے کی پر زور تلقین کی لیکن یہ تصویر کا ایک رخ تھا۔ اس کے اصل عزائم کچھ اور تھے، درحقیقت وہ تمام مذاہب پر اسلام کی برتری کے نظریے کو ذہنوں سے محو کرنے، مسلمانوں کی انفرادیت ختم کرنے اور ان کی مدد سے ایک ہندو ریاست قائم کرنے کا خواہش مند تھا اگرچہ اس کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا لیکن مسلمانوں میں اشتراق و انتشار پیدا کرنے اور کئی اہم مسلم لیڈروں کو اپنا ہمتا بنانے میں کامیاب ہوا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مسٹر گاندھی کی مسلم کش پالیسیوں سے نقاب اٹھ جانے کے بعد علی برادران، مولانا حسرت موہانی اور دیگر کئی حق پرست حضرات نے اپنی سابق روش پر نظر ثانی کی اور مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی لیکن بعض مذہبی عناصر اور قوم پرست لیڈروں نے آخر دم تک دوستی بھائی اور مسلم لیگ کے لئے مسلسل دودھ سر بنے رہے۔

ہندو اپنی رواجی تنگ نظری اور اسلام دشمن سوچ کی وجہ سے تحریک خلافت کے ساتھ بدردی دکھانے کے لئے آمادہ نظر نہیں آ رہے تھے جبکہ مسٹر گاندھی کی دور بین نگاہیں دیکھ دی تھیں کہ مسلمانوں کو اسلامی افکار و نظریات سے برگشتہ کرنے اور انہیں گاندھیوی فلسفہ کو برحق ماننے کے لئے آمادہ کرنے کا یہ بہترین موقع تھا جسے وہ کسی قیمت پر کھوتا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کی توجہ اس جانب مبذول کرانے کی خاطر تحریک ترک موالات شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔ جس کی چار منزلیں پیش کیں۔ ”پہلی منزل یہ تھی کہ حکومت کے خطابات اور تحفات واپس کئے جائیں۔ دوسری منزل یہ تھی کہ فوج اور پولیس کے محکمہ جات کو چھوڑ کر باقی تمام سرکاری محکموں سے مکمل اخراج عمل میں لایا جائے۔ تیسری منزل یہ قرار پائی تھی کہ پولیس اور فوجی محکموں سے استعفیہ دلوائے جائیں۔ چوتھی اور آخری منزل یہ تھی کہ حکومت کے ٹیکس کی ادائیگی سے انکار کیا جائے۔“ (۱)

مسٹر گاندھی نے ہندوؤں کو یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ تحریک خلافت کی غیر مشروط حمایت ہی گنود نکشا اور ترک موالات کا مقصد ایک سال میں سوراخ حاصل کرنا ہے درپردہ ہندوؤں کو یہ ایمان دلایا گیا کہ مسئلہ خلافت کی حمایت محض ذہانی جمع خرچ تک محدود ہے، اصل مقصد تو مسلمانوں کا شیرازہ بکھیرنا اور انہیں قربانی کا نیا بنا کر ہندو راج قائم کرنے کی راہ ہموار کرنی ہے اور ساتھ ہی

وسیع بنانے پر یہ پردہ بند بھی کیا گیا کہ تمام ہندوستانی باشندوں کا ایک جان و دو قالب بن کر انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونا تمام مذاہب کے نزدیک فرض عین ہے اور جو بھی مسلمانوں کو علیحدہ قوم بنا کر اس اتحاد میں روڑے اٹکانے کی جسارت کرے وہ انگریز کا پٹو اور ایجنٹ ہوگا۔ اس طرح اس بے بنیاد غیر فطری اور غیر اسلامی اتحاد کے بل بوتے پر مسٹر گاندھی قوم پرست مسلمانوں اور ہندوؤں کے اجتماع سے کرسی صدارت پر براجمان ہو گیا۔

اس حقیقت سے کوئی مسلمان انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ کتب و سنت کی رو سے ایک غیر مسلم کسی حالت میں بھی مسلمانوں کا دلی خیر خواہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مسٹر گاندھی جو بلا شک و شبہ ایک کٹر ہندو، بتوں کا پجاری اور مسلمانوں کا شدید ترین دشمن تھا کو ایک پان اسلامک تحریک کا بلا شرکت غیر قائد و امام منتخب کرنا ایک الجھنے کی بات ضرور تھی۔ (۲) لیکن اس سے بھی بڑھ کر حیرت انگیز امر یہ تھا کہ اس انتخاب کے مجوز مذہبی راہنمائی کے مدعی حضرات تھے۔ مولوی حسین احمد دیوبندی کے صاحبزادے مولوی محمد اسعد کا بیان ہے۔

”حضرت شیخ الحد (مولوی محمود حسن) نے کہا کہ یہ نوجوان برسر مسٹر موبن داس گاندھی جو پڑھ کر آیا اور افریقہ سے نکلا گیا۔ وہ بنیا ہے اور بننے کا ہندو سماج میں کوئی مقام اور عزت نہیں، اگر اس کو (ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ لیڈر) بنا دو اور آپ لوگ پسند کر دو تو کچھ نہ کچھ احساس احسان اس کے ذہن میں رہے گا۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام پیش کرنے پر ”گاندھی جی“ کا نام طے ہوا اور ان کو لیڈر شپ کے لئے کہہ دیا۔“ (۳)

تمیذ العلماء ہند، دیوبند کے مولوی امیر احمد صاحب اپنی کتاب ”ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا کردار“ میں لکھتے ہیں۔

”یہی وہ دور تھا جب افق سیاست پر وہ ستارہ طلوع ہوا جو اب تک گوشہ گمنامی میں چھپا ہوا تھا۔ جس کی ہلکی ہلکی کرنیں ہندوستان سے دور افریقہ کے ریگزاروں اور بیابانوں پر پڑتی تھیں۔ ہندوستان ابھی اس کے وجود کی اہمیت سے ناواقف تھا۔ یہ علماء کرام تھے جنہوں نے اس ستارہ پر چھائی ہوئی گمنامی کی بدلیوں کو بٹایا۔۔۔ جب اس (ستارے) نے ہندوستان کے افق سیاست سے طلوع کیا تو احزام میں لاکھوں اور کروڑوں ہندوستانیوں کی پیشانیوں اس کے سامنے جھک گئیں۔“ (۴) اور اسے ”مہاتما گاندھی“ کے نام سے پکارا جانے لگا۔ علماء کرام نے اپنے جہلوں کی صدارت پیش کی۔ خلافت خط سے ان کے دورے کا ملک گیر پروگرام بنایا۔۔۔ مسلم سیاسی راہنماؤں کے کارناموں میں یقیناً یہ قابل فخر یادگار تذکرہ رہ جائے گا کہ انہوں نے ملک کو اتنا

عظیم لیڈر دیا۔۔۔ علماء کی مردم شناس نگاہوں نے ایک ایسے جوہر قابل کو ڈھونڈ نکالا کہ اس نے بھی ان کے تصورات و خیالات کے خلاف کوئی عملی اقدام نہیں کیا اور بلاخر ہندو مسلم اتحاد کے عظیم مشن کے سلسلے میں اس نے اپنی جان دے کر یہ ثابت کر دیا کہ علماء کرام کا انتخاب صحیح اور درست تھا۔“ (۵)

سرمایہ سے لئے، حتیٰ کہ کانگریس کے لئے ایک کوڑ بھڑکے سے لئے آپ کے دوروں کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کئے۔“ (۳)

گاندھی اور اسلام

مسٹر گاندھی نے کھلے عام اعلان کیا تھا کہ ”میں خود کو سناٹنی (قداست پسند) ہندو کہتا ہوں کیونکہ اول تو ویدوں، اپنشدوں، پرتوں اور ہندوؤں کی تمام دینی کتب پر میرا اعتقاد ہے۔ دوم یہ کہ میں ویدوں کے مطابق ورنا شرم و دھرم (نسلی امتیاز کا قانون) کا قائل ہوں۔ تیسری بات یہ کہ میں گونا گونا گوں متوں کو دھرم کا جزو سمجھتا ہوں اور چوتھی بات یہ کہ سورتی پوجا پر میرا ایمان ہے۔“ (۴)

اگر مسلمانوں کے اذیان میں یہ بات سما جاتی کہ مسٹر گاندھی قداست پسند ہندو ہیں تو نہ وہ اس کی قیادت قبول کرنے پر رضا مند ہوتے اور نہ ہی اسے اپنی عقیدتوں کا مرکز بناتے۔ اس لئے خلافتی لیڈروں نے مسٹر گاندھی کو مسلمان یا کم از کم اسلام کے قریب تر ثابت کرنے کی سب سے پہلی کوشش کر دی، مولوی قاسم علی نے اپنا تجربہ ان الفاظ میں پیش کیا۔

”جہاں تک میں نے تجربہ کیا، گاندھی جی نے رومانیت کی طرف توجہ کی ہے اور اسی کا اثر ہے۔ سارا ملک ان کی آواز پر لبیک کہتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا شخص ایسا تیار ہو تو دنیا اس کی آواز پر لبیک کہے گی۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان ہو کر غیر مسلم کی رومانیت کا اعتراف کرتا ہوں۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ وہ اپنی ریاضت سے چونکہ اپنے نفس کو مارے جاتے ہیں۔ اس کا تجربہ ان کے مخالفوں کے بعد آپ کر سکتے ہیں۔“

ان کی اپنی رائے اور نیت اور ارادے پر کتنا بھروسہ ہے۔ دوستو احمد آباد نہیں بلکہ سارے ہندوستان میں ان کے لفظوں کو ایک جھنڈا بنا کر اڑانا چاہتے اور ان کی تائید کرنی چاہتے۔ میں ان لفظوں میں ان کی تائید کرتا ہوں۔ (۵)

مولوی عبدالماجد دریا بادی کا عقیدہ تھا کہ۔ ”اپنا خیال ہے کہ گاندھی جی توحید کی حد تک تو مسلمان تھے اور خدائے واحد ہی کو خالق، کار ساز اور حکمران سمجھتے تھے۔ اصل اشتباہ و مغالطہ انہیں مسئلہ دینی میں رہا۔“ (۶)

مولانا محمد علی جوہر نے تو یہاں تک دعویٰ کیا کہ مسٹر گاندھی نے قرآن پاک بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت کا قائل ہو چکا ہے لیکن اس کے دل کا غرور اسے یہ اعلان کرنے سے روکے ہوئے ہے۔“ (۷)

مولانا شوکت علی نے اپنی تقریر میں فرمایا: ”مہاتما گاندھی سچے خدا کی پرستش کرتے اور حق پر جان دیتے ہیں“ (۸)

یہی وجہ تھی کہ دہلیات میں مسٹر گاندھی کی امامت کا غلط فہمی پھیل گیا تھا۔ مولوی محمد فضل قدیر ظفر ندوی نے یہ اپنا چشم دید واقعہ لکھا ہے۔

چونکہ یہ ”مہاتما گاندھی“ موجودہ دور میں بڑی خفت کا باعث بن رہا ہے۔ اس لئے اس کے اثرات زائل کرنے کے لئے مفتی محمد رفیع صاحب نے یہ دعویٰ کیا کہ۔

”حضرت والد صاحب (مفتی محمد شفیع صاحب) نے اپنے رسالہ ”مسلم لیگ اور کانگریس کے متعلق شرعی فیصلہ“ میں اس کا نہایت مفصل جواب دیا کہ حضرت شیخ الحدیث نے ہندوؤں کے ساتھ اشتراک عمل کو اس لئے گوارا کیا تھا کہ اس وقت قیادت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندو اس قیادت کے پیچھے چل رہے تھے۔“ (۹)

غور سے دیکھا جائے تو اس دعویٰ میں کوئی وزن معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ جب ”شیخ الحدیث“ صاحب خود ایک متعصب ہندو کی قیادت کا اعزاز بخشے ہیں اور اسی دوران ہندو مسلم اتحاد کا مشہور زمانہ فتویٰ بھی جاری کرتے ہیں۔ (۱۰) تو ہندوؤں کو کیا ضرورت تھی کہ وہ مسلمان قائد کی راہنمائی میں کام کر لیں؟ (۱۱) اگر مفتی صاحب کا اشارہ تحریک ریشمی رومال کی جانب ہے تو یہ بھی ان کی خوش فہمی ہے۔ وہ بقول مولوی حسین احمد سابق مستم دار العلوم دیوبند ایک سیکولر تحریک تھی (۱۲) اس کے صدر مشہور متعصب ہندو راجہ مندر پتھاپ تھے۔ (۱۳) سرکاری لیڈروں میں لالہ لاجپت رائے، ڈاکٹر راجندر پرشاد اور پنڈت سربو جیے ہندو قائدین شامل تھے جو مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تک تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ انہیں کسی قسم کی مراعات یا حقوق دینے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ انہیں شدہ کر کے ہندو بنا لینے کے درپے تھے۔ (۱۴) لیکن تحریک کے متعلق یہ دعویٰ کرنا کہ مسلمان قائد اور ہندو مقتدی تھے۔ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

منتخب قائد چونکہ اس وقت بالکل غیر معروف تھا۔ اس لئے قوی سطح پر اسے متعارف اور ”مہاتما“ کے عہدہ جلیلہ پر فائز کرانے نیز مسلمانوں کے دلوں میں اس کی عظمت بٹھانے کی خاطر ملک گیر دوروں اور کثیر رقم کی ضرورت تھی۔ اس مشکل پر کیسے قابو پایا گیا۔ یہ بھی مولوی محمد اسعد صاحب کی زبانی سنئے۔

”سوال یہ پیدا ہوا کہ ہندوؤں میں جہاں ملک کا دورہ کریں۔ پیسہ کہاں سے آئے؟ حضرت شیخ الحدیث رحمت اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ”بے شک یہ فتنہ مسلمانوں کا ہے لیکن ہندوستان کی آزادی جس طرح تمام ہندوستانی باشندوں کی ضرورت ہے اور ملک کی ضرورت ہے۔ اسی طرح عالم اسلام کی ضرورت ہے۔ عالم اسلام میں جو تباہی و بربادی ہے اور اسلام دشمنوں کو جو خطرہ ہے اور ان کی جو سازشیں ہیں۔ یہ اس وقت تک ٹوٹ نہیں سکتیں جب تک ہندوستان آزاد نہ ہو اور برطانیہ کا منہ کالا نہ ہو۔ اس لئے مسلمانوں کا فتنہ ختم نہ ہو تا کہ آزادی کا قافلہ بنے اور ملک کی آزادی سے عالم اسلام آزاد ہو۔“ (۱۵)

اس کی تصدیق مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے:

”یہ حقیقت ہمیں ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد رہے گی کہ سب سے جلیل القدر ہندو راہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا۔ ہماری قید کے بعد بھی مسلمانوں نے دورہ کے مصارف خلافت کے

ہاتھوں میں رہی بلکہ یہ کمنا بالکل صحیح اور عجا ہوگا کہ اگر مامتا گاندھی اس تحریک میں پوری قوت کے ساتھ شامل ہو کر اس کا کل بار اپنے کندھوں پر نہ لے لیتے تو تحریک خلافت میں ہو زور پیدا ہوا وہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا۔ مامتا گاندھی اس اعلان کے ساتھ تحریک خلافت میں شریک ہوئے تھے کہ یہ مسلمانوں کا مذہبی معاملہ ہے اور جب ہمارے مسلمان بھائی بے چین ہیں تو ہم کیسے خاموش رہ سکتے ہیں" (۲۳) ابو الکلام آزاد نے اپنی ایک تقریر میں مسٹر گاندھی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"خلافت کی تحریک ہندوستان کی بڑی سے بڑی خدمت تھی جو تاریخ ہند کی اس عظیم شخصیت یعنی مامتا گاندھی نے انجام دی ہے" (۲۵)

ان "اسلامی خدمات" کے پیش نظر نیشنل مسلمان حلقوں میں مسٹر گاندھی کو ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا: "۲۳ نومبر ۱۹۹۹ء کو خلافت کانفرنس کا ایک جلسہ دلی میں بڑی دھوم دھام سے مسٹر فضل الحق (بنگال) کی صدارت میں منعقد ہوا، مامتا گاندھی بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے۔ ان کے خیر مقدم کا خاص اہتمام کیا گیا تھا اور اتنا جھوم غلغلا تھا کہ چاندنی چوک اور جامع مسجد کی آواز دھمکتے میں طے ہوئی۔ اس اجلاس میں صرف خلافت کمیٹی کے قائم مقام شریک کے لئے جو تمام صوبوں سے آئے تھے۔ البتہ مامتا گاندھی کو ان کی عظمت کی وجہ سے شریک جلسہ کیا گیا تھا اور کچھ ان

"پورب کے دسمات میں یہ افواہ پھیلی کہ گاندھی جی بنی امام آفرانز اور نعوذ باللہ امام ممدی ہیں۔ چنانچہ دسماتی مسلمان مجھ سے سوال کرتے تھے "مولیٰ صاحب" "مامتا گاندھی امام ممدی ہے" میں جواب دیتا "ارے وہ تو کافر ہے، خیروار جو کسی نے اس کے بارے میں ایسا عقیدہ اختیار کیا" (۱۹)

ہر فرمان واجب العمل

تحریک خلافت و ترک موالات کا سربراہ بن جانے کے بعد کسی قوم پرست مسلمان میں یہ جرات نہ تھی کہ وہ مسٹر گاندھی کے کسی بھی حکم کی خلاف ورزی کر سکے۔ "۱۱ مئی ۱۹۳۱ء کو آکر آباد کانفرنس کے صدارتی خطبہ میں مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے فرمایا۔

"کہا جاتا ہے کہ مامتا گاندھی تو ایک اوتار ہیں مگر ان کے دو لفٹیننٹ بہت خطرناک ہیں۔ بعض لوگوں کو شرکت علی ۷۵ فیٹ کے نظر آتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ شرکت علی کی طاقت کی کوئی حدود نہیں ہیں۔ تاہم جو کچھ مامتا گاندھی کہتے ہیں وہی ان کے لفٹیننٹ بھی تعلیم دیتے ہیں" (۲۰)

قاضی محمد عدیل صاحب عباہی رقمطراز ہیں۔

"مولانا ابو الکلام آزاد کو تو انور علی گاندھی جی کے ہمنوا تھے" (۲۱) جہاں تک ابو الکلام آزاد کی ہمنوائی کا تعلق ہے، انہوں نے پوری زندگی "مامتا جی" کی نذر کر دی:

"ہندوستان کی سیاست کے اس انقلابی دور میں حضرت مولانا (ابو الکلام آزاد) کی پہلی ملاقات مامتا جی سے ۱۸ جنوری ۱۹۳۰ء کو دہلی میں ہوئی جہاں مسئلہ ترکی و خلافت کے متعلق واسطہ رائے سے گفتگو کرنے کے لئے تمام ممتاز ہندو مسلمان لیڈر جمع ہوئے تھے۔ اس موقع پر آجملانی تلک بھی موجود تھے اور وہی دن تھا جب مولانا اور گاندھی جی کے درمیان محبت اور غلوں کا ایک ایسا رشتہ قائم ہوا جو گاندھی جی کے آخری دم تک قائم رہا" (۲۲)

بات ہو رہی تھی مسٹر گاندھی کی فرمانبرداری کی۔ قاضی محمد عدیل صاحب عباہی کا بیان ہے۔

"امام آباد کانفرنس کے موقع پر مولانا عزیز گل (رفیق حضرت شیخ الحداد) نے ایک مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے، جس میں "میں خود موجود تھا۔ کہا۔ "ہم نے گاندھی کو اپنا راہنما مان لیا ہے، آج سے کو سے گا تو آج سے، ہم نے گاندھی سے کو سے گا تو پیچھے نہیں ہٹے۔" ۱۰۰

عقیدت کے پھول

حاجی لیڈروں کا ذہن یکہ اس قسم کا بن گیا تھا کہ وہ مسٹر گاندھی کی ہر بات و ماوی تصور کرنے لگے اور ساری فتوحات کا سرچشمہ "مامتا جی" کی بات قرار پائی۔ اس کا ایک مظہر رقمطراز ہے۔

"کہ خلافت کی قیادت ابتدا سے انتہا تک مامتا گاندھی کے

انسانی خدمت اور ہر دم صحت کے لیے کوشاں

- نظری عینکیں اور دھوپ کے ٹھنڈے فیشن ایل چشمہ باز اسے با رعایت عینک
- نظری کمزوری اور جدید فیشن ایل کینکٹ لیزر گولڈ کینکٹ شیش لائبریر
- ہر مرض کا شافی علاج بذریعہ جدید میو سوجنیک سائنس سے مکمل ہوا

نور چشمہ

واللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے

سفید موتیا بند شافی علاج

غریب اور بیوگان کیلئے فی سبیل اللہ

امتیاز آپٹیکل اینڈ ہیومیو پیڈی کیمر سٹریٹر

مدینہ مارکیٹ، طفیل روڈ، باغیچہ، کیم بکرا، لالہ لالہ، گول پور، سندھ بازار، لاہور، کینٹ

صاحب مرحوم نے کہا: ”مہاتما (گاندھی) کا بال بھی بیکا ہوا تو میں جان دے دوں گا“ (۳۲)

مولوی عبداللطیف صابانی بھی مسٹر گاندھی سے عقیدت و محبت میں کسی سے پیچھے نہیں تھے اپنی آپ جی میں لکھتے ہیں:

”تحریک خلافت و ترک موالات کا زور بندھا اور ہر روز ہر جگہ جلے ہوئے لگے اور جلوس نکلتے لگے اور مجھے جو عقیدت گاندھی جی اور مولانا محمد علی کے ساتھ تھی اس کے تقاضے سے ان جلے جلوسوں میں شریک تو ہونے لگا لیکن کسی اور عملی قدم پر آمادہ نہ ہوا۔ عقیدت ان دونوں سے برابر بڑھتی رہی اور مارچ ۱۹۳۲ء میں عرس خواجہ امیری (رحمت اللہ علیہ) کے موقع پر امیر جا کر گاندھی جی سے ملا۔“ (۳۳)

مولوی سبحان اللہ گورکھپوری اپنے ۲۶ نومبر ۱۹۳۱ء کے خط میں رقمطراز ہے:

”انگلستان کی سیاحت جس نے دنیا میں چار سو برس کے اندر کوس لمن الملک الیوم بجایا تھا اور دنیا کی بہترین، عقیم ترین، قوی ترین قوم کو سیاسی میدان میں طفل مکتب کر کے دکھا دیا تھا۔ وہ ہماری کانگریس کے صرف ۳۵ سالہ سیاست آرائی سے گرا کر اس طرح چور چور ہو گئی کہ ہم کو یہ کہنے کا حق ہے کہ کم من فتنہ قلیلہ کثیرہ“ اس اجمال کی

تفصیل یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان مطلق سیاسی محرک آرائی کا میدان عمل رہا ہے اور ۱۹ مئیوں کی تحریک ہم کو اس مقام پر لائی ہے جہاں خداوندی انتظام ایک نبی کی ضرورت تسلیم کرتا ہے لہذا ہم آپ کو بتا دینا چاہتے ہیں کہ آپ اسی مقام پر آکر سیاسی دماغوں کو سر تسلیم خم کرنا پڑے گا اور مذہب اپنا جھنڈا بلند کر کے آگے آئے گا اور اپنے اعلیٰ

قوانین کی بنا پر آپ کو راہ عمل بتائے گا اور سنی مفکور کو بجائے لبیک کہنے کے السی مئی کہتے ہوئے آگے بڑھ کر علم والا تمام سن اللہ بلند کرے گا، اے میرے عزیز محترم مہاتما گاندھی جی، اے میرے عزیز محترم اور مذہب کی پیچیدہ راہیں ملے کے ہوئے ابوالکلام، اے میرے محترم و مقدس بزرگ جن کی ہستی ہمارے لئے ایک فرحت بخش

نظارہ ہے یعنی قیام الدین عبدالباری، اس خوشی کے موقع پر انبیاء پاکرے والے عبدالماجد، آگے بڑھو، آگے بڑھو اور مذہب کی جبل شین چکڑو، تم کسی مذہب کے ہو مگر خدا کی رسی جو تمہارے انتظار میں لٹک رہی ہے اس کے سارے سے لٹک جاؤ۔۔۔

اے میرے عزیز مہاتما گاندھی جی، تم خداوند قدوس کے اس نظارے سے مت گھبراؤ جبکہ وہ اپنے لئے ہماری عزیز ترین چیزیں بیعت لے رہا ہو، یاد رکھو جس دن تم نے بیعت چڑھانے کا قصد کیا، اسی دن خدا اپنی مدد کا ہاتھ واپس لے لے گا، البتہ یہ تم خدا پر چھوڑ سکتے ہو کہ وہ تم سے کب اور کیا مانگا ہے اور کب اور کیا لے گا۔ اگر کسی

مقام پر کسی جماعت خاص نے کسی کمزوری کا اظہار کیا ہو تو وہ صرف اس امر کی شہادت ہو سکتی ہے کہ خدا ابھی تم سے تمہارے سنی کی بہترین جدوجہد اور چاہتا ہے جس کے بعد وہ اپنے دم و کرم کا ہاتھ کال دراز کرے گا۔“ (۳۴)

ہندو بزرگوں نے بھی شرکت کی تھی جن کو مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ سندھ، رنگون، بنگال، بھار، صوبہ متحدہ وغیرہ سے جو ہندو آئے تھے ان کو مسلمانوں نے خلافت کیٹیوں کی طرف سے بھیجا تھا۔“ (۳۵)

ایک دینی تحریک کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے دینی مدرسوں کا افتتاح کرنے کے فرائض بھی ”مہاتما جی“ کو ادا کرنے پڑتے تھے مولوی عبدالرزاق طبع آبادی لکھتے ہیں:

”۱۹۳۱ء (پیش کے نزدیک دسمبر ۱۹۳۰ء) میں ترک موالات کی تحریک نے کلکتہ کی سرکاری عملی ورثی درسگاہ مدرسہ عالیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، ایک نیا عظیم الشان دینی مدرسہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھوں قائم ہو گیا۔ گاندھی جی نے آکر مدرسے کا افتتاح کیا۔ مولانا حسین احمد مرحوم صدر مدرس بنے۔“ (۳۶)

”مولانا آزاد نے اس موقع پر جو تقریر کی وہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ انہی اہل عربی دینی مدرسے کے افتتاح کے لئے کی گئی تھی۔ اول تو اس نے گاندھی جی کے ہاتھ سے گرا تا، دوسرے یہ تھا کہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت کی فضا کیا تھی اور مسلمانوں میں گاندھی جی کی محبوبیت و مقبولیت کا کیا عالم تھا۔“ (۳۷)

مولانا عبدالباری فرنگی علی رحمت اللہ علیہ بھی اس جذباتی دور کا شکار ہوئے جو بعد میں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے سمجھانے پر نہ صرف تائب ہوئے بلکہ اپنا توبہ نامہ بھی شائع کرا دیا تھا۔ مولانا موصوف نے قریباً تھا:

”میں مذہب کا پابند ہو کر ان (گاندھی) کی عقلمندی کی عقلمندی سے مسلمان رہ کر اتحاد پیدا کرنے میں کوئی نقص نہیں، ہم وطنی کا خیال لازم ہے، ان کے اخلاق نے یہ بات (ترک گاؤشی) میرے ذہن میں پیدا کر دی۔ سوال یہ ہے کہ ہم مسلمان اور سچے مسلمان رہ کر ہندوؤں سے اتحاد رکھ سکتے ہیں یا نہیں، میں کون گا کہ یقیناً موجودہ مشکل زمانہ میں غیر مسلم کی بددردی کو خرق عادت سمجھتا ہوں اور ہندوؤں میں اس کی جو نظیر دی جاسکتی ہے وہ مہاتما گاندھی کی ذات ہے۔“ (۳۸)

الحاج محمد زبیر صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”میں نے وہ زمانہ دیکھا ہے جب گاندھی جی اور مولانا محمد علی ہم خیال و ہم آواز تھے اور ان کے باہمی تعلقات کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے بیٹے بھائی مولانا شوکت علی کو گاندھی جی ”بگ برادر“ کہتے تھے اور یہ دونوں بھائی انہیں مہاتما جی کہا کرتے تھے۔“ (۳۹)

آل انڈیا کانگریس کے سیکریٹری منقذہ امرتسر ۱۹۱۹ء میں مانینگو جیسٹورہ اصلاحات کے نظارے کے سلسلے میں مسٹر گاندھی کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شوکت علی مرحوم نے فرمایا:

”کوئی قانون ہو یا دستور اعلیٰ ہو، اس کو قبول کرو جس سے بے شک محمد علی و شوکت علی کو چھائی مل جائے مگر میرے مہاراج گاندھی کو چاروں کی طرح واپس نہ کیا جائے۔“ (۴۰)

نولائی ۱۹۳۰ء میں دہلی دروازہ لاہور کے جلسہ میں مولانا شوکت

نومبر ۱۹۹۳ء میں خلافت کے معروف لیڈر اور مشہور اہلحدیث عالم مولوی ثناء اللہ امرتسری نے مسٹر گاندھی کی بٹا خوانی کی:

”گاندھی احمد آباد ہجرات کے رہنے والے ہندو بزرگ ہیں۔ ہندوستان کی محبت میں اپنا تمام کاروبار ذاتی اور خاندانی بلکہ پیش و آرام بھی چھوڑے ہوئے ہیں۔ ملک کی مفلسانہ محبت میں ایسے رکتے ہوئے ہیں کہ صاحب و وزیر ہند تک ان کے اخلاص اور محبت ملکی کے قائل ہیں“ (دو) دہلی سے ۲ نومبر (۱۹۹۳ء) کو صبح بمبئی میل پر امرتسر تشریف لائے۔ خاکسار بھی گذشتہ سفر سے اسی گاڑی پر آیا تھا۔ آکر شیش پر دیکھا تو بڑا ہندو مسلمان سامتا گاندھی کے استقبال کے لئے موجود ہیں، اس جہوم کو دیکھ کر مجھے خلیفہ ہارون الرشید کی حکومت کا ایک واقعہ یاد آیا۔ امام عبداللہ ابن مبارک بغداد تشریف لائے تو مسلمان ان کے استقبال کو اس کثرت سے نکلے کہ شہر قریباً خالی ہو گیا۔ خلیفہ کی لوطی نے اپنے محل سے دیکھا تو کہا: ”خدا کی قسم! ہارون کی حکومت تو چاہت ہے“ اصل حکومت تو یہ ہے۔“ (۳۵)

گاندھی کیپ اور کھدر

اسلام میں جب یا کفار کی ممانعت ہے لیکن جب ہوش کے بجائے جوش سے کام لیا جائے، کفر اور اسلام کے امتیاز کی اہمیت نظر انداز کر دی جائے، اسلامی تہذیب و تمدن پر ملکی تہذیب و تمدن کو ترجیح دی جائے، مسلمان اپنے آپ کو علیحدہ قوم تصور کرنا ترک کر دیں اور کسی غیر مسلم کو راجھا بنا کر اس کا ہر حکم بلا چون و چرا تسلیم کرتے گلیں تو اسی قوم کے رنگ میں رنگ جانے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، یہی حادثہ مسلمانوں کے ساتھ تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران پیش آیا۔ گاندھی کے سر پر جو ٹوپی دیکھی، ہو بنو اسی قسم کی ٹوپیاں نہ صرف خود زیب سر کرنی شروع کر دیں بلکہ اسے پورے ملک میں رواج دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا (۳۶) کسی نے ٹوکا تو اس پر انگریز کے پنجو ہونے کا الزام لگا دیا گیا۔ ”مسلمانوں نے گاندھی ٹوپی بھی اختیار کر لی۔ انگریز کے پنجو ہو ہر جگہ اسلام کا نام محض انگریز کی حمایت کے لئے لیتے تھے، فوراً دوڑ پڑے اور کہا کہ گاندھی ٹوپی کا پہننا جائز ہے؟“ جواب دیا گیا لیکن سب سے موثر جواب یہ تھا کہ خود علماء نے گاندھی ٹوپی پہن لی ہے۔“ (۳۷)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”مسند کے مشہور عالم مولانا محمد ہاشم جان مہندی تھہری نے راقم سے خود فرمایا کہ احد کے ایک سیاسی جلسے میں مولانا حسین احمد دیوبندی (۳۸) نے علماء اور عوام کے سر سے مٹامے اتروا کر گاندھی کیپ اوڑھائی جو وہ خود اپنے ساتھ لائے تھے، یہ منظر خود مولانا مروتوم نے ملاحظہ فرمایا۔“ (۳۹)

مولوی انضال الحق قاسمی صاحب فرماتے ہیں:

”اگر ہم حضرت شیخ (مولوی حسین احمد دیوبندی) کو نہ دیکھتے تو ہرگز یقین نہ آتا کہ اس چودھویں صدی میں کوئی صحابہ کی طرح

اسلام پر عمل بھی کر سکتا ہے۔“ (۴۰)

مسٹر گاندھی نے حکم جاری کیا کہ تمام ہندوستانی کھدر پہنیں تو چودھویں صدی میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح اسلام پر عمل کرنے والے اس مولوی صاحب کے لباس کا نقشہ کچھ یوں بن گیا:

”کھدر کا پاجامہ، کھدر کا پیراؤن رنگ کا کرتہ زیب بدن اور کھدر کی دو پلی ٹوپی (جیسی اس زمانہ میں تمام طلبائے دارالعلوم پہنا کرتے تھے) زیب سر ہوتی تھی۔“ (۴۱)

بات بات پر بدعت کا فتویٰ لگانے والے اسی مولوی صاحب کے متعلق کیا فرمائیں گے کہ:

”جس میت کا کفن لٹھے کا ہوتا تھا اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے مگر امام جنازہ نہ بنے تھے۔“ (۴۲)

اور

”اگلے دن اپنے سکول کے ساتھیوں میں یہ خبر سنی کہ مولانا (حسین احمد دیوبندی) نے ایک جنازے کی نماز کے وقت سخت ناراضگی اظہار کیا کیونکہ کفن کھدر کا نہیں تھا۔“ (۴۳)

اور

”حضرت شیخ (مولوی حسین احمد دیوبندی) کا جسم مبارک دودھ کی طرح سفید اور آب زمزم میں دھلے ہوئے کھدر کے کفن میں لپٹا ہوا

ہمارے ہاں
پلاسٹک گلاس ٹیکسٹ لیزر۔ کاسٹیکس لیزرز
بھی فٹ کیے جاتے ہیں



فاریوق آپٹیکل سروسز

۱۔ علامہ اقبال روڈ (مقابلہ انارک) چوک بوہڑ لاهور

فون: ۶۳۶۹۷۲۳
۶۳۶۵۰۲۸

تھا۔ آپ نے زندگی بھر کھدر پنا کھدر ہی کا استعمال کیا اور مرتے بعد بھی کھدر ہی کا کفن آپ کے حصہ میں آیا۔" (۳۴)

ایک مولوی حسین احمد دیوبندی پر ہی کیا موقوف ہے 'ابوالکلام آزاد نے غالباً ۱۹۲۰ء سے کھدر پہننا شروع کیا' آخر تک اسی پر قائم رہے۔ (۳۵) مولوی حطاء اللہ شاہ بخاری نے تمام عمر موٹا بھوٹا پنا کھدر کبھی ترک نہیں کیا۔ (۳۶) اسی طرح مولوی احمد علی لاہوری کے سر پر کھدر کی ٹوپی اور اس کے اوپر کھدر کی دستار فضیلت جس کے صرف چار پنج ہوتے تھے، کھدر کا لبا سا کفنی تھا کرتے جس کے موٹے موٹے دھاتے نمایاں طور پر نظر آتے تھے اور ٹخنوں کے اوپر کھدر کی شلوار زیب تن رہتی تھی۔ یہ لباس زندگی کے آخر دن تک رہا بلکہ اپنے کفن کی چادریں بھی کھدر سے تیار کروائیں۔" (۳۷)

قاضی محمد عدیل عباسی لکھتے ہیں:

"موٹا کھدر سب کے جسون پر آگیا، چوت چیلنے لگا، ساڈی، بے نفسی، پابندی محبت، سچائی اور آزادی وطن کا عزم راج بدم نشو یہ بیروان گاندھی کی شمشیریں تھیں۔" (۳۸)

عبدالحمید سالک نے قوم پرست کانگریسی مسلمانوں کے بدلتے ہوئے انداز ان الفاظ میں بیان کئے ہیں:

"نیشلت اور کانگریسی مسلمانوں نے اپنے آباؤ اجداد کے وضع لباس کو چھوڑ کر کھدر کی گاندھی ٹوپیوں اور دھوتیاں اور چادریں اوڑھنا اختیار کر لیا۔" (۳۹)

پہنانے کا انداز

بعض لوگ اب بھی مسٹر گاندھی کے مداح ہیں اور انہیں افسوس ہے کہ "پاکستان کی سرزمین میں گاندھی جی کے پایہ کا کوئی راہنما پیدا نہ ہوا۔" (۴۰) لیکن اس کی دور تحریک خلافت وترک موالات اور بعد کی پوری زندگی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ ہر حال میں ہندو مفادات کا تحفظ کرتا تھا۔ اس کی پوری سیاسی تک و دو کا بنیادی مقصد انگریزوں کے جانے کے بعد ہندو راج قائم کرنے کا تھا۔ (۴۱) اگرچہ ظاہری طور پر وہ عدم تشدد کی تبلیغ کرتا تھا لیکن مسلمانوں کو دک پہنچانے کے لئے طاقت کے استعمال کا بھی حامی تھا۔ (۴۲) یہ علیحدہ بات ہے کہ اپنے اسلام دشمن منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اسے مسلمان راہنماؤں کی ضرورت تھی، اس مقصد کے لئے طریق کار یہ اپنایا تھا کہ "ہندو جی کے لوگوں کو جن لیتے تھے اور ان کو ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے تھے۔" (۴۳) اسی قاعدہ کے مطابق مسٹر گاندھی نے امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تھی لیکن موخر الذکر کے انکار (۴۴) کی وجہ سے دوسرا دروازہ کھلنا پڑا۔

مسٹر گاندھی مسلمانوں کو اپنے جال میں پھنسانے کے لئے مختلف طریقے اپناتا تھا، تحریک خلافت کے دوران مسلمانوں کے جذبات اور جوش و خروش سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ کہہ کر میدان میں اترے۔

کہ "میرے مسلمان بھائیوں پر آزمائش کا وقت ہے، میں ان کے مطالبے کے حسن و قبح پر غور کر کے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ مطالبہ ناجائز نہیں ہے، لہذا میرا فرض ہے کہ میں ان کا پورا ساتھ دوں۔" (۴۵) پھر کہا کہ "میں نے اپنے آپ کو علی برادران کی گود میں ڈال دیا ہے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ وہ سچے اور خدا ترس لوگ ہیں۔" (۴۶) اس طرح تحریک خلافت کی صدارت پر قابض ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد اسے اصل ہدف سے ہٹا کر سوراج حاصل کرنے کی تحریک میں بدل دیا۔

وہ مذہبی عناصر کو ہندو مسلم اتحاد کی وکالت اور سادہ لوح مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے استعمال کرنے کی ضرورت کو شہت سے محسوس کرتا تھا، اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ہر حربہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا، اگرچہ مسٹر گاندھی ایک کٹر ہندو تھا اور روحانیت کی ایجاد سے بھی واقف نہیں تھا لیکن منافقانہ انداز سے اس بات کا مدعی تھا کہ وہ "علاء کرام" کی قربت سے روحانی فیض حاصل کرتا ہے۔ مولوی سعید احمد اکبر آبادی نے اپنی تقریر میں کہا:

"ہندت سندر داس نے مجھے بتایا کہ گاندھی جی نے ایک مرتبہ ان سے کہا: مولوی حسین احمد مجھے ملتے ہیں تو میں ان میں ایک روحانی کشش محسوس کرتا ہوں۔" (۴۷)

مسٹر احسان بی اسے رقمطراز ہیں:

"چندر بوڑھ ہوئے ایک محفل میں مولانا احتشام الحق تھانوی نے گاندھی جی کا ایک دلچسپ واقعہ سنایا، فرمایا کہ تحریک خلافت کا ابتدائی زمانہ تھا اور مسلمان ابھی پوری طرح میدان میں نہیں اترے تھے، تحریک میں گاندھی جی کی دلچسپی بعض دور اندیش مسلمانوں کے لئے حیرت کا موجب بنی ہوئی تھی اور انہیں میں یہ پہچا ہوا رہا تھا کہ گاندھی جی کس مقصد کے تحت تحریک پر اتنے مہیاں ہیں۔ اسی ایام میں گاندھی جی نے حکیم اجمل خاں مرحوم کو مشورہ دیا کہ تحریک کے لیڈروں کو چاہیے کہ مولویوں اور مذہبی دیوانوں کو اپنے ساتھ ملا لیں۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ ان کے ملائے بغیر تحریک قوت نہیں پکڑ سکتی اور عوامی تحریک نہیں بن سکتی۔ چنانچہ اس مشورے کے مطابق خلافت کے زعماء کا ایک وفد جس میں حکیم اجمل خان، مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور دوسرے لیڈر شامل تھے، ہمارے ضلع مونگیر میں مولانا محمد علی مونگیروی سے ملنے کے لئے گئے، مولانا صرف اپنے ملائے میں ہی نہیں بلکہ اس سے باہر بھی بڑی موثر شخصیت تھے۔

وفد کے ہمراہ گاندھی جی بھی مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو گاندھی جی نے مولانا سے بہت اوجہ کے ساتھ کہا کہ "مولانا میں نے شخصیت ضلع اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ آپ دنیا سے مغیرہ آئے انسان تھے۔ اس کے علاوہ میں نے قرآن کریم کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ عظیم کتاب ہے اور اس نے میرے دل و دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔"

سکتی ہے اور ہر دھڑکنے والا دل محسوس کر سکتا ہے کہ ایک بین المذاہب اسلامک تحریک میں ایک غیر مسلم کا کیا کام تھا۔ وہ گاندھی جو آج صرف اس واسطے پاکستان کی مخالفت میں اڑی ہوئی کا زور لگا رہے ہیں کہ کہیں یہ پان اسلامک تحریک نہ ہو۔ مسلمانوں کے جذبہ ملی سے کس عنوان سے اتفاق کر سکتے تھے۔ گاندھی جی صرف مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو ناکرنا چاہتے تھے۔ وہ اکثر کہتے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کا موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ (۶۱) مگر افسوس کہ مسلمانوں پر ایسا جنون سوار ہو چکا تھا کہ گاندھی کی ”بنیاد پرستی“ کو ذرا نہ سمجھ سکے۔ (۶۲)

دوسرا مقصد گاندھی کی مخالفت کا تھا۔ مسٹر گاندھی نے واضح النہد میں کہا تھا کہ مولانا شوکت علی کو یاد دہا رہا تھا کہ میں ان کی گاندھی (خلافت) بچانے میں مدد کر رہا ہوں تاکہ اپنی گاندھی کو مسلمانوں سے بچا لوں (۶۳) وہ عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہنے کے باوجود ہزور ہشیر (۶۴) یا ہڈو (۶۵) قانون (۶۶) ذبیحہ گاو پر پابندی لگانے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جب تک ہندوستان میں ایک گاندھی نہیں رہتا ہوتی رہے گی اس وقت تک اس ملک کو حقیقی معنوں میں آزاد تصور نہیں کیا جائے گا (۶۷) ظاہر ہے کہ ہزور قوت وہ اپنا یہ مقصد حاصل نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے ایک جانب تو مسلمان مذہبی راہنماؤں کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی (۶۸) دوسری طرف ہندو مسلم اتحاد کی آڑ میں مسلمانوں کو رضا کارانہ طور پر ذبیحہ گاو کے حق سے دستبردار ہونے کی تلقین کی اور اس میں وقتی طور پر کامیاب بھی ہوئے۔ ”تحریک ترک موالات کے دوران ہندو مسلم اتحاد کے

حوالہ مونکھیری گاندھی جی کی ان باتوں کو خاموشی سے سننے سے اور جب گاندھی جی اپنی بات کر چکے تو مولانا نے پوچھا ”مجھے تو آپ اسلام کی وہ بات بتائیے جو آپ کو پسند نہیں آتی اور آخرت میں اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اس کمزور پہلو سے آگاہ کیجئے جسے آپ نے اچھا نہیں سمجھا“ گاندھی جی اس سوال کے لئے تیار نہ تھے، کچھ چرکتے اور فوراً بولے ”ایسا تو کوئی پہلو میری نظر میں نہیں آیا“ اس پر مولانا مونکھیری نے سوال کیا ”تو پھر آپ نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا؟“ گاندھی جی کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مولانا خفا ہو گئے اور فرمایا کہ آپ نے جو کچھ کہا، غلط ہے۔ آپ ہمیں صرف پھانسا چاہتے ہیں۔ صیاد بھی ہندوؤں کو پکڑنے کے لئے انہیں کی بولیاں بولا کرتا ہے“ (۵۸)

یہ تو تھا مسٹر گاندھی جی کے کردار کا ایک پہلو جو نیشنلسٹ مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل رہا اور جس کے ذریعے وہ پھانسنے میں کامیاب رہا وہ تھا اس کا یہ اعلان: ”ممارتا گاندھی نے اب اپنی پوری اسٹیم تیار کر کے عدم تعاون یا ہن کو آپریشن کی پیش کردہ جی وہ کہتے تھے۔ ”چ پلو“ ہر کام کی بنیاد سچائی پر ہو“ جو سچو“ وہ کو“ جو کوہ کو“ زندگی میں کوئی دھوکہ نہ ہو“ (۵۹)

مقاصد

گاندھی جی کو ہندوستان چھیننے ہی یہ فکر دامن گیر ہو گئی کہ کسی طرح مسلمانوں کی مرکزیت اور تنظیم کو ناکرنا چاہئے۔ جب تک مسلمانوں میں ملی کشمکش کا احساس باقی ہے، کبھی بھی ہندوؤں کے قابو میں نہیں آسکتے۔ مسلمانوں کی جداگانہ قومی حیثیت نہ صرف انگریزی حکومت تسلیم کر چکی تھی بلکہ ہندو کانگریس کے ساتھ تو لکھنؤ پیکٹ ہی دو قوموں کے درمیان معاہدہ تھا جو ایک مشترکہ مفاد کے لئے اٹھی ہوئی تھی۔

یہ سب کچھ گاندھی جی کے سامنے تھا۔ مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تھی اور کانگریس ہندوؤں کی۔ لکھنؤ پیکٹ کا بدقت نظر معاہدہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ مسلم لیگ کی سیاسی سیرت عوام مسلمانوں کو ہندوؤں کے سیاسی دباؤ سے صاف بچا کر لے گئی تھی۔ (۶۹) یہ چیز گاندھی جی کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ مسلمان اپنی گذشتہ جیتیں سالہ جدوجہد سے قوم میں کچھ نہ کچھ شعور پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے مگر گاندھی جی کو اس شعور کو ختم میں بدلنا تھا۔ وہ صرف مروج کی ناک میں بیٹھے تھے۔

حالات کی ستم طرینی دیکھتے کہ خلافت کی تحریک میں گاندھی جی کو بے منصوبوں کی کارکاری کے لئے ایک وسیع میدان مل گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے ایک خالص اسلامی تحریک کو آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ میں لے لیا اور جی میں آیا کیا اور مسلم لیگ کا ٹھکانہ بن کر رکھ دیا۔ مگر ان کا مقصد وحید تھا ورنہ ہر دیکھنے والی آنکھ حقیقت تک پہنچ

احق طیلر

ایبٹ

کلاتھ مرچنٹ

186-انارکلی شاہراہ قائد اعظم لاہور

فون نمبرز: 323916 65135

”چونکہ کانگریس کی رائے میں حکومت ہند ملک کے اعتماد سے کلیتہً محروم ہو گئی ہے“ اس لئے باشندگان ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ ہندوستان میں سوراج قائم کیا جائے۔“ (۷۳)

نیشنلسٹ مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے بھی اسی قسم کے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

”آج وقت کی سب سے بڑی مہم اور اوائے فرض اسلامی کی سب سے بڑی ٹازک اور فیصلہ کن گھڑی ہے جو آزادی ہند اور مسئلہ خلافت کی شکل میں ہمارے سامنے آگئی ہے۔“ (۷۴) مولوی محمد سجاد نے ترک موالات کا ایک مقصد یہ بتایا کہ ”ہندوستانی انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہو جائیں اور مسلمان کسی کافر کے محکوم ہو کر نہ رہیں۔“ (۷۵) لیکن جب مسٹر گاندھی سے اپنا سلوگن بدل دیا اور خیال ظاہر کیا کہ بحالی خلافت کا واحد طریقہ یہ ہے کہ پہلے سوراج حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کی جائے، کامیابی کی صورت میں خلافت بھی زندہ ہو جائے گی، تو خلافتی لیڈروں کا لب و لہجہ بھی بدل گیا اور مسٹر گاندھی کی لے میں لے ملائے ہوئے کہنے لگے:

○ ”تحریک خلافت ہندوستان کی آزادی کی تحریک ہے۔“ (ابوالکلام آزاد) (۷۶)

○ ”اگر تمہیں (مسلمانوں کو) ہندوستان سے کچھ سروکار نہیں،

صرف حرمین، بیت المقدس اور عرب کی حکومت کافروں سے واپس لینا

ہے تو پہلے ہندوستان کو سوراج دلا دو۔“ (مولانا محمد علی جوہر) (۷۷)

○ ”چونکہ جمیعت العلماء ہند ہندوستان کی آزادی کے لئے

کانگریس کے دوش بدوش برسرِ پیکار تھی لہذا تحریک خلافت کے دوران

کانگریس کو اس کی کھلی حمایت حاصل تھی کیونکہ جمیعت اس کو

ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ سمجھتی تھی۔“ (مقدمہ

کتاب ”جمیعت العلماء ہند جلد اول از پروین روزیت) (۷۸)

○ ”آج باوجود اختلاف مذہب سب مل کر ایک مقصد واحد آزادی

ملک کے لئے کوشاں ہیں اور ایک ہی متحدہ ترک تعاون پر عمل پیرا ہیں

اور یہ جدوجہد انشاء اللہ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ان

کا مقصد پورا نہ ہو جائے۔“ (مولوی حبیب الرحمن) (۷۹)

یہاں تک کہا گیا کہ مسئلہ خلافت تسلی بخش طریقہ سے حل ہو بھی

جائے یا نہ ہو، مقصد سوراج ہی حاصل کرنا رہے گا:

○ ”گوشتش اور لڑائی صرف امان مقدمہ اور خلافت کے لئے

نہیں بلکہ ہندوستان کو خود اختیاری حکومت دلانے کے لئے ہے۔ اگر

خلافت کا خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے تاہم جدوجہد جاری رہے گی، اس

وقت تک کہ ہم گنگا و جنتا کی مقدس سرزمین آزاد نہ کرالیں۔“

(ابوالکلام آزاد) (۸۰)

○ ”مجھ سے پوچھا جاتا ہے کہ اگر خلافت کا مسئلہ ہمارے حسب

فشاء طے کر دیا جائے گا تو آپ ہم سے موالات کریں گے؟ میں کہتا

ہوں کہ ترکوں کو ان کا اپنا ملک ہی نہیں، خواہ انگلستان، خواہ فرانس،

خواہ جرمن اور خواہ تمام یورپ ہی کیوں نہ دے دیا جائے، اگر ایک

بھی ہندی کے گلے میں طوق غلامی پڑا رہے گا تو میں اس کو توڑوں گا“

مخلوق جو تجاویز و تقاضے ہوئیں ان کا یہ اثر مرتب ہوا کہ ہزاروں مسلمانوں نے قریانی گاؤں سے اجزاؤں کیا، مسلمانوں نے مسلمانوں سے

گائیں چھین کر ہندوؤں کو دے دیں۔ قصابوں کو ذبیحہ گاؤں سے روکا گیا،

رضاکاروں نے پھری کے بچے سے قریانی کی گایوں کو چھڑایا اور اگر ہو

چکی تو اس کو پیکار کر دیا۔“ (۶۸)

مسٹر گاندھی نے تحریک ترک موالات کا بنیادی مقصد سوراج

حاصل کرنا قرار دیا تھا۔ سوراج (۶۹) کا لفظ ہندی زبان سے ماخوذ ہے،

مقصد یہ تھا کہ راج راج قائم کرنے کی خاطر ہندوؤں میں جوش و جذبہ

پیدا کیا جائے تاکہ تحریک کا نام عربی زبان سے لیا گیا، اس سے انگریزوں

کو یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ تحریک چلانے والے مسلمان ہیں، اگرچہ یہ

تحریک عدم تشدد پر مبنی تھی لیکن اگر کسی موقع پر تشدد پیدا ہو جاتا تو

آسانی سے اس کی ذمہ داری مسلمانوں پر ڈالی جاسکتی تھی، گویا آزادی

حاصل ہو تو اس کے ثمرات سے ہندو مستفید ہوتے اور گویوں سے

چھپائی کرنے کے لئے مسلمانوں کے سینے حاضر تھے۔

”مما تمنا جی“ نے نکلنے میں سامعین کو بتایا کہ اگر آپ نے تحریک

ترک موالات میں بغیر پور حصہ لیا تو ایک سال میں سوراج حاصل کر

سکتے ہیں (۷۰) سوراج کا پہلا پوسٹ کیا ہے یہ ایک کانگریسی ہندو لیڈر

چند مالویہ کی زبانی تھے:

”ہمارے یہاں گنو گوار اور تریا گوار بہت مشہور ہے۔ جب کسی

مٹو یا دیوی پر معیت آئی، اس نے پکار کی، فوراً تمام گاؤں اکٹھا ہو گیا

اور پانی ڈسٹوں کو بھگا دیا۔ مردوں کی نسبت تو میں کہہ سکتا لیکن

اگر میں زندہ رہا تو کم از کم ہو بیٹیوں کو تو پستول اور ہندو قتلانا سکھا

دوں گا۔ وہ کالی کی مورتی اپنی حفاظت آپ کر سکیں گے لیکن مردو! تم

ان کو کیا منہ دکھاؤ گے۔ اگر مرد ہو تو تم کو اپنی حفاظت کے حق میں

اکاہی ہوتی چاہئے۔

شرفیو! جب تک برعاش غنڈوں سے ڈرتے ہو، تب تک وہ تم پر

وار کرتے ہیں، یہ ڈنڈوں سے ڈرتے ہیں، اس لئے سامنے ڈٹ جاؤ“

سب بس، بھائی، بوڑھے، بچے اپنی حفاظت میں شامل ہو کر ایک آواز

آنے پر سو دو سو باہر نکل آؤ۔ سو راہیت کا پہلا پوسٹ یہ ہے کہ

قانون اور انتظام کا کام آپ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔“ (۷۱)

مسٹر گاندھی اپنے پوریچہ نگار میں اس نکتے پر زور دیتے رہے کہ عدم

تعاون کے مجوزہ پروگرام کا اصل مقصد تحفظ خلافت ہے، مسلمانوں کے

ساتھ سوئے بازی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اگر عدم تعاون کے

ذریعہ حکومت کی مشینری کو منطوق کر دیا جائے تو سوراج کا مسئلہ خود

بجود حل ہو جاتا ہے۔ (۷۲) ستمبر ۱۹۳۰ء میں تحریک ترک موالات پر زور

کرنے کے لئے کانگریس کا خاص اجلاس نکلنے میں منعقد ہوا جس میں

مسٹر گاندھی نے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ اگر

سوراج حاصل کرنا اور مسئلہ خلافت کو تسلی بخش طریقے سے حل کرنا

مقصود ہے تو اس کے لئے تحریک ترک موالات کے پروگرام پر عمل کرنا

ناگزیر ہو گا۔ (۷۳) تاہم کانگریس کے اجلاس کے لئے مسٹر گاندھی نے

جو تجویز لکھی تھی اس میں یہ کہا گیا تھا کہ:

۱۸ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے ایک مکتوب میں ان الفاظ میں کیا تھا:
"ہماری دعا ہے کہ کل کارکنان خلافت جو کچھ بھی کریں، خدا اور
اس کے نبی پر حق کے منہ اور تعلیم کے موافق عمل درآمد کریں، آج کل
جیسی اجتہاد کی گرم بازاری ہے، ڈر ہے کہ کہیں یہ مذہبی تحریک قوی
قابل میں ڈھل کر اسلام کے خالص احکام باقی نہ رہیں اور رفتہ رفتہ یہ
ایک قوی تحریک کی صورت اختیار نہ کرے" (۸۷)

مسلمانوں کے متعلق گاندھی کا رویہ

تحریک خلافت کے دوران بعض ہندو حلقوں کی جانب سے مسلمانوں
کے ساتھ مسٹر گاندھی کی وابستگی کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کیا
گیا۔ مسٹر گاندھی نے ایک بار پھر یقین دہانی کراتے ہوئے کہا:
"یہ سرگوشیاں کی گئی ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ اس قدر قربت کی
وجہ سے میں اس قابل نہیں رہا کہ ہندو ذہنیت کو سمجھ سکوں۔ یقیناً میں
ہندوؤں کے درمیان نہیں رہتا کہ ہندو ذہنیت کو سمجھوں، میرے جسم
کا ہر نس ہندو ہے، میرا ہندو ازم یقیناً بہت کمزور ہوگا، اگر یہ مسٹر
اثرات میں رہ کر نشوونما نہ پاسکے، یہاں مسٹر اثرات سے واضح طور
پر مراد مسلمان ہیں" (۸۸)

مسٹر گاندھی ان مسلمان لیڈروں پر بھی پھبتیاں کئے سے نہیں
چوکتا تھا جو ایک وفادار ساتھی کی طرح نہایت خلوص کے ساتھ اس
کے رہنے ہوئے پروگرام پر نہ صرف خود عمل کرتے تھے بلکہ دوسروں کو
بھی ایسا کرنے کی پر زور تلقین کرتے تھے۔ انہوں نے مولانا عبدالباری
فرنگی علی کے متعلق کہا:

داخلہ

برائے

دَارُ الْعِلْمِ جَامِعَةُ الْيُوسُفِيَّةِ

ابتداءً طور پر دو کلاسوں (دناظرہ و حفظ قرآن پاک)
میں داخلہ کے لیے دارالعلوم میں تشریف لائیں۔

الداعی الغریب قاری محمد الیوسفی رحمہ اللہ

امیر الدینیہ پارک فیصلہ ٹاورز لاہور

منیاب: محمد فیاض غازی آباد لاہور

میں اسلام کی کی توہین کروں گا، اگر ایسا نہیں کروں گا۔" (مولانا محمد علی
نوری) (۸۹)

"در حقیقت ہندوستان کی حکومت خود اختیاری جس کو دوسرے
حفاظ میں سوراج کہا جاتا ہے، نہایت ہی ضروری ہے اور اگر خالص
سیاسی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو میں کوں گا کہ مسئلہ خلافت اور مظالم
و غلاب کی خلافی سے بھی یہ زیادہ اہمیت رکھتا ہے" (مولوی محمد صادق)
(۸۹)

مولوی حسین احمد دیوبندی نے ایک تقریر میں کہا:

"آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام)
نہایت کثرت اور وضاحت سے بتا رہی ہیں کہ اسلام ہر جگہ اور ہر
ملک میں فقط عالمی اور بلند ہو کر رہ سکتا ہے۔ زیر اثر غیرے اور کفر کا
حکوم ہو کر نہیں رہ سکتا۔ یہی اصلی تعلیم اسلام کی ہے اور یہی شارح
علیہ السلام کا اصلی خشاء ہے۔ اس وجہ سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ
وہ آزادی کی کوشش کرے۔ دوسرے مذہب کے زیر اثر ہونے سے
اپنے شعائر کو بچائے۔ ہندوستان کی آزادی اور سوراج ہی کی صورت
میں یہ امر ممکن ہے اور دوسری صورت اس کی مشکل نہیں ہو سکتی"
(۸۹)

بالفاظ دیگر انگریزوں کی حکومت میں تو اسلام کفر کا محکوم ہے لیکن
سوراج ملنے کی صورت میں جب مسٹر گاندھی، نہرو، پٹیل اور دیگر
مستعجب اور اسلام دشمن لیڈروں کے ہاتھ میں اقتدار آجائے گا تو
اسلام برسر اقتدار آجائے گا۔ ایک ایسے خیالات رکھنے والے شخص کے
متعلق یہ کہنا باطلہ آرائی نہیں تو اور کیا ہے کہ:

"حضرت شیخ الاسلام (مولوی حسین احمد) کے عہد کے قاضی تو
بالکل ہی مختلف تھے۔ اس زمانے میں مسلمانوں کے لئے دینی لائحہ عمل
درست تھا جس کی طرف حضرت شیخ الاسلام نے راہنمائی فرمائی تھی۔
مجھے یقین ہے کہ اگر اس دور میں حضرت مجدد (الف ثانی رحمۃ اللہ
علیہ) بھی ہوتے تو اسی سلطان وقت اور اسکندر عزم کے جھنڈے کے
نیچے نظر آتے" (ڈاکٹر ابو سلمان شاہچانپوری) (۹۰)

لائحہ عمل کون سا درست تھا اور کون سا غلط۔ اس کا فیصلہ
مسلمانوں نے پاکستان حاصل کرنے کی صورت میں کر دیا۔ اب اس
یا گوار بحث کو دوبارہ چھیڑنا اور اکھڑ بھارت کے نظریہ کو برحق قرار دینا
مناسب نہیں اور اس سے بھی زیادہ نامناسب بات حضرت مجدد الف
ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ تمت لگانا ہے کہ وہ اگر اس دور میں ہوتے تو
ہندو مسلم اتحاد کے حامی اور گانگولی نظریات کے مبلغ ہوتے جبکہ
حقیقت یہ ہے کہ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوؤں کے خطرناک
و دھم اور مسلم کش منصوبوں کو خاک میں ملانے کی خاطر زبردست جہاد
کیا۔ (۹۱)

بات ہو رہی تھی ایک پان اسلامک تحریک کی قوی تحریک میں
نے کی اور ایسا کرنے میں مسٹر گاندھی کامیاب بھی ہو گیا۔ اس خدشہ
قمار خواجہ شہاب الدین سابق وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات پاکستان

ایک تو یہ کہ اسلام سے بنا کر انہیں اپنے دھرم میں واپس لوٹایا جائے اور اگر یہ نہیں ہو سکے تو پھر ان کے آبائی وطن میں لوٹا دیا جائے اور اگر یہ بھی دشوار ہو تو ان کو ہندوستان میں خلام بنا کر رکھا جائے" (۸۶)

"مہاتما جی" کو اسلام صرف اس صورت میں پسند تھا کہ اس کی اپنی من پسند تشریح بغیر کسی قبل و قال کے قبول کر لی جائے۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے پر بھی تیار تھا۔ (۸۷) بصورت دیگر وہ اسلام اور مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ اگر وہ ہندو مذہب پر پڑتی تو وہ آپ سے باہر ہو جاتا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا تھا جب تک تھائی نہ ہو جاتی۔ اسی "تحریک خلافت" کے ہنگامہ آفرین زمانہ میں مسٹر سید حسین ایڈیٹر انڈی پینڈت (الہ آباد) اور موتی لال شہو کی صاحبزادی وسے لکشمی میں معاشرت ہو۔ موصوف مولانا قاضی الہ آبادی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئیں اور سید حسین سے ان کا باقاعدہ نکاح ہو گیا۔ موتی لال اور بواہر لال تو شاید اسے گوارا بھی کر لیتے لیکن گاندھی جی جیسے قومیت متحدہ کے علمبردار کے لئے یہ حادثہ جانکاد ثابت ہوا۔ انہوں نے علی براہداران کو دھمکی دی کہ اس طرح اتحاد تباہ ہو جائے گا اور اس وقت چین لیا جب ان دونوں میں التماس ہو گیا اور موصوف پھر سے "مشرق بہ ہندومت" ہو کر گاندھی جی کے آشرم میں روحانی تربیت حاصل کرنے لگیں اور پھر مسٹر ایس کے پنڈت آجملی کے جبالہ عقد میں دے دی گئیں اور مسٹر سید حسین کو ترک وطن کر کے امریکہ کا رشتہ سراہنا ہوتا پڑا" (۸۸)

اس کے برعکس "مس تمید یہ طیب جی نے جب مسٹر شکر لال میکر کے بچپن سے شادی کی تو مہاتما گاندھی نے اپنی "مدکس" بذریعہ تار ارباب فرمائیں" (۸۹)

یہ وہ خالص مہاتمانی فلسفہ ہے جو اگرچہ اس دور کے قوم پرست مسلمان نہ جان سکے لیکن "مہاتمانی" کے موجودہ مذاہن کے لئے سرمہ بصیرت ہے۔ اسی واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ظفر علی خاں ایڈیٹر روزنامہ "زمیندار" نے یہ اشعار کہے تھے:

مسلمان ہو کے شکر لال کے بیٹے کے گھر آئی
دیا ایٹر کی ہے عباس طیب جی کی پوتی پر
مسلمان کا پٹنا احمد نہ کچھ بھی اس کے کام آیا
نچھاور ہو گئی شرع بنی زر تار دھوتی پر
حسین احمد سے کہتے ہیں خرف ریزے مدنہ کے

کہ لٹو آپ بھی کیا ہو گئے سگم کے موتی پر (۹۰)
تحریک خلافت کے دوران خلافتی لیڈروں نے بار بار انہیں دہانی کرائی کہ وہ ہندوستانی باشندوں کی قوت پر مجبور کر کے انگریزوں سے بیزار کر دیا جائے۔ بیرونی اسلامی ممالک کی امداد کے طالب نہیں۔ کوئی بھی بیرونی ملک ہندوستان پر حملہ کرے تو اس کا مقابلہ کرنے والوں میں مسلمان صف اول میں کھڑے ہوں گے چاہے وہ مسلمان ملک ہی کیوں نہ ہو۔ اختصار کے پیش نظر ہم یہاں ممتاز خلافتی لیڈروں کے چند چیدہ

"مجھ سے کہا گیا کہ وہ ہندوؤں کے جذبہ مخالفت سے بھرے ہوئے ہیں، ان کی بعض تحریریں مجھے دکھائی گئی ہیں جن کو میں سمجھنے سے قاصر ہوں اور میں نے ان پر سر بھی نہیں مارا۔ اس لئے کہ وہ خدا کی سادہ مخلوق ہیں۔۔۔ وہ اکثر بلا سمجھے بات کرتے ہیں اور اپنے دوستوں کو مشکل میں ڈال دیتے ہیں" (۸۹)

اسی طرح مسٹر گاندھی نے اپنے اخبار "ہنگ انڈیا" میں تحریک خلافت کے سرور آورہ راہنماؤں کے بارے میں لکھا:

"شوکت علی خلیفہ آوی ضرور ہے لیکن ایک جوشیلا مذہبی پاگل ہے اور اس کی رائے کسی شخص کے لئے کوئی خاص وقت نہیں رکھتی۔ حسرت موہانی ایک نکما آدمی ہے جس پر ہر وقت سودیشی کی دھن سوار رہتی ہے۔ ڈاکٹر (سیف الدین) پلو ابھی کل کا پتہ ہے اور امرتسر سے باہر اسے کوئی تجربہ نہیں ہے" (۹۰)

شاہ محمد جعفر ندوی مسٹر گاندھی کی ذہنیت کا نقشہ کھینچتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"انتہائی خطرناک گاندھی کی وہ جلیبی مگر زہر آلود پالیسی تھی جو مسلمانوں کو سلا سلا کر کامل غفلت میں رکھنا چاہتی تھی۔ وہ "ہلنگ چیک" تو دینے پر آمادہ تھے لیکن تحفظ کی کوئی ضمانت دینے کو کبھی تیار نہ تھے۔ وہاں بیچ میں اچھوتوں کو جداگانہ نمائندگی دی جانے لگی تو گاندھی صاحب نے مہن برت شروع کر دیا اور چھ دن تک قلعہ کر کر کے بحال ہو گئے لیکن مسلمانوں کے تحفظ کے لئے انہوں نے کبھی ایک کھٹے کا بھی صرفہ برت نہ رکھا" (۹۱)

اسی ذہنیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیکھئے کہ جب جنگ عظیم اول شروع ہوئی تو مسٹر گاندھی یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ہندوستانی فوج کو مسلمان ممالک اور خاص کر ترکی کے خلاف استعمال کیا جائے گا، اس لئے "عدم تردد" کے فلسفہ کو بلائے طاق رکھتے ہوئے (۹۲) "مہاتمانی" نے یہ شخص نفیس فوجی بھرتی کی مہم کا آغاز کر دیا تاکہ ایک جانب حکومت سے وفاداری کا سرٹیفکیٹ حاصل کرے تو دوسری طرف یہی فوج مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے استعمال کی جائے اس موقع پر انہوں نے واتر اسے ہندو کہلایا:

"سلطنت برطانیہ کے لئے میں عقرب ہندوستان کے تمام مندروں سے افراد کی خدمات پیش کروں گا۔ مجھے انگریز قوم سے بہت محبت ہے اور میں ہر ایک ہندوستانی کے دل میں انگریز قوم سے وفاداری کا جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہوں" (۹۳)

مسٹر گاندھی بظاہر تو مسلمانوں کے ہمدرد تھے اور اپنے خیالات کا اظہار بڑے محتاط الفاظ میں کرتے تھے لیکن بعض اوقات غیر ارادی طور پر ایسی بات کہہ جاتے جس سے اس کی ہندوانہ ذہنیت بے نقاب ہو جاتی، ایسے ہی ایک موقع پر اس نے مسلمانوں کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا:

"مسلمان یا تو عرب حملہ آوروں کی اولاد ہیں یا ہمیں سے جدا کئے ہوئے افراد۔ اگر ہم اپنا وقار رکھنا چاہتے ہیں تو تین غلام ہیں۔

چند بیانات نقل کرتے ہیں۔

○ میں افغانستان سے آیا ہوں اور پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ اگر افغانستان نے حملہ کیا تو مسلمان سینہ سپر ہو کر افغانستان سے لڑیں گے اور سینہ پر گولی کھائیں گے (ظفر علی خان) (۹۹)

○ اگر کوئی طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو مسلمان کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ حملہ آور سے مقابلہ کریں بلکہ اگر ایک ہندو قتل ہو جائے تو دس مسلمان اس کے لئے اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے (ابوالکلام آزاد) (۱۰۰)

○ جب افغانی سرحد پر نمودار ہوں گے تو کوئی کارروائی کرنے سے قبل میں ان کے ارادوں کو معلوم کرنے کی کوشش کروں گا اور ان کے ارادے خواہ کچھ بھی ہوں۔ اگر انہوں نے برٹش گورنمنٹ کو شکست دے کر ہندوستان پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا تو میں ان کو ٹکائے کی جتنی الامکان کوشش کروں گا (مولانا محمد علی جوہر) (۱۰۱)

○ میں تو اپنی ذات سے ایک ہندو کا غلام رہتا پسند کروں گا۔ بمقابلہ ایک غیر ملکی کے۔ اگر مسلمانوں نے ہندوؤں کو افغانیوں کی مدد سے خطہ میں ڈال دیا یا اگر ہندو اپنی تعداد کے بل پر مسلمانوں پر حاوی ہو گئے تو دونوں انسان اور خدا کے نزدیک ملعون ہوں گے (مولانا محمد علی جوہر) (۱۰۲)

○ سرویلم و سنسٹ کہتے ہیں کہ ”میں ہندوستان میں مسلم حکومت قائم کرانا چاہتا ہوں“ میں یہ آواز بلند نہیں دلاتا ہوں کہ میرا یہ خیال کبھی ہرگز نہیں اور جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ (مولانا محمد علی جوہر) (۱۰۳)

ان یقین دہانیوں کے باوجود مسٹر گاندھی کہا کرتے تھے کہ ”ہندو مسلمانوں سے اس لئے خائف ہیں کہ جب کبھی مسلمانوں کے ہاتھ میں قوت آئی، انہوں نے ہندوؤں کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کیا۔ اگرچہ ہندوؤں کی اکثریت تھی لیکن مسلمی بھر حملہ آوروں نے ان کو مغلوب کر دیا اور اس ملک میں اسی تجربے کے دوبارہ پیش آنے کا خطرہ ہے اور مسلمان لیڈروں کی سچائی اور خلوص کے باوجود عام مسلمانوں کا بیوقوفی حملہ آوروں سے مل جاتا یقینی ہے“ (۱۰۴)

مولوی عبید اللہ سندھی بھی اس بات سے متفق نظر آتے ہیں کہ مسلمان ظالم ہیں اور ہندو مظلوم۔ اپنے ایک خط بنام ڈاکٹر چو تھ رام ریڈینٹ ناگپور میں لکھتے ہیں:

”میں نے اپنی قوم کی سائیکالوجی جانتے ہوئے اس پر اعتماد کیا ہے کہ جب ہم ہندوؤں پر ظلم کرنا چھوڑ دیں گے تو وہ کبھی ہم پر ظلم نہیں کریں گے۔ آج بھی مسلمانوں کے بعض بڑے بڑے لوگ ہندوؤں کے

سیاسی غلبہ سے ڈر رہے ہیں۔ میرا جواب ان کے لئے یہ ہے کہ شاید وہ پہلے ہندوؤں پر زیادتی کر چکے ہیں اور اب بھی اسی قسم کے کلام مذہب کے نام سے جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو ضرور ڈرنا چاہیے۔ مگر جو مسلمان اس انقلاب سے پہلے کی تاریخ کی ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لیتا، اس زمانہ کے کام، اس زمانہ کے لوگوں کی ذمہ داری پر مخصوص کر دیتا ہے اور آئندہ ہماری پروگرام پر چلتا ہے۔ اسے کسی قسم کا اندیشہ نہیں ہو سکتا“ (۱۰۵)

مسٹر گاندھی کے علاوہ دوسرے ہندو لیڈر بھی مسلسل یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے کہ مسلمان اپنے آپ کو پہلے مسلمان سمجھتے ہیں اور بعد میں کچھ اور وہ اسلام کی برتری، جہاد اور بیرون ملک مسلمانوں کی امداد پر یقین رکھتے ہیں۔ (۱۰۶)

تحریک خلافت کے دوران سب سے بڑا الزام مسلمانوں کے خلاف یہ تراشا گیا کہ وہ امیر افغانستان کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ گاندھی جی اچھی طرح جانتے تھے کہ غدر کے بعد مسلمانوں کی کیا گت بنی تھی۔ غدر کی ہولناکیوں کا انہوں نے ضرور مطالعہ کیا ہوگا، چنانچہ انہوں نے اس بے بنیاد خیال کی ذمہ دت تائید کی اور کہا کہ اگر امیر کلنل انگریزوں کے خلاف لڑیں گے تو وہ ضرور ان کی مدد کریں گے۔ مگر مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف ابھارنے کی یہ ذمہ دت سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ گاندھی جی اچھی طرح جانتے تھے کہ انگریزوں کی فوجی اور ہوائی طاقت افغانوں کے مقابلے میں کتنی طاقتور ہے، مگر پھر بھی وہ اس بے معنی اور بے بنیاد خیال کی تائید کر رہے تھے۔ (۱۰۷)

مسٹر گاندھی نے یہ بھی کہا تھا کہ ”اگر اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں بادشاہ افغانستان کی کوشش سے ہندوستان آزاد ہوا تو ہم ان کو ہندوستان کا ثانوی بادشاہ تسلیم کر لیں گے“ (۱۰۸)

قوم پرست مولوی اور لیڈر بار بار اپنا یہ عقیدہ دہراتے رہتے تھے کہ وہ اتحاد پر یقین نہیں رکھتے بلکہ گاندھی جی فلسفہ عدم اتحاد کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور اسی پر ”نہ عداوت۔“ مولوی حسین احمد دیوبندی کہتے ہیں۔

”میں خلافت“ کانگریس، جمعیت العلماء میں داخل ہو گیا اور ان واٹلینس (عدم تشدد) کو سیاسی عقیدہ بنا کر تحریک ترک موالات (ٹان کو آئرشین) کو اپنا عملی پروگرام بنالیا۔ اسی بنا پر ۱۹۱۹ء سے آج تک کانگریس اور جمعیت العلماء کا ممبر ہوں اور ان دونوں کے عقیدے میرے سیاسی عقیدے اور ان کے عملی پروگرام میرے دستور العمل ہیں“ (۱۰۹)

ط نذرینہ نیک لاہور
عابد عمران چاول
صدر بازار
لاہور چھاوٹی

اعلیٰ بستی چاول
اکبری منڈی کے بھاؤ خریدیں

پاکستان علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی محفل میں ہندو مسلم اتحاد کے حامیوں کا ذکر چل پڑا تو علامہ مرحوم نے فرمایا:

”قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا

سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرف عام میں وہابیت کہا جاتا ہے“

اس پر کہا گیا کہ دیوبند کی سیاسی روش تو انگریز دشمنی پر مبنی ہے۔ دیوبند کی تو یہ رائے نہیں کہ انگریزی حکومت کی اطاعت مذہباً فرض ہے جیسا کہ قادیانی کہتے ہیں۔

فرمایا ”انگریز دشمنی سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ ہم اسلام دشمنی اختیار کر لیں؟ یہ کیا انگریز دشمنی ہے جس سے اسلام کو ضعف پہنچے؟ ارباب دیوبند کو سمجھنا چاہئے کہ اس دشمنی میں وہ نادانستہ اس راستے پر چل رہے ہیں جو انگریزوں کا تجویز کردہ ہے۔ انگریز چاہتے ہیں مسلمان جنرانی و ملیت کا اصول اختیار کر لیں تاکہ اسلام کی حیثیت ایک عقیدے سے زیادہ نہ رہے اور امت یعنی بطور ایک سیاسی اجتماعی نظام کے اس کی وحدت ختم ہو جائے۔ یہ کیسی انگریز دشمنی ہے؟ یہ تو ان کے ہاتھوں میں کھلتا ہے“

اس پر عرض کیا گیا کہ اہل حدیث اقلیت میں ہیں اور اپنے عقائد میں بڑے متشدد۔ لہذا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے مسلمانوں سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں ڈر ہے کہ سواد اعظم میں ان کی کوئی شمولیت نہیں ہوگی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وہ کانگریس کا ساتھ دے رہے ہیں۔

حضرت علامہ نے فرمایا: ”یہ امر تو اور بھی افسوسناک ہے، عقائد میں تشدد، تعصب اور تنگ نظری اگر اسلام کے لئے ہے تو بڑی مبارک بات ہے لیکن اگر اس لئے ہے کہ اہل حدیث سواد اعظم سے کٹ جائیں اور امت کی وحدت درہم برہم ہو جائے تو اوجد قابل افسوس“ (۱۵)

اختلاف کی وجہ سے ایک نقصان تو یہ ہوا کہ بعض مولویوں کی وجہ سے اسلام دشمن قوتوں کی طاقت میں اضافہ ہونے لگا۔ دوسرا اس سے بھی بڑا نقصان یہ ہوا کہ جب عوام کے سامنے مقتدا فتوے آنے لگے تو غلط فتوے ایک جانب، صحیح فتوؤں کو بھی بعض کم فہم مسلمان شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگے اور ان میں انگریز دوستی کی بو محسوس کی۔ اس طرح علماء کرام کے وقار کو کافی ٹھیس پہنچا۔ جہاں تک اسلامی روح سے مطابقت نہ رکھنے والے فتوؤں کا تعلق ہے۔ ان سے فائدے کم اور نقصانات زیادہ پہنچے۔ نیشلسٹ مولویوں کے فتوؤں سے تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران کئی سادہ لوح مسلمان متاثر ہوئے اور اپنا کافی نقصان کروا بیٹھے، وقتی طور پر کانگریس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ مسٹر گاندھی ”مہاتما“ کے منصب پر فائز ہو گئے۔ کئی ہندو لیڈر غلام اسلام سمجھے جانے لگے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ معر اثرات بتدریج زائل ہونے لگے۔ ہندوؤں کے جارحانہ رویہ اور اسلام دشمن پالیسی کی وجہ سے مسلمانوں کا سواد اعظم سنی بریلوی علماء و

مولوی عید اللہ سندھی نے بھی عدم تشدد کے نظریے کی بڑی تحریف کی ہے اور اس پر کار بند رہنے کا عندیہ ظاہر کیا ہے۔ (۱۶) جمعیۃ العلماء ہند کو تو ہندو مسلم اتحاد اس قدر عزیز تھا کہ اس کی خاطر

قرآن پاک کا ادب ملحوظ نہ رکھتے کو بھی برداشت کرنے کے لئے آمادہ تھی۔ اس کی ایک قرار داد پیش خدمت ہے:

”جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس عام عدم تشدد کا شرعی حکم ظاہر کر دینا چاہتا ہے۔۔۔ مثلاً کوئی آدمی کسی مسلمان کے دیوبند قرآن پاک کی بے حرمتی کرنے اور کسی طرح پاؤں نہ آئے اور اس شخص کو قدرت ہو کہ کسی قسم کے تشدد سے اسے اس حرکت شنیدہ سے روک سکے اور اس کا تشدد مفاد قوی کے خلاف نہ ہو تو ایسی حالت میں اس کا شرعی فرض ہو جاتا ہے کہ جس طرح ممکن ہو قرآن پاک کو بے حرمتی سے بچائے“ (۱۷)

بالفاظ دیگر اگر ”برادران وطن“ ہندو مسلم اتحاد ختم کرنے کی دھمکی دیدیں اور قومی مفاد خطرہ میں پڑ جائے تو انہیں قرآن پاک کی توہین کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔ اندازہ کیجئے اس حد تک جانے کے باوجود مسٹر گاندھی کو یقین نہیں آیا اور انگریزوں کو برا سمجھنے کرنے کی غرض سے اپنی ایک یادداشت میں یہ وضاحت کی:

”میرا مذہب آپ سے خصومت رکھنے سے منع کرتا ہے، میں اپنے ہاتھ آپ پر کبھی نہ چلاؤں گا، خواہ میرے پاس اتنی طاقت بھی ہو جائے، میں خود مصیبت جھیل کر آپ پر فتح پانے کی امید رکھتا ہوں۔ علی برادران بے شک اپنے ملک و ملت کی حمایت میں تلوار اٹھائیں گے“ (اگر ان سے ہو سکا تو) (۱۸)

اس کے علاوہ دائرہ اے ہند لارڈ ریڈنگ نے چنٹ مالویہ کی وساطت سے مسٹر گاندھی سے چھ مرتبہ ملاقات کی اور اسے بتایا کہ علی برادران کی تقاریر اس کے عدم تشدد کی پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ”مہاتما“ اپنے وقار و ساتھیوں کی حمایت کرتے لیکن اس نے علی برادران پر دباؤ ڈالا کہ وہ تشدد کی مذمت میں ایک بیان جاری کر دیں“ (۱۹)

آخر میں مسٹر گاندھی نے مجتہد مطلق بن کر فتویٰ دیا کہ: ”مسلمانوں کی سرشت میں خونریزی شامل ہے“ (۲۰)

فتاویٰ

ایک وقت تھا کہ علماء کے فتوؤں پر ہر مسلمان صدق دل سے عمل کرتا تھا۔ کسی کو مخالفت کی جرات نہ ہوتی تھی لیکن جب سے مسلمانوں میں بڑے پیمانے پر اختلاف پڑ گیا تو اکثر دیکھتے ہیں یہ آتا ہے کہ اگر ایک طبقہ ایک جانب جہاک جائے تو دوسرا قدرتی طور پر دوسرے گپ میں نظر آتا ہے۔ ہندوستان میں جب اہل سنت و جماعت بریلوی ملت فکر نے تحریک آزادی ہند کے دوران ہندو مسلم اتحاد کی شدت سے مخالفت کی تو رد عمل کے طور پر ان کے مخالفین نے اس طاقت زیادہ گرجوٹی کے ساتھ ایک قومی نظریے کی حمایت لی۔ مسور

نہیں:

- اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن انگریز ہے جس سے ترک موالات فرض ہے (مولوی محمود حسن) (۱۱۷)
- حکومت سے عدم تعاون اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز، روزہ اور دوسرے ارکان اسلام فرض ہیں (ابوالکلام آزاد) (۱۱۸)
- اس جذباتی دور میں ہر شخص مفتی بنا ہوا تھا۔ مخالفین ترک موالات پر کفر کے فتوے لگائے جاتے تھے اور پولیس و قوت میں ملازمت کرنے والوں کے جنازے نہ پڑھنے کی تلقین کی جاتی تھی (۱۱۹) لیکن بخوف طوالت ہم یہاں صرف اس فتویٰ پر تبصرہ کرنا چاہتے ہیں جس کا ذکر خلافتی لیڈر فخریہ انداز سے کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزوں سے ترک موالات کا فتویٰ پانچ سو علماء کے دستخطوں سے جاری ہوا تھا۔ لیکن خلافتی کارکنوں کے بیانات سے یہ جھٹکا ہے کہ علماء کرام نے اس پر نہ صرف خود دستخط کرنے سے گریز کیا بلکہ دیگر حضرات کو بھی منع کر رہے تھے۔ اگرچہ حسب عادت ہندو مسلم اتحاد کے مخالفین کو یہ لوگ سرکاری علماء کے خطاب سے فزاہت تھے۔ لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے علماء کی تعداد کافی تھی اور عوام میں مقبول بھی تھے جو مسلمانوں کا ہندوؤں سے قربت اور دلی محبت استوار کرنے کو اسلام کے لئے نقصان دہ سمجھتے تھے۔ کلکتہ سے ۱۰ فروری ۱۹۳۱ء کو کلکتہ کے مولوی محمد اکرم خان کے خط سے ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے جو اسی حقیقت کا آئینہ دار ہے:

"فتویٰ کی مزید کاپیاں پہنچ گئیں ہیں۔ دستخط کی کوشش ہو رہی ہے۔ ان شاء اللہ اسی جلسہ کے بعد دستخط لینے میں آسانی ہوگی مگر سرکاری علماء جن کی تعداد اور جن کا اثر بد قسمتی سے یہاں زیادہ ہے، نہ فقط دستخط کرنے سے ہچکچا رہے ہیں بلکہ خفیہ طور پر لوگوں کو منع بھی کر رہے ہیں" (۱۲۰)

ابوالکلام آزاد کا خیال تھا کہ انگریزوں سے ترک موالات کا فتویٰ اختلافی نہیں تھا بلکہ اجماعی تھا:

"جب مسلمانوں (یعنی جمعیۃ العلماء ہند) کا (ترک موالات کے متعلق) متفق فیصلہ ہوا تو مسلمانوں کو یہ جائز نہ تھا کہ اس سے قدم باہر نکالیں، اگر انہوں نے قدم باہر نکالا تو انہوں نے ترک اجماع کیا" (۱۲۱)

یہ تاثر یقیناً غلط فہمی یا خوش فہمی پر مبنی ہے۔ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اس جماعت اور مذکورہ فتویٰ کے خلاف تھی۔ جناب محمد امین دہلوی رقمطراز ہیں:

مشائخ کے دو قوی نظریے کے حق میں دیتے گئے فتوؤں کی حمایت کے قائل ہو کر جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے جس کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا۔

تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران دیوبندی اور ندوی مکاتب فکر کی قیادت کرنے والے دونوں علماء نے ایک دوسرے کے بالکل متضاد فتوے دیتے اور اتفاق سے یہ ان کی زندگی کے آخری فتوے تھے۔ دیوبند کے مولوی محمود حسن نے اپنے فتوے میں ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور مسٹر گاندھی کو ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترکہ لیڈر بنا دیا جبکہ ان کے مد مقابل امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے دو قوی نظریہ کی تائید میں فتویٰ دیا اور مسٹر گاندھی کی قیادت پر سخت تنقید کرنے کے علاوہ مسلمانوں کو ہندوؤں کے ہاتھ مضبوط کرنے سے شدت کے ساتھ روکا۔ حالات کی ستم گردی دیکھتے کہ ہندو مسلم اتحاد کا واقعی شیخ المذہب کے عہد پر قاتر ہو گیا اور پاکستان ہی کی نصابی کتب میں پروقار الفاظ کے ساتھ جگہ پانچا جبکہ دو قوی نظریہ کے مبلغ کو نصابی اور تحریک پاکستان کی اکثر کتابوں میں جگہ نہ مل سکی۔ مخالفین نے ہندو پولیس کے زور سے انہیں انگریز کا ایجنٹ مشہور کر دیا اور انہوں نے ان کی چند اختلافی کتب چھاپ کر پیرہ تو کیا لیکن ان کی علمی اور سیاسی خدمات کو منظر عام پر لانے میں کوئی قابل قدر کام نہیں کیا۔ البتہ گزشتہ پندرہ سالوں میں کچھ پیش رفت ضرور ہوئی ہے جسے مزید تیز رفتاری کے ساتھ جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔

مولوی محمود حسن نے تحریک خلافت و ترک موالات کی حمایت کرتے ہوئے ہندو مسلم اتحاد کے حق میں جو فتویٰ دیا تھا۔ اس سے ایک اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم (ہندو) کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں موید بنا دیا ہے اور میں ان دونوں قوموں کے اتفاق و اجتماع کو بہت ہی مفید اور منج بھتا ہوں اور حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے جو کوشش اس کے لئے فریقین کے عائد نے کی ہے اور کر رہے ہیں، اس کی میرے دل میں بہت قدر ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے گی" (۱۲۲)

مولوی محمود حسن اور ابوالکلام آزاد انگریزوں سے تو ترک موالات فرض قرار دیتے لیکن ہندوؤں کا ذکر نہ کر کے خود بخود یہ تاثر عام کرنے کے مرتکب ہو رہے تھے کہ ان سے اسلام کو کوئی خطرہ

ایکسرے اور ایم سی جی
کا انتظام ہے

مین بس سٹاپ صدر بازار لاہور کنٹسٹ
فون: 380204

ALI CLINICAL LABORATORY

علی کلینیکل لیبارٹری

”ترک موالات کا فتویٰ شائع ہوا جس پر پانچ سو وچھ علماء نے علامہ اور بڑے نام علماء کے شیعہ تھے جس کی رو سے کونسلوں کی ممبری وکالت، سرکاری کالج، سرکاری گرانٹ، انگریزی مال، انگریزی مجلس، فتویٰ و غیر فنی ملازمت، بیوی مقدبات اور خطابات کو موالات میں داخل۔“ (۱۲۲) مسیح قرار دیا گیا۔

اس بات کی نسبت صرف علماء اہل تشیع کے ایک طبقہ نے فتویٰ دیا تھا اور جمعیۃ العلماء بھی ایک ہی طبقہ کی جمعیت تھی۔ غافقہ ابدادیہ تھا نہ یمن سے جو اسی طبقہ کے علماء کا ایک بہت بڑا مرکز ہے۔ اس کے خلاف فتاویٰ شائع ہوئے علماء ندوۃ العلماء بھی اس سے الگ تھے۔ بریلی کے علماء بھی مویدین میں نہ تھے۔ غرض سنی علماء کا سوا اعظم ترک موالات اور ہجرت کی تائید میں نہ تھا۔ (۱۲۳) بعض نے ہندوؤں کے ساتھ ایسے اتحاد کے خطرات سے بھی آگاہ کیا اور ان فتاویٰ کے خلاف رائیں ظاہر کیں مگر مسائل ترکی سے قلب ایسے متاثر تھے کہ عواقب پر نظر ہی نہ تھی“ (۱۲۴)

اس بات کے واضح شواہد موجود ہیں کہ اس فتویٰ میں شریعت کو دخل کم اور مسلمانوں کی خواہشات کی پاسداری زیادہ تھی ورنہ ایک چیز اگر اس وقت کتاب و سنت کی رو سے ناجائز تھی تو بعد میں جائز کیونکر ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر اسمبلیوں کا پانچاٹک شرعی ضرورت تھی تو کچھ عرصہ بعد اس کے امیدواروں کے لئے ووٹ مانگنا کس نص کے تحت جائز ہو گیا، جناب عبدالوہید خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں:

”تحریک خلافت کے زمانے میں اسمبلیوں کے پانچاٹک کا فتویٰ پڑے شہود سے دیا گیا۔ اسمبلی کی رکنیت کو حرام بتایا گیا لیکن جب بھی کانگریس نے اسمبلی میں شرکت کا ارادہ کیا تو ہمارے انہیں (جمیعت علماء ہند کے) علماء نے پوری جدوجہد سے اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لیا“ (۱۲۵) شہرہ بدست ہے

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے خیال میں:

”میں صاف کہتا ہوں کہ ان کے نزدیک کونسلوں اور اسمبلیوں کی شرکت کو ایک دن حرام اور دوسرے دن حلال کر دینا ایک کھیل بن گیا ہے۔ اس لئے کہ ان کی عقل و تحریک حقیقت نفس الامری کے اور اک پر تو مبنی ہے نہیں، محض گماندہی جی کی جنہیں لب کے ساتھ ان کا فتویٰ گردش کیا کرتا ہے“ (۱۲۶)

تحریک ترک موالات کے متعلق جو فتویٰ جمیعت علماء ہند کی جانب سے شائع ہوا تھا۔ وہ بقول مفتی محمود ضبط ہوا (۱۲۷) اس کے بعد کیا ہوا، ماہنامہ ”صوفی“ کے ایڈیٹر محمد الدین کی زبانی سنئے:

”مسائل حاضرہ کے متعلق حکومت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا، ہندوؤں سے اتحاد و اتفاق کرنا، مسئلہ خلافت کے متعلق برقرار و مستطاب رہنا، جلسے کرنا، انجمنوں کی بنیاد ڈالنا، فتاویٰ صادر کرنا یہ سب اپنی اپنی جگہ صحیح و درست ہوں لیکن یہ قیامت تک درست نہیں ہو سکتا کہ جب کوئی فتویٰ ضبط ہو تو پہلے امامت گاندھی سے مشورہ و استصواب لیا جائے کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہئے۔ یا اس کے یہ معنی نہیں کہ فتویٰ بھی مسلمان گاندھی سے دریافت کرے لہذا یہ تھا اور

انہیں کے اشارہ سے یہ عمل اختیار کیا گیا تھا۔ اس سے حقیقتاً خود اپنی اہمیت کو کم کرنا اور گورنمنٹ کو یہ یقین دلانا ہے کہ ہمارے اپنے جذبات کچھ نہیں ہیں بلکہ آئینہ گاندھی کے سامنے طوطی صفت وہی کہہ رہے ہیں جو اس آئینہ میں نظر آتا ہے۔

حال ہی میں جو فتویٰ علماء اسلام کا ضبط ہوا ہے، اس کے متعلق ہم یہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ گورنمنٹ کا یہ طرز عمل کس حد تک جائز تھا کیونکہ یہ مسئلہ بالکل کھلا ہوا اور روشن ہے لیکن اس پر ضرور اظہار حیرت و استعجاب کریں گے کہ جب فتویٰ کے ضبط ہونے کی خبر معلوم ہوئی تو علماء نے پہلے ایک عریض مامقا گاندھی کی خدمت میں بھیجا کہ اب ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ کلام مجید موجود ہے، احادیث باقی ہیں، اصول فقہ مرتب ہیں، وی کرنا چاہئے جو ان سے منضبط ہوتا ہے۔ کیا مامقا گاندھی ہم سے زیادہ ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمان ہندوؤں سے جذب ہوئے جاتے ہیں اور اپنی ہستی کو اس وقت تک جو مستقل ہستی خیال کی جاتی

تھی، ہندوؤں کی ہستی میں تحلیل کئے دیتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ فتویٰ کی منطقی میں پہلے مامقا گاندھی سے مشورہ کیا جاتا ہے۔

اگر ہمارے ضعف و انحطاط کا یہی عالم ہے اور مصالح دنیا نے اصول مذہب کو اس قدر مغلوب کر لیا ہے تو وہ وقت دور نہیں جب معمولی مسائل روزہ و نماز کے بھی مامقا گاندھی سے دریافت کئے جائیں گے کیونکہ ممکن ہے کہ بعض اعمال سے اتحاد و اتفاق کو صدمہ پہنچ جائے کا اندیشہ ہو“ (۱۲۸)

اہل سنت کے نزدیک خلافت شریعہ کے لئے ”قریش“ شرط ہے۔ اس بارے میں کتب احادیث میں متواتر احادیث منقول ہیں۔ موضوع زیر بحث سے دلچسپی رکھنے والے محققین امام احمد رضا کی کتاب ”دوام البعث“ کا مطالعہ کریں لیکن مولوی عبدالرؤف کا فتویٰ یہ تھا کہ ”خلافت کسی ایک خاندان کا ورثہ نہیں ہے“ (۱۲۹) دیگر نیشنلسٹ علماء کا بھی یہی نظریہ تھا کہ بلکہ ابوالکلام آزاد نے تو یہ فتویٰ دیا تھا کہ ”ترک کی خلافت کا منکر کافر اور خاوند از اسلام ہے“ (۱۳۰) حالانکہ اسی خلافت کی بحالی کے لئے چلائی جانے والی تحریک کا سربراہ منکر اسلام بنایا گیا تھا۔

تعلیمی اداروں پر دھاوا

مسلمان تعلیم کے میدان میں ہندوؤں سے بہت پیچھے تھے۔ سرسید نے علی گڑھ کالج، جو بعد میں یونیورسٹی بن گیا، قائم کر کے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر ابھارا، اس میں شک نہیں کہ سرسید کے بعض مذہبی خیالات قاتل گرفت تھے، لیکن تحریک پاکستان کے سلسلے میں علی گڑھ کالج کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے علاوہ بھی مسلمانوں کے چند تعلیمی ادارے تھے جن سے استفادہ کیا جا رہا تھا۔ مسز گاندھی اور اس کے رفقاء نے کار حصول تعلیم میں مسلمانوں کی بدھتی

ہوئی دلچسپی کو خطرے کا شعل سمجھ رہے تھے وہ موقع کی تاک میں تھے کہ کسی نہ کسی طرح اس رجحان کو نہ صرف بڑھنے سے روکا جائے بلکہ اس پر ایسی کاری شرب لگائی جائے کہ مسلمان دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہ سکیں۔ اس طرح وہ ہندوؤں کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے اور ”مہاتما جی“ ان کی تکمیل پکڑ کر جیسے چاہیں گے استعمال کریں گے۔ تحریک خلافت و ترک موالات نے انہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔

خود سامنے آنے کے بجائے مسٹر گاندھی نے بعض مسلمان راہنماؤں کو اس کام پر مامور کر دیا۔ پہلا حملہ علی گڑھ یونیورسٹی پر کیا۔ اس مہم میں مولوی محمد حسن، ابوالکلام آزاد، علی برادران اور دیگر نیشنلسٹ مولویوں نے ہراول دستے کا کام انجام دیا، ان حضرات نے سر فوڑ کو شش کی کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے اس مضبوط قلعہ کو سسار کر دیا جائے۔ ضرورت کے وقت مسٹر گاندھی خود بھی مدد و نصیحت کے لئے پہنچ جاتے لیکن وہ اپنے حوالے سے بات نہیں کرتے تھے بلکہ نہایت منکاری سے یہ کہہ کر مسلم طلباء اور ان کے والدین کو

گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کرتے تھے کہ آپ کے علماء کافتویٰ یہ ہے کہ اسلام کی رو سے مسلمان طلباء کسی ایسے تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل نہیں کر سکتے جو گورنمنٹ سے امداد لیتی ہو۔

مولوی حسین احمد دیوبندی کا بیان ہے: ”یہ وہ زمانہ ہے جبکہ ٹائپو میں اجلاس کانگریس ہوا تھا اور اس میں تان کواپریشن کی تحریک پائی ہو چکی تھی۔ اس کے خلاف مسٹر جناح اور ان کے موافقین نے زبردست کمزور پڑ گئی تھی اور یہ پارٹی حد درجہ اقلیت میں آگئی تھی۔ ملک کے تمام اعلیٰ افسرانے ہندو اور مسلمان برطانیہ سے نہایت دلچسپی ہو رہے تھے۔ مہاتما گاندھی کی رائے قبولیت عامہ حاصل کر چکی تھی۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ترک موالات کے متعلق طلباء (علی گڑھ) یونیورسٹی نے فتویٰ حاصل کر لیا تھا جس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ترک موالات کی تمام دفعات میں کانگریس کی موافقت کی تھی اور تمام مسلمانوں اور طلباء مسلم یونیورسٹی کو زور دار مشورہ دیا تھا کہ وہ اس پر عمل کریں، گورنمنٹ سے قطع تعلیق کریں اور تمام کالج اور سکول گورنمنٹی امداد چھوڑ دیں اور اگر کالجوں اور سکولوں کے ذمہ ایلڈ نہ چھوڑیں تو طلباء ایسے کالجوں اور اسکولوں سے نکل آئیں“ (۱۳۱)

ابوالکلام آزاد کے متعلق ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی روایت ہے کہ وہ مسلم یونیورسٹی اور مسلم ایجوکیشنل کانگریس کے اہداف کے مخالف تھے اور ہندوؤں سے کوئی سمجھوتہ کے بغیر ہندو کانگریس میں بھرپور حصہ لینے کی دعوت دیتے تھے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مسلمانوں کو تحفظات حاصل کئے بغیر ہندو اکثریت پر اعتماد کر لیا جائے تو ”تب بھی مسلم یونیورسٹی اور مسلم ایجوکیشنل کانگریس کی مخالفت کو کچھ بگاڑ قرار دیا جاسکتا ہے“ (۱۳۲)

اب ابوالکلام آزاد کے لئے موقع تھا کہ ہندو کانگریس کے لئے راہ ہموار کرنے کی غرض سے علی گڑھ کے تعلیمی ادارے کی اینٹ سے

اینٹ بجا دے، کسی بھی غیر مسلم معاشرے میں ایک مسلمان کے لئے اہم مقام حاصل کرنے کی خاطر ایسے کئی ٹائپو کام کرنے پڑتے ہیں اس اور اس جیسے دیگر ”شاندار خدمات“ کے اعتراف کے طور پر ہندوؤں نے انہیں کانگریس کی صدارت جیسے عمدہ جلیلہ پر فائز کر دیا۔ اگرچہ صدارت کانگریس کے دوران بقول قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ وہ ”شوہانے“ (۱۳۳) سے زیادہ حیثیت کے مالک نہیں تھے لیکن یہ بجائے خود ایک بڑی بات تھی کہ ایسے ہنگامہ خیز دور میں جبکہ ہندو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی جدوجہد میں مصروف تھے، ان کے سب سے بڑے ادارے کا سربراہ ایک مسلمان تھا۔

بات جو ری تھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی، ابوالکلام آزاد وہاں پہنچے اور طلباء سے خطاب کرتے ہوئے نصیحت کی کہ:

”حکومت سے عدم تعاون اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز، روزہ اور دوسرے ارکان اسلام فرض ہیں اور میں تم کو پکارتا ہوں کہ کالج کی پار دیواری سے باہر نکلو اور کالج کی تعلیم کا بائیکاٹ کرو“ (۱۳۴) اس کا نتیجہ کیا ہوا، یہ بھی گاندھی فلسفہ کے ایک پرستار کی ذہانت

تھی: ”ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اس وقت (علی گڑھ) یونیورسٹی کے پروفیسر وائس چانسلر اور ہر مہم میں یونیورسٹی کے حل و عقد کے ذمہ دار تھے۔ ڈاکٹر ضیاء الدین نے اپنا ایک بیان اخبارات میں خلافت عثمانیہ

پاپلر ایڈیشن مجلہ

ہول سیل اینڈ پریچون

ہمارے ہاں

سکول بیگ، سفری بیگ، ڈاکٹر بیگ، ہینڈ بیگ
اور بے آرڈر پرتی راتیں ہیں

پاپلر جنرل سٹورس، 951 صدر بازار لاہور، لاہور

فون 6660282

اور پھر علی گڑھ چلا گیا، ان دنوں ڈاکٹر ضیاء الدین کالج کے پرنسپل تھے۔ مجھے وہاں گئے ہوئے چند برس ہی ہوئے تھے کہ عدم تعاون کی تحریک زور پکڑ گئی۔ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے رفقاء علی گڑھ شریف لائے اور انہوں نے ایسی دل میں اتر جانے والی تقریریں کیں کہ طلبہ کی بڑی تعداد نے انگریزوں کی درس گاہ سے قطع تعلق کا فیصلہ کر لیا، دیکھتے ہی دیکھتے تین چار سو طلباء باہر نکل آئے۔ اتنی بڑی تعداد کی طرف سے بائیکاٹ ہو جانے پر علی گڑھ کالج بند کر دیا گیا۔ مولانا محمد علی جوہر نے طلباء کو اپنے اپنے صوبوں میں کام کرنے پر مامور کر دیا۔ (۳۶)

جس طرح ہندوؤں نے اپنے تعلیمی اداروں کو ترک موالات کے مسموم اثرات سے بچائے رکھا، بالکل اسی طرح دارالعلوم دیوبند کی بھی حفاظت کی گئی۔ ارباب اہتمام نے مولوی عبید اللہ سندھی کی سیاسی سرگرمیوں کو روکنے کے لئے ان کے چند مسائل کو بھانہ بنا کر ان پر کفر کا فتویٰ لگا دیا اور انہیں مدرسہ سے الگ کیا (۳۷)۔ اگرچہ وہ اس کے بعد بھی سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ لیکن اس سے دارالعلوم پر کوئی وجہ نکلنے کا احتمال نہیں تھا۔ دارالعلوم کے دو ملازم مقامی کانگریس کے باقاعدہ ممبر یا عہدہ دار بن گئے، اس طرح کی چیزوں کی مناسب طریقہ سے روک تھام کی گئی اور جن ملازمین نے دارالعلوم کے مسلک کے خلاف اپنے رویہ پر اصرار کیا، ان کو معطل کیا گیا۔ (۳۸) جناب مسعود قاسمی کے نزدیک:

”دارالعلوم کو سیاسی سرگرمیوں سے بچانا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اگر یہ ادارہ ایک سیاسی حیثیت اختیار کر گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ برسر اقتدار جماعت یعنی انگریزی حکومت اس ادارے کی مخالفت بن جائے گی جس سے ادارے کی شہرت و ناموری اور مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا“ (۳۹)

انگریز گورنر سر جیمس میسٹن نے دارالعلوم دیوبند کا دورہ کیا، بڑی دھوم دھام سے استقبال کیا گیا۔ مہتمم دارالعلوم کو جس العلماء کے خطاب سے نوازا گیا۔ اس کا دفاع کرتے ہوئے پروفیسر انوار الحسن صاحب رقمطراز ہیں:

”ہر مہتمم کا یہ فریضہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تہذیب سے کسی ادارے کو خطرات سے بچا کر لے جائے، وہی اس دور میں جناب مہتمم صاحب نے کیا، دوسری جانب جنگ عظیم کے باعث ترک زبردست ہجران سے دو چار تھے۔ اس لئے مجاہدین اسلام کی جماعت و دشمنان دین کے وجود کو مقدس اداروں میں آنے اور ان کے لئے عقیدت مندوں سے انتظامات فراہم کرنے کو گوارا نہیں کر سکتے، یہی پارٹ جو مہتمم صاحب

نے ادا کیا۔ خلافت کے عدم تعاون اور انگریزی حکومت سے بائیکاٹ کے دور میں ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے کیا اور میرے نزدیک درست کیا۔

رہا انگریزوں کا دارالعلوم میں بلایا جانا، یہ بھی علماء دیوبند کی پیش سیاست کا منہ دی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے

اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کی تائید میں شائع کرا دیا تھا مگر وہ تحریک عدم تعاون کی کس طرح تائید کر سکتے تھے، انہوں نے پوری ہوشیاری اور چالاکی سے اپنا پروپیگنڈہ تیز کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا ابوالکلام آزاد امام اہلند تو تسلیم کر لئے گئے (۴۰) لیکن ان کا فرمان خلیفہ المسلمین ترکی کے فرمان کی طرح بے اثر رہا۔“ (۴۱)

مسٹر گاندھی نے یہ نفس نہیں ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب سے ملاقات کی۔ ڈاکٹر صاحب نے گاندھی جی سے کہا کہ وہ طلباء کے ذہنوں کو مسموم نہ کریں اور یہ بھی یاد دلایا کہ جنوری میں انہوں نے کہا تھا کہ طلباء کو تحریک سے مستثنیٰ کیا جائے۔ گاندھی جی نے اس کا جواب دیا کہ میری رائے بدل گئی ہے۔ اب میرے نزدیک تعلیم کو اعلیٰ سیاست کی خاطر قویٰ بنانا چاہئے۔ (۴۲)

۳۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو عصر کے وقت سید نور اللہ وائس پریذیڈنٹ کی صدارت میں میٹنگ ہوئی، ہال کھپا کھینچ بھرا ہوا تھا، باہر برآمدوں اور یونین کی کرسی کے نیچے طلباء اور اولڈ بوائز کا جھوم تھا۔ سید نور اللہ نے حکومت کے مظالم بیان کئے اور خلافت کا مسئلہ بیان کر کے حکومت سے ترک تعاون کی اپیل کی۔ مجمع میں سے میر سید عبدالعزیز صاحب نے دریافت کیا کہ طالب علم کالج چھوڑنے کے بعد کیا کریں گے؟ جواب دیا گیا، خلافت کا کام، پھر انہوں نے سوال کیا، تقریری کلام کی کیا اسکیم ہے؟ اس پر علی برادران نے جواب دیا کہ اس اسکیم کے نہ ہونے کی صورت میں بھی مسلمانوں کو مذہب پر سب کچھ قربان کرنے میں تامل نہ ہونا چاہئے۔ انہوں نے پھر سوال کیا، ہندو یونیورسٹی میں کیا ہوگا؟ مولانا محمد علی نے جواب دیا، خلافت مسلمانوں کا مذہبی فریضہ ہے (اس لئے یہ سوال بے محل ہے) (۴۳)

جہاں تک ہندوؤں کی بنارس یونیورسٹی، کالجوں اور اسکولوں کا تعلق ہے تو اگرچہ بظاہر مسٹر گاندھی اور ان کے بعض اہم مذہب بھی پبلک میں یہی پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ تحریک ترک موالات کا تقاضا یہی ہے کہ ہندو بھی تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ کریں لیکن درپردہ وہ اپنے بچوں کی تعلیم کو جاری رکھنے پر تھے ہوئے تھے۔ ”ہندوؤں میں بھی تعلیمی و سیاسی ماہرین نے تعلیمی مقابلہ کی طلائعہ مخالفت کی، چنانچہ ایک طرف علی گڑھ میں روز محشر کا سماں تھا تو دوسری طرف (ہندوؤں کی) بنارس (یونیورسٹی) میں موت کی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پڑت مالویہ نے (بنارس کی ہندو) یونیورسٹی کی حدود میں نہ صرف علی برادران کو بلکہ گاندھی جی کو بھی تقریر تک نہ کرنے دی اور وہ زور شور جو علی گڑھ میں دیکھا گیا، یہاں قطعی سر نہ تھا۔ گاندھی جی نے صرف یہ کہہ کر ”مالویہ جی نہیں سمجھتے“ ہونٹوں پر مر سکوت لگائی“ (۴۴)

ہندو طلباء تو بدستور تعلیم حاصل کرنے میں مصروف رہے لیکن جن مسلمان طلباء کو تعلیمی اداروں سے نکال لیا گیا تھا، ان سے کیا کام لیا گیا، جناب الہی بخش اس کی روداد سناتے ہیں:

”والد صاحب کے انتقال کے بعد ہمارے ماموں نے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اٹھائی، ہائی اسکول تک ریاست خیر پور میں زیر تعلیم رہا

اور فرمانے کے بعد آپ نے جلسہ افتتاح یونیورسٹی میں کرسی صدارت کو معزز فرمایا" (۱۳۵)

آگے چل کر مولوی سید امین حسین صاحب لکھتے ہیں:
"بعض دنیا پرست اخباروں نے حضرت کی اس شرکت کے واقعہ کو استہزاء و تمسخر کے لہجہ میں بیان کر کے اپنی عاقبت خراب کی ہے وہ غالباً سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وقات کی تکلیف میں صحابہ کے گاندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں بخرش شرکت جماعت تشریف لے جانے کے حوصلہ افزا قہ سے ناواقف ہیں اور رجلاہ تھخان فی الارض کی تکلیف وہ حالت ان کو پیش نظر نہیں رہی" (۱۳۶)

حیرت ہوتی ہے علم دین رکھنے کے دعویدار حضرات کی ایسی سوچ پر کہ قطعی خلاف شریعت واقعہ کو اسوۂ حسنہ سے مل کر صحیح سوچ رکھنے والوں کو عاقبت کی خرابی کی وعید سناتے ہیں۔ کہاں وہ واقعہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس جماعت میں تشریف لے گئے اور ان کا حوصلہ بڑھایا اور کہاں مسٹر گاندھی کی جنش لب پر کی جانے والی امت مرحومہ میں انتشار و افتراق پھیلانے والی یہ کارروائی پھر ڈاکٹر اسرار احمد کا یہ دعویٰ بھی دھوکہ دہی کی ایک نادر مثال ہے کہ:

"(مولوی محمود حسن نے) ایک تو علی گڑھ کا دورہ کیا۔۔۔ اور دوسرے جدید اور قدیم کے استراج کی سعی اور علی گڑھ اور دیوبند کے مابین ایک درمیانی راہ پیدا کرنے کے لئے مسلم نیشنل یونیورسٹی کی بنیاد

تھانے میں اس عہد کے فلیٹسٹ گورنر کے سیکریٹری آئے تھے۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کے زمانے میں آردن صاحب گلکٹر سارن پور مدعو کئے گئے تھے اور ۱۹۰۵ء میں جناب مولانا رشید احمد صاحب کی سرپرستی کے دور میں سرچیس لائوس گورنر پر پل آئے تھے۔ اس لئے یہ امور قابل اعتراض نہیں میرے نزدیک ان کا دیوبند میں آنا اور ذمہ داران دارالعلوم کا شاندار انتظامات کرنا بدست کی خاطر ایک سیاسی آگہ بچھلی تھی" (۱۳۷)

اگرچہ پروفیسر صاحب نے علی گڑھ یونیورسٹی کو بچانے کے عمل کی حمایت کی ہے لیکن وہ اس بات سے پہلو بچا گئے ہیں کہ جمعیۃ العلماء ہند کے "پانچ سو علماء" کے فتویٰ ترک موالات کا اطلاق صرف مسلمانوں کے تعلیمی اداروں، ملازمتوں اور وکلاء پر ہوتا تھا یا دارالعلوم دیوبند بھی اس کی زد میں آتا تھا۔ اس لئے کہ دارالعلوم کو بچانے کی خاطر انگریزوں کو گلے لگانے، انہیں مدعو کرنے، استقبال کرنے، مراعات حاصل کرنے، شمس العلماء کا خطاب قبول کرنے پر تو کسی خلافتی و مولائی لیڈر نے اعتراض نہیں کیا۔ مولوی محمود حسن دیوبند سے بنیادی کی حالت میں مسلم یونیورسٹی کو قیام کرنے کی غرض سے علی گڑھ پہنچے، طلباء کو برعزت کرنے کے لئے فتویٰ بھی صادر فرمایا اور مخالفین پر انگریز پرستی کے الزامات بھی لگائے گئے لیکن دارالعلوم کے طلباء اور ارباب اہتمام کی اس اغلاطیہ انگریز پرستی پر کوئی گرفت نہیں کی۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ مسٹر گاندھی نے بھی ہندو تعلیمی اداروں کی طرح دارالعلوم دیوبند کی حفاظت اور انگریز پرستی پر بھی خاموشی اختیار کئے رکھی اور خود تو کیا کسی نیشنلسٹ مسلمان لیڈر کو بھی دیوبند بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔

المختصر علی گڑھ یونیورسٹی اگرچہ ترنوالہ حمایت نہ ہوا تاہم جن طلباء کو تمراہ کر لیا گیا، انہیں متحدہ قومیت کا سبق پڑھانے اور بقول مسٹر گاندھی سچا ہندوستانی بنانے کے لئے جامعہ ملیہ کی بنیاد رکھی گئی اور اس "مبارک" کام کے افتتاحی جلسہ کی صدارت کے لئے مولوی محمود حسن جو بستر مرگ پر پڑے تھے، خود تشریف لے گئے:

"اسی حالت مرض میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا معاملہ پیش آیا" مولانا محمد علی صاحب اور دیگر حضرات نے تحریک فرمائی اور حضرت مولانا (محمود حسن) نے اس کو ایک دینی اور مذہبی کام خیال فرمایا اور اپنے تشریف لے جانے کو مولانا محمد علی صاحب اور ان کے معاونین کے لئے باعث تقویت اور ترک موالات کی تحریک کے لئے موجب کیم خیال فرمایا۔ حالت مرض کو دیکھنے والے آپ کے ارادہ سفر سے حجب و حیران رہ جاتے تھے اور بہت سے شخص ارادہ منع کرنے کا

باب مشورہ دیتے تھے لیکن حضرت نے مرض و ضعف کی اصلاح پرواہ نہ کر کے سڑکی شدید تکلیف گوارا فرمائی اور ۱۵ صفر کو بروز پنج شنبہ چند صبح حضرات کے ہمراہ علی گڑھ روانہ ہو گئے۔ ۱۶ صفر (۲۹ اکتوبر) کو بروز جمعہ سواری میں کالج تشریف لے گئے اور لوگوں نے سے نحو مباہلات آپ کو ہاتھوں ہاتھ لے جا کر مولانا محمد عبداللہ صاحب انصاری ناظم وینیات کے کمرہ میں لٹا دیا۔ نماز جمعہ یہ تکلیف

معیار پندوں کا انتخاب

مارونے سے دھلائے
کیپڑوں کے صفائے

ماروی سوپ

بھنڈراں والا سنز

(پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور فون: ۳۳۱۴۳۳۳

رکھی جو بعد میں ”جامعہ طبر“ کے نام سے موسوم ہوئی“ (۱۳۷)

حالانکہ مولوی محمود حسن کا یہ ”الارنامہ“ جدید اور قدیم کے امتزاج کی سعی نہیں تھی بلکہ علی گڑھ یونیورسٹی جو دو قومی نظریہ کا گڑھ سمجھا جاتا تھا“ سے زیادہ سے زیادہ افرادی قوت نکال کر کانگریس کو مضبوط کرنا تھا۔ دراصل دو قومی نظریہ کے مخالفین ہیر پھیر اور خوشنما الفاظ کے استعمال سے ان لوگوں کی عقلت دلوں میں بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں جو متحدہ قومیت کے علمبردار اور نظریہ پاکستان کے مخالف تھے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ پاکستان کی بنی نسل سے حقائق کو چھپا کر صرف ان مذہبی شخصیات اور اداروں کو محبت بھرے انداز میں متعارف کیا جا رہا ہے جو سرے سے اس نظریہ کو ہی باطل سمجھتے تھے۔ جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا تھا۔ ضلانی کتب کو اٹھا کر دیکھ لیں ان میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے نیابت دہندہ کے طور پر دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، جامعہ طبر اور ان سے وابستہ شخصیات جیسے ایک قومی نظریہ اور ہندو و انگریزوں کے طرفداروں کا ذکر بڑے خطرناک سے ملے گا لیکن ان سنی بریلوی اکابرین اور ان کے اداروں کے نام دور بین لگا کر دیکھنے سے بھی نظر نہیں آتے جنہوں نے عربیہ مسلم لیگ کی حمایت کی اور دو قومی نظریہ کا پرچار کیا۔

آئیے اب جامعہ طبر کا اصل چہرہ دیکھیں۔

جامعہ طبر کے وائس چانسلر جناب محبوب رقتپرا ہیں:

”پانچ سال قبل (علامہ) اقبال نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مسلمانوں کا اپنا علیحدہ ملک ہونا چاہیے جہاں وہ شریعت کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ یہ تصور اسی اصول کے بالکل خلاف تھا جس کے تحت جامعہ طبر وجود میں آئی تھی۔ یعنی یہ کہ مسلمان شہریت اور تہذیب و تمدن کے مشترک تصورات کو فروغ دینے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل جل کر رہیں اور کام کریں۔“

یہی دو نظریات آج بھی موجود ہیں، وہ علاقہ جہاں مسلمان شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں پاکستان ہے اور جامعہ اب بھی وہیں ہے جہاں یہ پہلے تھا اور ان ہی اہواف کے لئے کام کر رہی ہے“ (۱۳۸)

یہی وائس چانسلر صاحب مسلم لیگ کے متعلق فرماتے ہیں:

”اگر مسلم لیگ کے مذہبی جذبات غلوں پر مبنی ہوتے تو خیراتی ادارے، سکول اور کالج جن کی کفالت مسلمان کرتے تھے، کو اس سے مستفید ہونا چاہیے تھا۔ میرے علم کی حد تک ان میں سے کسی نے بھی اس سے مالی امداد حاصل نہیں کی، اگر مسلم لیگ غیبت کی وجہ سے مالی امداد کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی تو کم از کم اخلاقی مدد تو کرتی، اس کے برعکس دیوبند دارالعلوم دیوبند کو سیاسی وجوہات کی بنا پر نظر انداز کر دیا گیا اور جامعہ طبر سے بدگمانی یا نا اہمیت ظاہر کی گئی، اس لئے کہ اس نے اپنے آپ کو بنیادی تعلیم سے وابستہ رکھا اور اعلیٰ تعلیم مسلمان گاندھی کی تعریف اور ادب و احترام پر اصرار کیا جو (یعنی ”مہتمائی“)

”جیسا کہ ہمیں علم ہے، واحد شخص تھا جس نے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے شر سے بچایا“ (۱۳۹)

چوری اور سینہ زوری کی اس سے بڑھ کر مثال کوئی اور نہیں ہو سکتی

”مسلم لیگ پر الزام یہ ہے کہ اس نے ان مذہبی اداروں کی مالی امداد کیوں نہیں کی جو مسٹر گاندھی کو قاتل احترام اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کے شر سے بچانے والا سمجھتے تھے، اصولاً ان اداروں کی سرپرستی ہندوؤں کو کرنی چاہیے تھی، اس لئے کہ وہ ان کے مقاصد کے لئے کام کرتے تھے۔ اگر حبیب صاحب اپنے برادران وطن سے یہ شکایت کرتے تو حق بجانب ہوتے لیکن مسلم لیگ کو مورد الزام ٹھہرانا کسی صورت میں بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کوئی بھی ذی ہوش جماعت اس بات کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے جانی دشمنوں کو کھلا پلا کر موٹا تازہ اور طاقتور بنائے تاکہ وہ مزید شدت کے ساتھ تحریکی کارروائیوں میں حصہ لینے کے قابل ہو سکیں۔“

ان اقتباسات اور مختصر تبصرہ کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ جامعہ طبر جیسے ادارے کا سنگ بنیاد رکھنے کی خاطر پیاری کی حالت میں سڑک کے جانا اور کرسی صدارت کو زینت بخشا نہ تو کوئی دینی خدمت تھی اور نہ ہی اس کا اسوۂ حسنہ سے کوئی تعلق تھا بلکہ یہ خالص گاندھی صوفی فلسفے کو تقویت پہنچانے کا فعل تھا اس لئے کہ اسی ادارہ نے گاندھی کو مرتبہ الوہیت پر فائز کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جبکہ اس کے ارباب انتظام اسے ناشکرے نگلے کہ مسلم لیگ کی مالی امداد نہ کرنے کا گدہ تو کرتے ہیں لیکن مسلم لیگ کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح رحمت اللہ علیہ نے ان کو اپنی دولت سے نوازا، اس کا شکر یہ تک ادا کرنے کے رد ادا نہیں، جبکہ ان کے ”مہتمائی“ مشرک ہو کر منافقت انداز سے ہی سہی، بعض اوقات قائد اعظم کی تعریف کر لیا کرتے تھے۔ جناب شاہ حسن، مظلوم صاحب کا بیان ہے:

”جامعہ طبر اسلامیہ دہلی نے ہنگامہ نظریات کو اپنایا اور گاندھی جی کو کبھی کبھی الوہیت کے مرتبہ، فائز کرنے میں پس و پیش نہ کیا مگر قائد اعظم نے اپنی دولت سے اس ادارہ کو بھی نوازا“ (۱۴۰)

تحریک خلافت و ترک مولات کے دوران ہوش کے بجائے ہوش سے کام لینے والے مسلمان لیڈر ہندوؤں کا تہ کار بننے کو ملی خود کشی کے مترادف سمجھتے تھے، اس لئے ان میں سے کسی نے بھی جامعہ طبر جیسے ہندو نواز ادارے کی حمایت نہیں کی۔ علامہ اقبال رحمت اللہ علیہ کے متعلق بعض لوگوں نے اخبارات میں یہ افواہ پھیلا دی کہ وہ قومی آزاد یونیورسٹی (جامعہ طبر) قائم کرنے کے حق میں ہیں، علامہ نے اس شراغیز خبر کی فوری تردید کی۔ خان نیاز الدین خان کے نام ایک خط میں رقتپرا ہیں:

”مالی رہا میرا ان لوگوں سے ہم خیال ہونا، ہم خیالی صرف اسی حد تک ہے جس حد تک قرآن (حکیم) کا حکم ہو اور بس۔ اخباروں میں انہوں نے شائع کیا ہے کہ اقبال نے قومی آزاد یونیورسٹی سے متعلق مدد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے معاملات میں اگر مجھ سے مدد طلب کی جائے تو مجھے قبیل حکم میں کیونکر تامل ہو سکتا ہے، تاہم جو کچھ اخباروں میں لکھا گیا ہے، بالکل غلط ہے، میرے ساتھ ان کی کوئی گفتگو اس بارے میں نہیں ہوئی، واقعات کی رو سے یہ بات بالکل غلط ہے۔ اس خیال سے کہ علی گڑھ میں اس بیان سے لوگ دھوکہ نہ

وہ اصولی طور پر تحریک (ترک موالات) کے موافق نہیں تھے (۱۵۳) یہی وجہ ہے کہ اسلامیہ کالج کو انہوں نے اس تحریک میں سرگرمی سے شامل ہونے نہ دیا" (۱۵۵)

علامہ اقبال مرحوم اپنے ایک مکتوب مورخہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۰ء بنام خان نیازالدین خان میں تحریر فرماتے ہیں:

"علی گڑھ سے ابھی تک کوئی خبر نہیں آئی" اسلامیہ کالج میں بھی وہی حالات پیدا ہو چکے تھے مگر طلباء کو چھٹی دے دی گئی ہے اور الحاق کے بارے میں خود ان کی رائے میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے" امید ہے کہ اب اس بارے میں اراکین انجمن کو تردد نہ رہے۔ گاہ میری قومی رائے ہے کہ گرانٹ اور الحاق کے بارے میں جو فتویٰ علماء کا ہو اس پر عمل کرنا چاہئے، چونکہ واجب الطاعہ امام اس وقت موجود نہیں، اس واسطے جسور مشائیر علماء ہند کا فتویٰ ضروری ہوگا، صرف ایک عالم کا فتویٰ اس بارے میں کافی نہیں، خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو۔ علماء کی غالب جماعت کا اس پر اتفاق ہونا چاہئے۔ ذاتی رائے میری خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو، اگر علماء کا فتویٰ میری ذاتی رائے کے خلاف ہو تو تسلیم فہم ہے، جہاں تک میں انداز کرتا ہوں، قرآن کے احکام اس بارے میں صاف اور واضح ہیں لیکن افسوس ہے کہ بعض مشور علماء فتویٰ دیتے ہوئے غافل ہیں، بعض کی خدمت میں، میں نے خطوط لکھے ہیں مگر امید نہیں کہ جواب ملے" (۱۵۶)

اقبالیات کا مطالعہ کرنے والے محققین جانتے ہیں کہ گو علامہ اقبال مرحوم نے کسی اجلاس یا ملاقات میں کھل کر یہ بات نہیں کی کہ خلافت و موالاتی لیڈروں کو صاف طور پر بتا دیا جائے کہ مسلمانوں کے تعلیمی اداروں کو تباہ و برباد کرنے کے خطرناک کھیل سے باز آجائیں لیکن اشاروں، کنایوں، خاموش رد کردار اور بعض اوقات خطوط و ملاقات کے ذریعے مسلمانوں تک یہ پیغام پہنچا دیا کہ وہ تعلیمی پابکات کے حق میں نہیں ہیں، اس لئے کہ اس سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، نحو بالا خلا کے مندرجہ بالا فتویٰ جانتے تو اس میں بھی یہی پیغام درج ہے، بعض کو تاہم میں اس کے، اس سے منجھ لگاتے ہیں کہ اگرچہ علامہ مرحوم ذاتی طور پر تحریک ترک موالات کے خلاف تھے لیکن انہوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ علماء کے فتویٰ پر ہی عمل کیا جائے، چونکہ علماء نے ترک موالات کے حق میں فتویٰ دیدیا تھا۔ اس لئے وہ اپنے آپ کو اس پر عمل کرنے کا پابند سمجھتے تھے حالانکہ یہ تاثر قطعی طور پر غلط ہے، جہاں تک نام نہاد پانچ سو علماء کے فتویٰ کا تعلق ہے، علامہ اقبال کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ محترم محمد احمد خان رقمطراز ہیں:

کھائیں، میں نے ایک بار آنریری سیکرٹری کو دیا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے جو اخباروں میں شائع ہوئی ہے" (۱۵۷)

جامعہ طبر کے افکار و نظریات جاننے کے لئے امام احمد رضا خان فاضل بریلی قدس سرہ کے ایک عقیدہ مند اور مشہور و معروف مسلم لٹری کارکن حکیم محمد حسین بدرپشتی مرحوم کا یہ چشم دید واقعہ پڑھ لینا ہی کافی ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"راقم الحروف جب اپنے ایک دوست ضلیل الرحمن چٹا کا گھر چلے میرے ساتھ علی گڑھ یونیورسٹی میں ہم سبق تھے، بعد میں جامعہ طبر دہلی میں مائٹریشن کرا گئے، اسے ملے گیا تو مولانا عبید اللہ سندھی سے بھی جامعہ طبر میں ملاقات ہوئی، مولانا صاحب نئے نئے روس سے واپس آئے تھے اور طلبہ کو متحدہ قومیت اور سوشلزم پر لیکچر دے رہے تھے اور کہتے تھے کہ میری ان تعلیمات سے نہ جندو، جندو اور نہ مسلمان، مسلمان رہے گا اور دونوں خدا سے بھی دور نہ ہوں گے بلکہ جندو اور مسلمان کھیر شکر بن کر رہیں گے" (۱۵۸)

آج کل کریم صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے سیاہ رنگ کی اپن اور علی گڑھ کٹ پاجامہ اور سر پر تری ٹوپی پہن رکھی تھی۔ جب مولانا (عبید اللہ سندھی) صاحب کی جھ پر لٹا پڑی تو کہنے لگے کہ یہ کف دشمن جامعہ طبر میں کیسے آگیا۔ ضلیل الرحمن نے مجھے دور سے پہچان لیا اور کہا کہ یہ ایک بھائی طالب علم ہے، تو مجھ سے ملے آیا ہے۔ مجھے ضلیل الرحمن مولانا صاحب کے پاس لے گئے۔ مولانا صاحب سے میں نے سلام کیا۔ مولانا صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ علی گڑھ میں زیر تعلیم ہیں، میں نے کہا، جی ہاں، مولانا صاحب نے کہا کہ آپ نے ایسے شخص کو قائد اعظم بنا رکھا ہے جو مسلمانوں کی زبان اور دین نہیں جانتا، میں نے جواب دیا کہ مسلمانوں کی اکثریت کا یہی عقیدہ قیلم ہے اور ۳ مارچ ۱۸۵۷ء کو اتحاد طلبہ جامعہ علی گڑھ نے ایک تقریب میں محمد علی جناح کو قائد اعظم کا خطاب دیا، اور انہوں نے ازراہ خوشنودی طلبہ اسے قبول کر لیا۔ یہ جواب سننے ہی مولانا موصوف آپ سے باہر ہو گئے اور حضرت علامہ اقبال اور قائد اعظم کے لئے ایسی مجلس اور بازار زبان استعمال کی کہ جو قرآن سے باہر ہے" (۱۵۹)

مسٹر گاندھی اور خلافتی لیڈروں نے مسلمانوں کی ایک اور مشہور تعلیمی درس گاہ یعنی اسلامیہ کالج لاہور کو اپنا نشان بنایا، وائٹنگری کا یہ مشہور زمانہ کالج علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی کوششوں کی وجہ سے بنیادی سے بچا۔ مصور پاکستان، علامہ اقبال ایک علم دوست انسان تھے۔ پھر انہیں اپنے صوبے کے مسلمانوں کی تعلیمی پستی کا دور درجہ تعلق تھا۔ وہ جانتے تھے کہ وقتی طوفان کے اس دھارے سے اسلامیہ کالج کو نہ بچایا گیا تو مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو بدھا دکھا لگے گا اور یوں بھی

جذبات ستودہ تمام وراثتی کے علاوہ

کھلونے بیگ بے لٹیگی میس پورٹس

کاساماں یا زار سے بارعایت دستیاب ہے

صدر بازار لاہور چچاؤڈی 961 سرورڈ

پاپو لرجنل سٹور

”علی برادران لاہور پہنچے تھے کہ اسلامیہ کالج کے ٹرینیوں اور اساتذہ کو تحریک ترک تعاون میں شریک کرایا جائے۔ ڈاکٹر اقبال اس زمانہ میں اسلامیہ کالج کے سیکرٹری تھے آپ نے علی برادران سے اختلاف کیا“ اس روداد کو رئیس الاحرار مولانا محمد علی کی زبانی سنئے: ”ہم لاہور پہنچے اور اسلامیہ کالج کے ٹرینیوں اور اساتذہ کو دعوت الی الخیر دی تو ان کو علی گڑھ کالج کے ٹرینیوں اور اساتذہ سے بھی زیادہ مستعد پایا اور اس سے اندازہ کیا کہ طلباء کس قدر مستعد ہوں گے مگر ڈاکٹر محمد اقبال سیکرٹری تھے اور آپ نے جن سے ہم نے اسلام سیکھا تھا“ ہماری دعوت کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ علماء کرام کا فتویٰ لے لیا جائے۔ خیر پانچ سو علماء نے بھی ہندو باغ بعد فتویٰ صادر فرما دیا مگر ڈاکٹر اقبال نے اس پر بھی توجہ نہیں فرمائی“ البتہ اجتہاد فرمایا تو علم الاقتصاد کے ماہر کی حیثیت سے“ اس وقت جبکہ مہاتما گاندھی ایک کروڑ روپیہ جمع کر لائے اور وہ اجتہاد یہ تھا کہ اس سے ٹیکسٹ لائیکل (مصنعی) انشئی ٹیٹ کا اقتراح کیا جائے“ (۱۵۷)

نور طلب بات یہ ہے کہ ایک جانب علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بار بار فرمایا کہ علماء کا فتویٰ لیا جائے تو دوسری طرف پانچ سو ”علماء“ کا فتویٰ بھی آیا لیکن آپ نے اسے کوئی اہمیت نہ دی“ اصل بات یہ تھی کہ علامہ مرحوم کو کسی بریلوی علماء و مشائخ کے فتاویٰ کا انتظار تھا جو ہندوؤں کی اس خطرناک سازش کا ٹٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ ایک تو علامہ مرحوم خود اسی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے (۱۵۸) دوم ان علماء و مشائخ کی طرح علامہ اقبال بھی دو قومی نظریہ کے پر زور حامی تھے اور بعد میں مولوی حسین احمد دیوبندی سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ساتھ سخت جھڑپ بھی اسی موضوع پر ہوئی تھی (۱۵۹) اور تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران بھی ان کا موقف وہی تھا جو بریلوی اکابرین کا تھا۔ مزید تصدیق ان کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ ”قرآن کے احکام اس بارے میں صاف اور واضح ہیں لیکن افسوس ہے کہ بعض مشہور علماء فتویٰ دیتے ہوئے غافل ہیں“ چونکہ اس جذباتی دور میں خلافتی و موالاتی لیڈروں نے ہندو پریس کی مدد سے ایسا ماحول بنایا تھا کہ جو بھی تحریک خلافت و ترک موالات کی مخالفت کرتا“ اسے بلا سوچے سمجھے انگریز کا ایجنٹ ہونے کا خطاب مل جاتا“ اس لئے علامہ مرحوم کو یہ خدشہ تھا کہ کوئی بھی صحیح فکر عالم دین اپنی بگڑی اچھالنے کے لئے آمادہ نہیں ہوگا لیکن بعد میں یہ غلط فہمی دور ہوئی۔

علامہ اقبال کے ایک قریبی دوست اور امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کے حقیقت مند پروفیسر مولوی حاکم علی مرحوم نے ڈنگے کی چوٹ پر فتویٰ دیا کہ:

”بھتا علم مجھے دیا گیا ہے“ میں اس کی بنا پر فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے۔ آپ میرے اس فتویٰ کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی خیال کے اور ان کے ہم خیال نہیں ہیں“ مثلاً مویہ ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خان صاحب قادری بریلوی علاقہ روہیل کھنڈ اور

مولوی اشرف علی تھانوی (۱۶۰) ممالک مغربی و شمالی سے کرائیں اور صحیح فتویٰ پر عمل کریں نہ کہ غلط پر“ (۱۶۱)

پروفیسر صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ سے براہ راست رابطہ قائم کر کے ان سے فتویٰ حاصل کیا۔ اسی سے متعلق ایک اور صاحب کے سوال کا جواب بھی فاضل بریلوی نے تفصیل سے تحریر فرمایا“ یہی وہ فتویٰ تھا جس نے حالات کا رخ موڑ دیا“ کانگریسی مولویوں کے پھیلانے ہوئے شکوک و شبہات کو دور کر دیا“ متحدہ قومیت کے حامیوں کی فینڈس حرام کر دیں۔ مسلمانوں کے دلوں میں دو قومی نظریہ کا بیج بویا“ ہندو راج قائم کرنے کے سارے راستے مسدود کر دیئے۔ ساتھ ہی فاضل بریلوی کے ہم مسلک سنی علماء و مشائخ بھی مصروف عمل تھے۔ اس طرح علامہ اقبال مرحوم نے جن فتاویٰ کا بار بار ذکر فرمایا تھا بلکہ خواہش ظاہر کی تھی وہ منظر عام پر آگئے تھے۔ بعض تحریری شکل میں اور بعض تقریروں کی شکل میں۔ ان سب کے مجموعی اثر کی وجہ سے حالات میں بدترجی گھراؤ آنا شروع ہو گیا اور مسلمانوں کے تعلیمی ادارے کسی نہ کسی شکل میں مکمل تباہی سے بچ گئے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک خلافت و ترک موالات سے اختلاف کیوں کیا“ بنیادی وجہ وہی تھی جس کی نشاندہی امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ اور ان کے ہم خیال علماء و مشائخ نے اپنے فتاویٰ اور تقاریر میں کی ہے یعنی یہ کہ مسٹر گاندھی کو مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط کرنا کسی بھی عقلی و فطری دلیل سے جائز نہیں۔ جس دن لاہور میں خلافت کے راہنماؤں نے مقابلہ کیا تھا کہ ارباب اسلامیہ کالج حکومت سے ترک موالات کا اعلان کریں اور اس کی حمایت و مخالفت کرنے والوں میں بحث و مباحثہ ہو رہا تھا“ علامہ اقبال موجود تھے لیکن انہوں نے شروع سے آخر تک سکوت فرمایا۔ سید نذیر نیازی تحریر فرماتے ہیں:

”آگے چل کر میں نے ان (علامہ اقبال) کے ارشادات سے محسوس کیا کہ انہیں اس تحریک سے اختلاف تھا تو اس بنا پر کہ اس کی زمام گاندھی جی کے ہاتھ میں ہے اور گاندھی جی کو سورہ ممتحنہ کی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں۔ یوں بھی بابائے تحریک نے یہ کیسے فرض کر لیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد ہمیشہ قائم رہے گا۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ اگر یہ اتحاد قائم نہ رہا تو نتیجہ کیا ہوگا“ پانچویں کچھ ہوا۔ گاندھی جی نے تحریک واپس لے لی“ ہندو مسلم اتحاد ٹوٹا اور مسلمان میدان میں اکیلے رہ گئے۔ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہونا چلا گیا“ ہر طرف بے دلی پھیل گئی“ (۱۶۲)

خلافتی و موالاتی لیڈروں سے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم“ جناب خان نیاز الدین خان کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”امید ہے کہ عوام کی حالت جنوں زیادہ ویر تک نہ رہے گی“ تعلیم میں عدم تعاون کرنے کا یہ طریقہ نہ تھا جو بعض لوگوں نے اختیار کر

رہے گا۔ تحریک خلافت اسی حادثے کا شکار ہو گئی، مسٹر گاندھی اگرچہ دنیاوی لحاظ سے ذہین اور چالاک لیڈر تھا، اس نے ہندوؤں کو سیاسی طور پر بیدار کر دیا، ان میں مسلمانوں سے لڑنے کی ہمت پیدا کی، انہیں اپنی عدوی اکثریت کی قوت کا احساس دلا کر متحدہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنے کی رغبت دلائی لیکن وہ کسی لحاظ سے بھی مسلمانوں کے لئے بہتر قائد ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

تحریک خلافت و ترک موالات کی قیادت سنبھالتے ہی مسٹر گاندھی نے جن خطوط پر کام کرنا شروع کر دیا تھا، وہ مسلمانوں کو تباہی و بربادی کی جانب لے جا رہے تھے، کثرت صفحات میں ”مہاتما جی“ کے مقاصد پر گفتگو ہو چکی ہے، یہاں صرف اس پہلو کو اجاگر کرنا مقصود ہے کہ مسٹر گاندھی اچھی طرح جانتے تھے کہ جب تک مسلمان اسلام کو کامل اور جامع دین تصور کر کے اس پر عمل پیرا رہیں گے، اس وقت تک انہیں پنہنی سے اتارنا آسان نہیں ہو گا، اس لئے اس نے سب مذاہب کے سچے ہونے کا پرچار شروع کر دیا اور سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو اس قدر مسموم کیا کہ وہ ہندوؤں کی تقریبات میں بے تکلف شرکت فرماتے گئے اور ہندوؤں کو بطور واعظ مساجد میں منبر نبوی پر بٹھانے میں بھی کراہت محسوس نہیں کرتے تھے، ذیل میں بعض ان غیر شرعی حرکات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مسٹر گاندھی کی ستائش

اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں (۱۵۵) کسی غیر مسلم کے بھائی ہونے کا ذکر نہیں آیا ہے لیکن ۱۹۲۰ء میں بقیت العلماء ہند (دہلی) کے ایک جلتے میں تقریر کرتے ہوئے مولانا شوکت علی مرحوم نے فرمایا:

”اے اللہ ایک ہم سے نیک کام بھی ہو گیا ہے یعنی میں اور مساتما گاندھی جتنی بھائی بھائی ہو گئے ہیں اور یہ محبت میں نے جان بوجھ کر برحالی ہے۔“ (۱۶۱)

قرآن کریم میں مشرکین کو جنس کہا گیا ہے (۱۶۵) لیکن: ”برہمنی میں مسٹر گاندھی کی آمد کے موقع پر کانگریس کمیٹی اور خلافت کمیٹی کے سیکرٹریوں نے غلط سے ایک اشتہار ایجنٹوں ”مساتما

رکھا ہے۔ اگر عدم تعاون کو شرعی فرض بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ طریق کار میرے نزدیک شریعت اسلامیہ کی سپرٹ کے مخالف ہے“ (۱۶۳)

یعنی شجاعت کی بنا پر یہ کہنا بالکل درست ہے کہ لاہور میں سارا زور اسلامیت کالج کو بند کرانے پر صرف ہوا، ہندوؤں کے مشہور سربراہ لال لاجپت رائے اپنے ہندو اور مسلمان ساتھیوں کو لے کر تقریباً ہر روز کالج میں آجائے اور طلباء کو گمراہ کرتے، ہندوؤں کے تین کالج یعنی ڈی اے وی (D.A.V) کالج (موجودہ اسلامیہ کالج سول لائٹیز) ستاتن دھرم کالج (موجودہ گورنمنٹ ایم اے او کالج) اور دیال سنگھ کالج کھلے تھے اور وہاں پڑھائی یا قاعدہ ہوتی تھی، بلاخر ایک دن لالہ مذکور کو بتا دیا گیا کہ اپنے کالجوں کی بھی خبر لیں۔ اس دن کے بعد وہ تو نہ آئے مگر مسلمانوں کا بہت بڑا گروہ کالج بند کرانے کے ورچے ہوا۔ بڑی گز بڑ ہوئی، فساد بھی ہوئے۔ میاں فضل حسین پیر سران دنوں کالج کمیٹی کے سیکرٹری تھے، انہوں نے ملے گیا کہ طلباء سے پوچھ لیا جائے کہ یونیورسٹی سے الحاق رکھا جائے یا نہ، چنانچہ وہ کالج میں آئے اور ہر کلاس میں طلباء سے ہاں یا نہ کی پرچیاں وصول کر کے چلے گئے۔ مولانا ظفر علی خاں بھی اس موقع پر آگئے تھے۔ کالج میں بڑا بیجان ہوا تھا۔ پورٹنگ ہاؤس میں کشیدگی بھی تھی۔ میاں فضل حسین نے دوسرے دن اطلاع بھیجی کہ طلباء کی اکثریت الحاق کے حق میں ہے، اس لئے یہ مسئلہ ختم سمجھا جائے ساتھ ہی طلباء کو چھٹی دے دی گئی۔ بعد میں حالات ٹھیک ہوتے چلے گئے۔ (۱۶۶)

غیر شرعی حرکات

کسی بھی اسلامی تحریک کے بہتر نتائج اس وقت ہی برآمد ہو سکتے ہیں جبکہ اس کی باگ ڈور کسی صحیح العقیدہ اور دل میں خوف خدا رکھنے والی شخصیت کے ہاتھ میں ہو، اگر کسی غیر مسلم کو قائد بنا لیا جائے تو مقصد سے عدم دلچسپی اور اپنے مذہبی مفادات کی حفاظت کو ترجیح دینے کی سوچ کے باعث وہ تحریک کو صحیح سمت پر چلانے سے قاصر ہو گا اور نتیجتاً قائدہ برائے نام اور نقصانات بے شمار پہنچنے کا خدشہ برقرار

۱۱۶۴ ساگر روڈ
صدر بازار
لاہور چھپاؤنی
فونٹ
۳۸۰۶۶۴

پروفیسر ایڈیٹر
ایم اسلم
ایم رمضان

غریباں دی مہٹی
پینٹ اینڈ مارڈ ویئر سٹور
بائسٹن لیکے پینٹ

نبی کے آنے کی گنجائش ہوتی تو مسٹر گاندھی اس منصب پر فائز ہو جاتے۔
رسالہ الناصر کے ایڈیٹر مولانا ظفر الملک نے کہا:

”اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو مامتا گاندھی نبی ہوتے۔“ (۱۷۵)

ہندوؤں کے لئے دعائے مغفرت

کتاب و سنت کی تعلیمات کے مطابق کسی مشرک کی نجات ممکن نہیں اور نہ ہی مرنے کے بعد اس کی روح کو سکون مل سکتا ہے، لیکن ہندو مسلم اتحاد کو فروغ دینے کی خاطر بعض حضرات اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ ہندوؤں کے لئے دعائے مغفرت مانگنے لگے۔ اس پر دسمبر ۱۹۹۲ء کو کانگریس کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا محمد علی جوہر نے فرمایا:

”میرے دل میں مسٹر گوگلے کا بڑا احترام ہے، خدا ان کی روح کو سکون عطا فرمائے۔“ (۱۷۶)

نہ صرف یہ کہ ہندوؤں کی ارتھی کو کندھا دیا گیا بلکہ ان کے ماتم میں مسجد میں تفریق طے کئے گئے اور فاتحہ خوانی بھی کی گئی، چنانچہ ”تک کے مرنے پر“ (مہراں خلافت کمیٹی نے) غم میں ہرز دسواں جامع مسجد میں ننگے سر، ننگے پیر، قیچ ہو کر تک کے لئے دعا اور فاتحہ اور نماز کا ان کی مغفرت کے لئے اشتہار شائع کیا۔“ (۱۷۷)

مذہبی رسومات

ہندو مسلم اتحاد کے پہلے عملی مظاہرے کے حوالے سے جناب سید نور احمد لکھتے ہیں:

”۱۸ اپریل (۱۹۹۲ء) کو ہندوؤں کا رام نوبی کا تہوار تھا، اس دن پھر دکاتیں بند رہیں یعنی عملاً ہڑتال ہو گئی، رام نوبی کا مذہبی جلوس مذہبی کم اور سیاسی زیادہ تھا۔ اس میں مسلمان بھی شریک تھے اور شری رام چندر جی کی سب کے ساتھ ”گاندھی جی کی ہے“ اور ”ہندو مسلم کی ہے“ کے نعرے بھی لگائے جا رہے تھے۔ ہندو مسلم اتحاد کے جذبات دلوں سے اٹل رہے تھے۔ اس جلوس میں (لاہور کی تاریخ میں پہلی مرتبہ) ہندو اور مسلم عوام ایک ہی برتن میں پانی پی کر اور ایک ہی برتن سے پودیاں اور مٹھائیاں کھا کر ”ہندو مسلم ایک ہیں“ کے مظاہرے کر رہے تھے۔“ (۱۷۸)

یہ اسی وقت عظیم ہندو بدعت ہونے کے قصور سے نعرے جلوسی میلاد بدعت

جنت ہوا ہر لال نہو نے اپنی ”آپ جی“ میں لکھا ہے کہ ”ہر جگہ ہندو مسلم کی جینے کے نعرے لگائے جا رہے تھے۔“ (۱۷۹) مولوی اشرف علی تھانوی بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ہے کے نعرے لگائے“ پیشانیوں پر قلم لگائے“ (۱۸۰) ہندوؤں کی ارتھوں کو کندھا دیا، رام لپلا وغیرہ کا انتظام مسلمان والیٹیروں نے کیا، بیودہ

گاندھی کی آمد، کشور پریس بریلی میں ۱۹۳۰ء میں طبع کرا کے شائع کیا گیا، اس میں کہا گیا ہے: خدا کا شکر ہے کہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو ہمارے ملک کے لیڈر، ہمارے شہر کی خاک پاک کرپٹ کے لئے آ رہے ہیں۔ امید ہے کہ ہمارے شہر میں ان کا استقبال ان کے مرتبہ اور عزت کے موافق ہو گا۔“ (۱۸۱)

ایک حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ جب کوئی طالب علم دین حاصل کرنے جاتا ہے تو فرشتے اس کی راہ میں پر پھلتے ہیں لیکن ”بریلی میں مسٹر گاندھی کی آمد پر مولانا شوکت علی اور دوسرے مسلم لیڈروں کے سامنے مسٹر گاندھی کی مدح میں جو خیر مقدمی قصیدہ پڑھا گیا، اس میں ایک یہ مصرعہ بھی تھا:

جھکاتے جن کے آگے ہیں ملائکہ سرور آتے ہیں

سب نے سنا اور خاموش رہے۔“ (۱۸۲)

اسلامی نقطہ نظر کے مطابق آخری دور میں امام مہدی کا ظہور ہو گا جو تہذیب و احیائے دین کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے اسلام کا بول بالا اور کفر کا خاتمہ کریں گے۔ لیکن خلافتی لیڈروں نے مسٹر گاندھی کو ان کا قائم مقام بنایا:

”سورس میں مسٹر شوکت علی اور مامتا گاندھی رونق افروز ہوئے اور ایک عام جلسہ منعقد کیا گیا جس میں شوکت علی صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے نازک وقت میں امام مہدی علیہ السلام نازل ہوں گے اور وہ تمام دنیا میں پیغام حق پہنچائیں گے مگر اس وقت ان کی جگہ امام گاندھی شریف لائے ہیں۔“ (۱۸۳)

قرآن پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا گیا ہے: ”لقد کذبنا انت مذکور“ (تو تم نصیحت سناؤ، تم تو یہی نصیحت سناؤ والے ہو۔“ (۱۸۴) لیکن یہ منصب مسٹر گاندھی کو عطا کر دیا گیا۔ مولوی عبدالماجد بدایونی نے جمعیت العلماء ہند دہلی کے جلسے میں فرمایا:

”خدا نے ان کو (گاندھی کو) تمہارے لئے ذکر بنا کر بھیجا ہے۔ قدرت نے ان کو سبق پڑھانے والا ذکر کر کے بھیجا ہے۔“ (۱۸۵) اسلام نے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت کا حکم دیا ہے (۱۸۶) اور اس کے بعد اولیاء کرام اور علماء امت سے بحیثیت وارث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راہنمائی حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی ہے لیکن خلافتی لیڈر مولانا محمد علی جوہر نے اس کے برعکس بعد از نبی توئی قصہ مختصر کا نعرہ لگاتے ہوئے فرمایا:

”میں یہ جانتا ہوں کہ رسول کے بعد میرے اوپر گاندھی جی کا حکم نافذ ہے۔“ (۱۸۷)

مذہب نبوت پر ایمان امت ہے، اس لئے کسی کو یہ جرات نہیں ہو سکتی کہ وہ خود یا کسی اور کی نبوت کا اعلان کر دے لیکن مسٹر گاندھی کو بالخصوص نبی تسلیم کر لیا گیا اور نہایت حسرت کے ساتھ کہا گیا کہ اگر کسی

مشرکین کی خوشامد

آل انڈیا کانگریس کے اجلاس منعقدہ امرتسر ۱۹۹۹ء میں مانیتھو جیسفورا اصلاحات کے نفاذ کے سلسلے میں گاندھی جی کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے مشر شوکت علی صاحب نے فرمایا:

"ہمک مبارج کو میں اپنا گرو مانتا ہوں" وہ اس لئے اچھا آدمی خیال کیا جاتا ہے کیونکہ سارا ہندوستان اس کی پیروی کرنے پر تیار ہے۔ ایک دنیا کو معلوم ہے کہ ہماری زبان اور ہم پر مرگئی ہوئی تھی۔ ہمارے ہندو بھائیوں نے ہم مسلمانوں سے جو ہمدردی کی ہے، اس کے متعلق میں فقط اس قدر کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک ہم مسلمان زندہ ہیں اور خدا اور رسول کو مانتے ہیں، ہندو بھائیوں کا احسان بھلا نہیں سکتے۔" (۱۹۸)

ایک لیڈر نے قریب تک گوہر افغانی کی کہ "زیانی ہے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کرو گے تو خدا کو راضی کرو گے۔" (نوروز باللہ من ذلک) (۱۹۹)

مولوی حبیب الرحمن دیوبندی نے اپنی تقریر میں کہا: "مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملہ میں بھی براہِ ران وطن نے ان کے ساتھ گہری ہمدردی کا اظہار کیا اور خلافت کے مسئلہ میں مسلمانوں کے دوش بدوش چلے۔" (۲۰۰)

متفق غیر شرعی حرکات

ایک پنڈت ساکن بلیا آج کل آرمہ میں آکر بہت زوروں کے ساتھ ہندو مسلمانوں کو ایک جامع کرنے کی پکڑ دیا کرتے ہیں۔ بعد ختم بیکر وہ پنڈت خود اپنے ہاتھ سے ہندو مسلمانوں کے ٹنگ دیتے ہیں، قبل ٹنگ دینے کے مسلمانوں سے دریافت کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کے ہاں خلافت تو نہیں؟۔ ایک روز پنڈت نے ہندو مسلمانوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ آج ہم اپنی رمان کا اور مسلمانوں کے قرآن اور انگریزوں کے بائبل کا یعنی تینوں کا پوجا کریں گے۔ اس کے انتظام و اہتمام کے لئے یہ تھا کہ ایک ڈول جس کو وہ "سکاسن" کہتے ہیں، اس کو بڑے ٹکلف کے ساتھ بار پھول سے بھرا کر اس کے اندر ایک طرف رمان، ایک طرف بائبل، چھ میں مسلمانوں سے قرآن مجید منگوا کر رکھا اور بڑے اہتمام کے ساتھ بچن گاتے، دھول و بھانجھ وغیرہ بجاتے اور اس میں مسلمان بھی شریک ہو کر شہر سے گھماتے، اپنے مندر کے اندر لے جا کر رکھا۔ جب ان مسلمانوں سے کہا گیا تو وہ اب دیا کہ اس میں حرج ہی کیا ہے؟ (۲۰۱)

"ہندوؤں کے ساتھ مولانا آبادی کے خصوصی تعلقات تھے۔ بہت سے ہندو ادیب اور شاعر ان کے شاگرد تھے۔ ہندو مسلم اتحاد انہیں مرغوب تھا اور وہ بھی اس حد تک کہ انہوں نے ایک بیٹے کا نام محمد پرکاش رکھ دیا جس پر بہت چہ بیگوئیاں ہوئیں کیونکہ عام مسلمانوں کو ایک فاضل

اس قدر اسلام کا مخالف تھا کہ اس نے مسلمانوں کو اسلام سے بدگشت کرنے اور انہیں ہندومت میں ضم کرنے کے لئے شدھی کی تحریک شروع کر دی تھی، اس کے اس اسلام دشمن اقدام کی وجہ سے ایک مسلمان مجاہد نے اسے واصل جہنم کر دیا۔

ابوالکلام آزاد کے اس فتوے کے دور رس نتائج برآمد ہوئے، ملک بھر میں ہندوؤں کے لئے مساجد کے دروازے کھول دیئے گئے، روزانہ مسجدوں میں جلسے منعقد ہونے لگے جن میں غیر مسلمین بکثرت شریک ہو کر تقریریں کرتے، حکیم ابشت محترم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی رقمطراز ہیں:

"گروہ علماء نے مشر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیر الدین امرتسر میں لا کر منبر رسول پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ "اے اللہ" تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔" (معاذ اللہ) (۲۰۲)

نواب شاہ سندھ میں ۲۳ جنوری ۱۹۳۰ء کو جمعہ کی نماز کے بعد مسئلہ خلافت کے متعلق ایک جلسہ ہوا، جلسہ میں دو ہزار مسلمان اور چند ہندو صاحبان بھی تھے۔ مسلمان "اللہ اکبر" اور "ہندے ماترم" کے جھنڈے لٹے ہوئے تھے، ہندو و مسلمان مسجد میں داخل ہوئے جہاں قرآن (پاک) کی آیات پڑھی گئیں۔" (۲۰۳)

گورکھپور ۷ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو مسلمان اپنی اپنی مسجدوں سے نکل کر جامع مسجد میں مجتمع ہو گئے، مجمع اس کثرت سے تھا کہ چھانک تک قی رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ گورکھپور کنڈ کے مسلمانوں نے دعا کے بعد ایک لاکھ بار درود شریف اور ایک ہزار بار استغفار کا ورد کیا اور سب ننگے سر اور پاؤں پر خم تھے۔ ایک کثیر تعداد میں ہندو بھائی بھی شریف لائے۔" (۲۰۴)

بارنہ (اسی روز) بنارس میں ہندو مسلمانوں نے مشترکہ طور پر یوم خلافت منایا، روزہ رکھا گیا اور دعا مانگی گئیں، جامع مسجد میں نماز کے بعد دعا مانگی گئی۔ ایک مسجد میں عظیم الشان جلسہ کیا گیا جس میں اہل ہندو بھی شریک تھے۔ تجاویز منظور ہوئیں اور ان کے اقوال و اسرار کو بھیجا جانا طے ہوا، ایک ہندو نوجوان نے تحریک خلافت میں ہندوؤں کی شرکت کا پرچوش یقین دلایا۔" (۲۰۵)

"ایک دفعہ شاہی مسجد مذکور (سیوا پور ضلع بیکور) میں بعد نماز جمعہ مولوی حسین احمد دیوبندی کی تقریر ہوئی، ہزار ہا ہندو مسلمانوں کا مجمع تھا۔" (۲۰۶)

پٹنک گھاٹ میں نماز جمعہ کے وقت تحفیتا ۱۵۰۰ ہندو مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوئے اور تقریر دعا میں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا۔" (۲۰۷)

مسجد قطب خانساں (شملہ) میں ۱۵ اگست ۱۹۳۰ء کو ہندو مسلم کا متحدہ جلسہ ہوا جس میں ہندو مسلم اتحاد پر مسلمانوں نے تقریریں کیں اور اس کی تائید میں ہندوؤں نے بھی زوردار تقریریں کیں (۲۰۸) جامع مسجد بنگلہاں ملڈانہ میں ہندو مسلمانوں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس کی صدارت پاندوگک وناٹھ نے فرمائی۔" (۲۰۹)

ہندوؤں کے ساتھ مل کر ملک کو آزاد کریں کیونکہ اس کے بغیر خلافت

کی آزادی ممکن نہیں۔" (۲۰۶)

ایک اور بات جو خلافتی لیڈروں کے حق میں نہیں باقی تھی وہ یہ کہ خود ترکی کے سلطان جنہیں وہ بحیثیت خلیفہ بحال کرنے کی جگہ و دو کر رہے تھے کی پوزیشن کافی کمزور تھی۔ یہاں ہم مولوی عبداللہ سندھی کے خیالات پیش کرتے ہیں جو اس موضوع پر حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں:

"اسلام کی بین الاقوامی تحریک کا یہ چوتھا دور تھا۔ اس دور میں زمام اقتدار کلیتاً غیر عرب مسلمان اقوام میں آگئی اور خود عرب قوم اور ان کا ملک تک عثمانی ترکوں کے ماتحت ہو گیا۔ ان مسلمان اقوام پر ان کے "قوی" بادشاہ ہی حکومت کرتے تھے۔ یہ ان معنوں میں تو جمہور کے نمائندے نہ تھے کہ ان کے عزل و نسب کا اختیار جمہور کو ہوتا ہے کہ یہ تہوار کے دور سے تخت و تاج کے مالک بننے تھے اور جو ان میں سے صالح ہوتا وہ البتہ جمہور کی مرضی کے مطابق حکومت کرتا تھا۔ آہستہ آہستہ حکمران بادشاہ جمہور سے دور ہوتے چلے گئے اور آخر کا "شاہیت" اپنے حاکموں کے لئے وبال جان بن گئی۔" (۲۰۷)

جناب پیام شاہجہانپوری رقمطراز ہیں: "جس عہد کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں خلافت کا تقدس ختم ہو چکا تھا اور خلیفہ مسلمانوں اور وہ بھی ترکی کے مسلمانوں کا محض سیاسی سربراہ تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ خود ترکی کے

انتہا پسندی کی حد ہو گئی تھی۔ تحریک خلافت و ترک موالات کے مخالفین معاشرتی پابنکات کیا کیا اور ان کے میزوں کو قبرستانوں میں دفن نہیں کرنے دیا گیا۔" (۲۰۸)

یہ اور ان جیسے دیگر غیر شرعی امور کو برداشت کرنے بلکہ عملی طور پر مراعات دینے کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ ایک نئے مذہب کی بنیاد ڈالنے کی حسوبہ بندی ہونے لگی۔ "مرکزی خلافت کمیٹی کے آنریری سیکرٹری مولانا شوکت علی نے خلافت کمیٹی کے جلسہ منعقدہ الہ آباد (۲ جون ۱۹۳۰ء) کی رپورٹ میں یہ الفاظ تحریر کئے جو اخبارات میں شائع ہوئے: "الہ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ ائمہ و مفاقت کی نئی اپہٹ کو ترقی دے گا بلکہ ایک نئے مذہب کو جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے اور پریاک یا عہم کو ایک مقدس علامت بناتا ہے۔" (۲۰۹)

تحریک خلافت

تحریک خلافت و ترک موالات چونکہ دونوں بیک وقت سرگامی کی قیادت میں چل رہی تھیں اس لئے ان میں اکثر باتیں مشترک ہیں جن کا ذکر گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ تاہم بعض باتوں کا علیحدہ ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ کوئی تصحیح پاتی نہ رہے۔ بیساک نام سے ظاہر ہے کہ اس تحریک کا مقصد ترکوں کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کا ازالہ اور بحالی خلافت تھا۔ یہ طبعہ بات ہے کہ غلط قیادت کی وجہ سے یہ اپنے ہدف سے ہٹ گئی اور ہندوؤں کی عدم دلچسپی کے باعث اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکل سکا۔

انگریز ایسی طرح جانتے تھے کہ ہندو خلافت کی بحالی کے لئے قربانیاں دینے کے حق میں نہیں ہیں اور تحریک ترک موالات کا آغاز بھی اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ہی قربانی کا بکرا بنا کر ان کا زیادہ سے زیادہ نقصان اڑایا جائے اور کوئی قائمہ بچنے کی توقع ہو تو وہ ہندو حاصل کر لیں۔ اس لئے حکومت وقت نے کسی موقع پر بھی معذرت خواہانہ رویہ اختیار نہیں کیا۔ یہ تو انہیں معلوم تھا کہ خلافت کے مطالبات پورے ملک کے باشندوں کے حقوق مطالبات نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ علی برادران نے ملک میں مذہبات متضاد کر دیئے۔ ان کے ساتھ ہندو لیڈر بھی خلافت فضا سے سڑ کرتے تھے اور غنائی ہمدردیاں بھی ظاہر کرتے رہے لیکن جب خلافت کا وفد اپنے مطالبات منوانے کے لئے یورپ گیا تو وہاں انگریز حکام نے کوئی توجہ دینے کی سہمت محسوس نہیں کی۔ یہ وفد اٹھ ماہ انگلینڈ میں مقیم رہا اور ۶۵ ہزار روپے خرچ کر کے اکتوبر ۱۹۳۰ء میں بے نخل مرام واپس آیا (۲۰۵) ہندو مسلمانوں کی فرائض بھی تھی کہ جب مسلمان انگریزوں سے بالکل مایوس ہو گئے تو بے بسی کے احساس کے پیش نظر یکے ہوتے چل کی طرح ہندوؤں کی جہول میں آکر ان کے اور ہوا بھی گئی۔ ہندوستان واپس پہنچے ہی ان کے مل جوہر نے مسلمانوں کو بدانت قربانی کی وجہ:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ

سکھوں اور کالجوں کی کتابیں اور کاپیاں
سامان شیشہری اور سامان ڈرائینگ
خریدیں فرمائیں

علامہ اقبال ڈو
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُهُ
۱۴۲ دھرم پورہ پل تہر لاہور

فون: ۳۳۳۷۰۲

ہمت سے عوام اس کی سیاسی سربراہی کو بھی پسند کرتے تھے۔ (۲۰۸)

جہاں تک تقدس کا تعلق ہے تو یہ کوئی راز کی بات نہیں رہی تھی، ثبوت کے طور پر یہ بات پیش کی جا سکتی ہے کہ: ”برطانیہ نے یاب عالی پر اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ خلافت عثمانی سے ۱۷۹۸ء میں اپنے سفیر متیم قطیفیہ کی وساطت سے سلطان سلیم ثالث سے ایک فرمان حاصل کیا جس میں سلطان شیخ کو مشورہ دیا گیا تھا کہ وہ برطانیہ کے ساتھ اپنی معاندانہ پالیسی ترک کر دے اور فرانس کو اپنا حریف خیال کرے کیونکہ فرانس اسلام کا دشمن ہے، انگریز نہیں ہیں“ اسی طرح برطانیہ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران سلطان عبدالحمید سے ایک فرمان کے ذریعہ مسلمانان ہند کو مشورہ دلایا تھا کہ وہ برطانیہ کے خلاف بغاوت ترک کر دیں کیونکہ وہ ہمارا حلیف ہے حالانکہ مسلمانان ہند نے اس وقت سلطان ترکی کے مشورے کو قبول نہیں کیا تھا۔“ (۲۰۹)

عرب عوام سلطان ترکی کے خلاف تھے، انہوں نے ترکی کے خلاف بغاوت کی اور نہ تو اپنے سلطان سے وفاداری کی کوئی پرواہ کی اور نہ ہی اسلامی بھائی چارے کی، جس کی وجہ سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو سخت اٹھانی پڑی کہ عرب عوام اپنے سلطان یا خلیفہ کی حکومت پر غیر مسلموں کی سرپرستی کو ترجیح دے رہے تھے۔ (۲۱۰)

ایک انگریز مصنف ولفرڈ ترکی کی اندرونی حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: ”جب ہندوستان میں خلافتی لیڈر اور ارکان ترکی کی مدد اور حمایت نظام کو برقرار رکھنے کی خاطر بھرپور جدوجہد کر رہے تھے“ اسی دوران خود ترکی بالکل دوسری جانب مصروف عمل تھی، یہ محسوس حقائق ہوں جن منظر عام پر آنے لگے، ہندوستانی مسلمان اپنے آپ کو اس سے ہم آہنگ کرنے میں وقت محسوس کر رہے تھے، بیشک یہ ایک تکلیف دہ عمل ہوتا ہے کہ خواہوں کی دنیا سے نکل کر حقائق کا سامنا کیا جائے۔ (۲۱۱)

۳ مارچ ۱۹۴۳ء کو مصطفیٰ کمال پاشا نے خلافت کا بھی خاتمہ کر دیا اور ترکی دیگر حکومتوں اور سلطنتوں کی طرح ایک دنیوی حکومت رہ گئی۔ اس واقعہ نے ہندوستان میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑا دی۔ (۲۱۲)

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جذبات ٹھنڈے پڑتے گئے اور آج ہمت کم لوگوں کو ان واقعات کا تھوڑا بہت علم ہے، اکثر لوگ اپنی مصروفیات کے باعث علمی باتوں سے واقفیت حاصل کرنے کو وقت کا ضیاع تصور کرتے ہیں۔

تحریک ہجرت

ہندوؤں کی عیاری

ہندوؤں کی دلی خواہش تھی کہ مسلمانوں کو انگریزوں سے ہٹا کر ان کی قوت پر ضرب کاری لگائی جائے، انہیں تعلیم حاصل کرنے سے روک کر ملازمتیں چھوڑنے کی رغبت دلانی جائے اور آخری حربہ کے

طور پر رضا کارانہ طور پر افغانستان ہجرت کرنے پر آمادہ کیا جائے، تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران ان ہی لائنوں پر کام کیا گیا، مولوی فیروز الدین صاحب مرحوم رقمطراز ہیں:

”مسلمان لیڈروں نے تحریک ہجرت شروع کر کے اپنی خفیف المرتبی کا جو ثبوت دیا، وہ نہایت دل شکن اور قابل افسوس ہے۔ ہزارہا مسلمان اپنے لیڈروں اور ساز و سامان اونے پونے بیچ کر افغانستان کی طرف چل اپنے گھریار اور ساز و سامان اونے پونے بیچ کر افغانستان کی طرف چل دیے اور پھر کشمیری کے بعد نقد و جس برباد کر کے واپس لوٹے، اس تحریک میں گاندھی صاحب نے مسلمانوں کی پیٹھ ٹھوکی تھی۔ اگر مسلمان جا کر واپس نہ آتے تو کم از کم اتنا فائدہ ہوتا کہ ان کی آبادی کم ہو جاتی مگر وہ بھی نہ ہوا اور سب سے بڑا تعجب یہ ہے کہ اکثر ہجرت کے بانی مہمانی میسر بیٹھے بیٹھے ملائی کا کام کرتے رہے کہ جو آیا“ اسے آگے کر دیا۔ (۲۱۳)

مولانا محمد علی جوہر نے واسرائل کے نام ایک خط میں لکھا تھا کہ ہم اپنی مسجدیں اور آباء و اجداد کی پڑیوں کو اپنے پیارے اور قابل احترام غیر مسلم ہم وطنوں کی تحویل میں دیں گے۔ یہ مقدس اماں شایان شان ہاتھوں میں محفوظ ہو گا۔ (۲۱۴)

اگرچہ ہندو بھی یہی چاہتے تھے لیکن مسلمانوں کو اس موقف پر ڈٹے رہنے کی خاطر کہا کرتے تھے کہ ہم بھی مسلمانوں کے شانہ بشان ہجرت کریں گے حالانکہ نہ تو کسی ہندو نے ہجرت کی نہ وہ اس حکم کے مخاطب تھے۔ مولانا محمد علی جوہر کا یہ بیان اسی ہندو ذہنیت کی نمائندگی کرتا ہے:

”مرقس میں میں نے کہا تھا کہ بھائیو! اب شکر ہے کہ ہم اپنی اپنی مسجدیں ہندو بھائیوں کے سپرد کر کے ہجرت کریں گے، اس پر میرے ایک ہندو دوست نے فرمایا: ”بھئی صاحب! مسجد کا قبضہ تو ہم نہیں لے سکتے۔ اگر ہندوستان کے مسلمان ہجرت کریں گے تو ہندو اس سے پہلے ہجرت کے لئے تیار ہیں۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کا ہی نہیں ہے بلکہ مسلمان و ہندو سب کا ہے۔“ (۲۱۵)

فتاویٰ

کہا جاتا ہے کہ ہجرت کا فتویٰ مولانا عبدالباری فرنگی مہلی نے دیا، مگر یہ صحیح نہیں، انہوں نے فرمایا تھا کہ ”ہم لوگ چونکہ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے ہیں، اس وجہ سے ہجرت کو فرض نہیں سمجھتے ہیں۔“ (۲۱۶) البتہ یہ فتویٰ ضرور دیا تھا کہ ”میں نے ہر مسلمان کو ہجرت کرنے کا حکم نہیں دیا، نہ کابل کے حالات ہی اجازت دیتے ہیں کہ بغیر کابل غور و خوض کے ہجرت کی جائے، مجھے ابھی ہجرت کی فرضیت کا یقین نہیں لہذا حقوق و فرائض کی بجا آوری اور والدین کی اجازت لازمی ہے۔“ (۲۱۷)

کرنل مرزا ہندی امرتسری تحریر فرماتے ہیں: ”مجھے معلوم ہوا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے نہایت مستعدی اور گرم جوشی سے ہجرت کی

چاہئے، جو لوگ ہجرت کریں گے پہلے ہجرت پر بیعت کر لیں۔" (۲۲۲)
بیعت کس سے کی جائے اس کے متعلق آزاد صاحب نے اپنے آپ کو پیش کرتے ہوئے لکھا:

"میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے، جس غالب حق کو مجھ پر اہتمام ہو، اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دے۔۔۔ بافضل طریق عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ توفیق عمل دے، وہ فوراً مجھے اپنے عزم سے مطلع کریں۔" (۲۲۵)
ابوالکلام آزاد کی اس صم پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب قاضی محمد عدیل عباسی راترطرا ہیں:

"اس طرح بیعت ہجرت بالواسطہ بیعت امامت تھی اور دونوں تحریکیں مولانا (ابوالکلام آزاد) ایک ساتھ چلا رہے تھے، مولانا کو اپنی ذات کی اہلیت پر اتنا اہتمام تھا کہ انہوں نے اہل الرائے کے مشورے کی ضرورت نہیں سمجھی اور براہ راست قوم سے بیعت لینا چاہتے تھے بلکہ امامت کے لئے بیعت لینے کی تو صم چلا رکھی تھی۔" (۲۲۶)

بعد میں ابوالکلام آزاد نے جو موقف اختیار کیا وہ بھی ایک الیہ سے کم نہیں، کرنل عزیز مرہندی امرتسری کا بیان ہے:

مجھے یہ سن کر روحانی صدمہ ہوا ہے کہ مولانا آزاد جیسی شخصیت نے ایک موقع پر اہتمام خیال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ تحریک ہجرت میں انگریزوں کا ہاتھ تھا، میں سمجھتا ہوں کہ ان کے خیالات میں یہ نتیجہ بد کی

تخلیج شروع کر رکھی ہے، میں نے اس تاثر فیضی پر خدا کا شکر ادا کیا۔ میں نے از راہ قلعہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا کہ اب تو آپ میرے ساتھ ہی ہجرت کریں گے؟ جس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ آگے جائیں، میں آپ کے پیچھے مہاجرین کے لشکر روانہ کرتا رہوں گا، یہ بات ذہن میں رہے کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے عملاً ہجرت نہیں کی تھی۔" (۲۱۸)

اس دور میں سرکاری سطح پر جو واقعات مرتب کر کے شائع کئے گئے تھے، ان میں موضوع زیر بحث کے متعلق لکھا ہے کہ:

(۱) ۳۱ اپریل ۱۹۲۸ء کو امرتسر میں مولوی عطاء اللہ (شاہ بخاری) نے کہا کہ اب جہاد ناممکن ہے لیکن امیر کے اعلان نے ہجرت کو کامل عمل بنا دیا۔ (۲۱۹)

(۲) ۲۸ اپریل کو مولوی داؤد نے افغانستان ہجرت کرنے کی ترغیب دی۔ ۲۸ مئی کو امرتسر میں مولوی عطاء اللہ (شاہ بخاری) نے نہ صرف خود ہجرت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا بلکہ کہا کہ وہ ایسا کرنے سے قبل تین یا چار انگریزوں کو جنگوں میں قتل کریں گے۔ (۲۲۰)

(۳) ۱۲ جون کو امرتسر میں مولوی داؤد نے قلعہ ہجرت پر روشنی ڈالی اور مہاجرین کو ہفتی اور آخری اجر و ثواب کی یقین دہانی کرائی۔ (۲۲۱)

(۴) ۱۳ اگست ۱۹۲۸ء کو ظفر علی خان نے ۳۰ ہزار سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اب حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کا وقت بھی ہے۔ انہیں ترک موالات کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے اور حکومت جہاد و برباد ہو جائے گی۔" ترکی کا معاہدہ کانٹہ کا ایک پیکار کلوا تھا، انہیں اب ہجرت کرنی چاہئے، سب نہیں بلکہ دولت مند، "ڈاکٹر"، انجینئرز اور معمار خاص کر ہوان اور طاقتور لوگ اور اس مقصد کے لئے رقم جمع کریں، اگر وہ ترک موالات میں ناکام رہے تو خود بخود کافر ہو جائیں گے۔ (۲۲۲)

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے امام المند بننے کی کوشش کی اور ہجرت کرنے والوں کو پراپت کی کہ وہ جانے سے قبل اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، یہ طبعہ بات ہے کہ مطلوبہ فوائض پوری نہ ہونے کی وجہ سے وہ نیکو سیاست کے سیلاب بن گئے اور یہی شعل زندگی کی آخری سانس تک قائم رہا۔ آزاد صاحب نے فتویٰ دیا کہ:

"تمام دلائل شرعہ، حالات حاضرہ، مصالح مہامت اور مقتضیات و مصالح پر نظر ڈالنے کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو گیا ہوں کہ مسلمان ہند کے لئے ہجرت کوئی چارہ شرعی نہیں ہے۔ ان تمام مسلمانوں کے لئے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اسلامی عمل انجام دینا چاہیں، ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔" (۲۲۳)
آگے چل کر فرماتے ہیں:

"اُمال ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنہ بیعت نے ہمارے لئے چھوڑا ہے، وہ یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیعت ہے، بغیر بیعت ہجرت نہیں کرنی

نعیم مشنری سٹور



بالمقابل گورنمنٹ سکیولر

۹۹۔ ریلوے روڈ لاہور

چیف ایگزیکٹو

نعیم قیصر قریشی

چاہئے، جو لوگ ہجرت کریں گے پہلے ہجرت پر بیت کر لیں۔" (۲۲۲)
بیت کس سے کی جائے؟ اس کے متعلق آزاد صاحب نے اپنے آپ کو
چس چس کرتے ہوئے لکھا:

"میں نے آخری فیصلہ کر لیا ہے، جس طالب حق کو مجھ پر اجماع ہو، اللہ
کی راہ میں میرا ساتھ دے۔۔۔ بائبل طریق عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو
اللہ توفیق عمل دے، وہ فوراً مجھے اپنے غزم سے مطلع کریں۔" (۲۲۵)
ابوالکلام آزاد کی اس مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب قاضی محمد عدیل
حماسی رقمطراز ہیں:

"اس طرح بیت ہجرت باواسطہ بیت امامت حقی اور دونوں تحریکیں
مولانا (ابوالکلام آزاد) ایک ساتھ چلا رہے تھے، مولانا کو اپنی ذات کی اہمیت
پر اتنا اجماع تھا کہ انہوں نے اہل الرائے کے مشورے کی ضرورت نہیں
سمجھی اور براہ راست قوم سے بیت لینا چاہتے تھے بلکہ امامت کے لئے بیت
لینے کی تو مہم چلا رکھی تھی۔" (۲۲۷)

بعد میں ابوالکلام آزاد نے جو موقف اختیار کیا وہ بھی ایک الیہ سے کم
نہیں، کرنل عزیز سہندی امرتسری کا بیان ہے:

مجھے یہ سن کر دوجانی صدمہ ہوا ہے کہ مولانا آزاد عینی شخصیت نے
ایک موقع پر اجماع خیال کرتے ہوئے یہ کہا ہے کہ تحریک ہجرت میں
انگریزوں کا ہاتھ تھا، میں سمجھتا ہوں کہ ان کے خیالات میں یہ نتیجہ بعد کی

تخلیف شروع کر رکھی ہے، میں نے اس سٹیج فیٹی پر خدا کا شکر ادا کیا۔
میں نے از راہ قلعن مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے پوچھا کہ اب
تو آپ میرے ساتھ ہی ہجرت کریں گے؟ جس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ
آگے جائیں، میں آپ کے پیچھے مہاجرین کے لشکر روانہ کرتا رہوں گا، یہ
بات ذہن میں رہے کہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے عملاً ہجرت نہیں
کی تھی۔" (۲۱۸)

اس دور میں سرکاری سطح پر جو واقعات مرتب کر کے شائع کئے گئے تھے،
ان میں موضوع زیر بحث کے متعلق لکھا ہے کہ:

(۱) ۲۳ اپریل ۱۹۲۰ء کو امرتسر میں مولوی عطاء اللہ (شاہ بخاری) نے کہا کہ
اب جہاد ناممکن ہے لیکن امیر کے اعلان نے ہجرت کو قابل عمل بنا دیا۔
(۲۱۹)

(۲) ۷ مارچ کو مولوی داؤد نے افغانستان ہجرت کرنے کی ترغیب دی۔
۲۸ مئی کو امرتسر میں مولوی عطاء اللہ (شاہ بخاری) نے نہ صرف خود ہجرت
کرنے کا ارادہ ظاہر کیا بلکہ کہا کہ وہ ایسا کرنے سے قبل تین یا چار انگریزوں
کو جنگوں میں قتل کریں گے۔ (۲۲۰)

(۳) مارچ ۱۹۲۰ء کو امرتسر میں مولوی داؤد نے قلعہ ہجرت پر روشنی ڈالی اور
مہاجرین کو ریشمی اور آخری اجر و ثواب کی یقین دہانی کرائی۔ (۲۲۱)

(۴) ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء کو مظفر علی خان نے ۳۰ ہزار سامعین کو مخاطب کرتے
ہوئے کہا: "اب حضرت ممدی علیہ السلام کے ظہور کا وقت بھی ہے۔ انہیں
ترک موالات کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے اور حکومت تیار و
برباد ہو جائے گی۔ برقی کا معاہدہ کانٹہ کا ایک پیکار نکلا تھا، انہیں اب
ہجرت کرنی چاہئے، سب نہیں بلکہ دولت مند، دانشور اور معمار خاص
کر ہوان اور طاقتور لوگ اور اس مقصد کے لئے رقم جمع کریں، اگر وہ ترک
موالات میں قائم رہے تو خود بخود کانٹہ ہو جائیں گے۔" (۲۲۲)

اس موقع سے قائمہ اٹھاتے ہوئے ابوالکلام آزاد نے امام اللہ بننے کی
کوشش کی اور ہجرت کرنے والوں کو پراپت کی کہ وہ جانے سے قبل اس
کے ہاتھ پر بیت کریں، یہ علیحدہ بات ہے کہ مطلوب خواہش پوری نہ ہونے
کی وجہ سے وہ سیکولر سیاست کے مبلغ بن گئے اور یہی شعل زندگی کی آخری
سانس تک قائم رہا۔ آزاد صاحب نے قوی دیا کہ:

"تمام دلائل شرعیہ، حالات حاضرہ، مصالح و مصلحت اور مقتضیات و
مصلحت پر غور و امل کے بعد پوری بصیرت کے ساتھ اس اعتقاد پر مطمئن ہو
گیا ہوں کہ مسلمان ہند کے لئے ہجرت کوئی چارہ شرعی نہیں ہے۔ ان
تمام مسلمانوں کے لئے جو اس وقت ہندوستان میں سب سے بڑا اسلامی عمل
اتحاد دینا چاہیں، ضروری ہے کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کر جائیں۔" (۲۲۳)

آگے چل کر فرماتے ہیں:
"مال ہجرت کا جو نمونہ اسوۂ حسنہ نبوت نے ہمارے لئے چھوڑا ہے، وہ
یہ ہے کہ ہجرت سے مقدم ہجرت کی بیت ہے، بغیر بیت ہجرت نہیں کرنی

نعیم مشنری سٹور



بالمقابل گورنمنٹ ٹیکنالوجی

۹۹۔ ریلوے روڈ لاہور

چیف ایگزیکٹو

نعیم قیصر قریشی

اس کو زمین اور مکان اور نوکری حسب لیاقت دی جائے گی تو اعلیٰ حضرت نے اعلان کر دیا، لوگ آنا شروع ہو گئے اور انگریزوں کا دماغ پریشان ہو گیا۔" (۲۲۶)

مسلمانوں کی ہجرت سے انگریزوں کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑا بلکہ واپس آنے والوں کی دلجوئی کر کے قاعدہ میں رہے کسی خارجی کارروائی کا بھی خطرہ نہیں تھا، اس لئے کہ گاندھی فلسفہ عدم تشدد پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے افغانستان میں گورلا تربیت حاصل کر کے انگریزوں سے لڑنا پروگرام میں شامل نہیں تھا، جہاں تک بغیر منصوبہ بندی کے کسی سربراہ مملکت سے اعلان کروا دینے کا تعلق ہے تو یہ بھی دور اندیشی کی بات نہیں تھی، زمینیں اور ملازمتیں دلوانے کا لالچ دے کر تو مسلمانوں کو ہجرت کرنے پر آمادہ کر لیا گیا لیکن ابتدائی انتظامات کی جانب کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ جناب غفر حسن ایک نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

"افغانستان میں جتنی کوتاہ اندیشی ہوئی، اتنی ہی بدانتظامی ہندوستان میں ظہور پذیر ہوئی، کسی کو اس کا خیال تک نہ آیا کہ امیر کابل کو خط لکھ کر آیا آوی بھیج کر معلوم کریں کہ ان مہاجروں کی پذیرائی اور ان کے بسنے کے لئے کیا انتظامات کئے گئے، نہ ہی کسی کے حوصلے میں یہ بات آئی کہ ان مہاجروں کو چھوٹے چھوٹے قافلے کی شکل میں اور چند چند روڈ کے قافلے سے بھیجا جائے تاکہ ایک قافلہ کے رہنے کا اچھی طرح انتظام ہو جائے، پھر دوسرا قافلہ روانہ کیا جائے، ہجرت کے فزنی کے بعد سادہ لوح مسلمانوں نے اپنے گھر اور کھیت، توہے داموں پر بیچ دیے اور نتیجہ و غایت کو سوچے بغیر افغانستان کی طرف روانہ ہو گئے۔" (۲۲۷)

"اول سب سے مندرجہ کے مہاجرین کی پیشکش اور پھر بغاوت کی پیشکش (ترغیب) پشاور کو جانے لگیں، ان میں ہندو (۲۲۸)، مسلمان، سکھ (۲۲۹) سب ہی شامل تھے۔ پشاور سے کابل تک آوی ہی آوی نظر آتا تھا۔ بسے بڑے کاریگر اور تعلیم یافتہ لوگ بلکہ یوں کہو کہ ہندوستان اپنے بیکریاؤں کو کابل کی طرف پیشک رہا تھا، یہاں تک ہوا کہ سات لاکھ آوی ہندوستانی کابل میں جمع ہو گئے اور ابھی آمدورفت جاری تھی۔ جو روٹی کابل میں وہ پیسے میں بکتی تھی، اب ایک روپیہ سے زیادہ میں بکتے تھے اور قند سالی کے آثار نمودار ہو گئے۔ امان اللہ خان نے اس پر تمام مہاجرین کو واپسی کا حکم دے دیا۔" (۲۳۵)

تباہی و بربادی

ہجرت کے باعث کس قدر تباہی و بربادی ہوئی، یہ محتاج بیان نہیں، بات یہ ہے کہ اس سے تحریک خلافت کو بھی کوئی فائدہ نہ پہنچا بلکہ ضعف کے آثار نمایاں طور پر نظر آنے لگے، کسی پرچے تھکے اور ذہین مسلمان واپس آنے کے بجائے روس چلے گئے، یہاں اگرچہ انہیں مالی فائدہ تو ہوا لیکن مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے اور واپسی پر سوشلسٹ تحریک کے بہتر

پیداوار ہے اور اس وقت کی ہے جبکہ وہ ہندو کانگریس کے ہاتھوں بری طرح مسموم ہو چکے تھے۔" (۲۲۷)

نیشنلسٹ مورخ قاضی محمد عدیل عباسی بھی ابوالکلام آزاد کی تبدیل شدہ سوچ کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انگریزوں نے" اپنی عمارتوں کو کام میں لا کر اپنے کمرے چھوڑ دیئے جو لوگوں کو اپنی ہجرت کے فتوے دکھاتے اور شرعی حکم کے دعوے کی جانب متوجہ کر کے ہجرت کی تسخیر کرتے تھے، یہ بھی سبز باغ دکھاتے تھے کہ وہاں پہنچنے ہی تم کو ہر طرح کی راحت ملے گی اور تم مالدار ہو جاؤ گے، چین کی زندگی گزارو گے۔" (۲۲۸)

مولوی احمد علی لاہوری کی سوانح حیات کے مرتب کا رجحان بالکل اس کے برعکس ہے، ان کا خیال ہے کہ ہجرت سے منع کرنے والے لوگ انگریزوں کے ہاتھ کیے ہوئے تھے:

"تحریک خلافت زوروں پر تھی، انگریزوں کے خلاف شدید نفرت و نفارت کے جذبات مشتعل ہو چکے تھے اور معاملہ یہاں تک آگیا تھا کہ غیور مسلمانوں کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ انگریزوں کی غلامی میں ایک دن بھی سرزمین ہند میں بسر کریں، ہجرت کا فیصلہ ہوا اور ہجرت کرنے والوں میں حضرت مولانا (احمد علی لاہوری) بھی تھے۔"

اور انگریزوں کے ذریعہ مسلمانوں نے دوسرے انگیزیاں کیں اور کہا کہ یہ لوگ ہندوؤں کے لئے سب کچھ چھوڑ گئے ہیں، یہ ہندوؤں کی چال ہے، انگریزوں کے یہ جاسوس، "سمر" اور "خان مبارک" انگریزوں کے کسی ظلم کو ظلم نہ کہتے تھے لیکن آزادی کی غولوں میں رنڈ ڈالنے کے لئے ذرا ذرا سی بات کو کفر اور طغیان کہہ کر مسلمانوں کو جنگ آزادی سے روکتے تھے۔" (۲۲۹)

پھٹانے کے حربے

شرعی ضروریات بیان کرنے کے ساتھ ساتھ، پختلین ہجرت نے غیر شرعی جھگڑوں سے بھی گریز نہیں کیا، اگرچہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ افغانستان جیسا چھوٹا اور پسماندہ ملک کثیر تعداد میں مہاجرین کی دیکھ بھال کرنے کے قائل نہیں ہو گا، نیز اس میں اتنی سکت بھی نہیں کہ انگریزوں کا سیاسی دباؤ برداشت کر سکے، اس کے باوجود انہوں نے سادہ لوح اور غریب مسلمانوں میں یہ بات پھیلا دی تھی کہ افغان حکمران زرخیز زمینوں کا قصد لئے ان کے استقبال کے لئے خطرہ ہے۔" (۲۳۰) مولوی عبداللہ لغاری اسی سے ملتے جلتے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب امرتسر میں کانگریس کا اجلاس ہوا تو مولانا محمد علی نے فرمایا کہ اگر برطانیہ بری کو آزاد نہ کر دے گی تو ہم ہندوستان سے باہر نکل جائیں گے اور ہجرت کر کے دوسرے ملکوں میں بیٹھ کر برطانیہ سے جنگ کرتے رہیں گے، مولانا (عبداللہ) سندھی نے اس وقت اعلیٰ حضرت امان اللہ خان سے کہا کہ اعلان کر دو کہ جو شخص ہندوستان سے ہجرت کر کے افغانستان میں آئے گا،

اپنے بچوں کو آنسوؤں بھری آنکھوں اور لرزتے ہاتھوں سے نصحت کر رہے تھے۔ ہر طرف عورتوں کی آہ و بکا اور بچوں کی گریہ و زاری سے ایک کھراں چاٹھا، جدھر دیکھو، لوگ جانے کی تیاریوں میں منہمک نظر آتے۔" (۲۳۰)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"مہاجرین کا بے پناہ جھم مذی دل کی طرح کھیتوں اور میدانوں میں کھلے آسمان کے نیچے پڑے پڑے بھوک اور پیاس سے دم توڑنے لگا، عورتیں، بچے اور نوجوان ایک ٹکاس پانی اور ایک ٹکڑا روٹی کے لئے اپنی عزت، ناموس اور عصمت تک بیچنے پر مجبور ہو گئے، اب نہ تو وہ آگے جانے کے قابل تھے نہ پیچھے لوٹنے کی سکت تھی۔" (۲۳۱)

چابی و بربادی سے دوچار کرنے والی اس غیر ضروری اور غیر شرعی ہجرت کے محرک تقسیم ہند کے وقت پاکستان آنے والے مہاجرین کو کیا سبق دے رہے تھے؟ وہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کی زبانی سنئے:

"جمعیت العلماء ہند کے قدام ارکان اور حضرت شیخ الاسلام (مولوی حسین احمد دہلوی) نے ہجرت کے مقدس نام پر (ہندوستان سے پاکستان کی جانب) ہزدلانہ قرار کے مقابلے میں بہادرانہ موت کو ترجیح دینے کی تلقین کی۔" (۲۳۲)

آخر میں ہجرت کرنے کے بعد ہندوستان واپس آنے والے مسلمانوں کے متعلق جناب اللہ بخش، یو سی کا بیان ملاحظہ ہو:

کارکن بن گئے۔" (۲۳۳) جہاں تک مہاجرین کی پریشانیوں اور اقتصادی بد حالی کا شکار ہونے کا تعلق ہے تو یہ داستان بھی بڑی المناک اور سبق آموز ہے۔

جناب ظفر حسن ایک لکھتے ہیں:

"قافلے بے در پے جلال آباد اور دہلی سے کابل پہنچے گئے۔ شروع میں ان کو عیموں میں چمن خسروی میں جگہ دی گئی لیکن ان سب کے لئے کابل اطمینان انتظام نامکن تھا۔ بے چاری پرہہ پوش عورتیں دہلی سخت مشکلات میں مبتلا ہوئیں۔ بعض بد اخلاق کالپوں نے ان پر خشن انداز میں بھی کی، بعض لوگوں نے تو روٹی اور کھانا خریدنے کے لئے اپنا اثاثہ الیبت بھی فروخت کرنا شروع کیا جس کو کالپوں نے آدھے دام بھی نہ لیا۔ ان لوگوں کا قاری زبان سے بے بہرہ ہوتا، ان کی بے مائیگی پر دلس اور وفادار دوستوں کا فقدان، یہ سب ایسا مصیبتیں تھیں جن کو صرف وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے ان کو خود دیکھا ہو اور ان کا سامنا کیا ہو۔" (۲۳۴)

سید فضل احمد منگھوری نے "سلام" عنایت اللہ شرقی کا یہ بیان نقل کیا ہے:

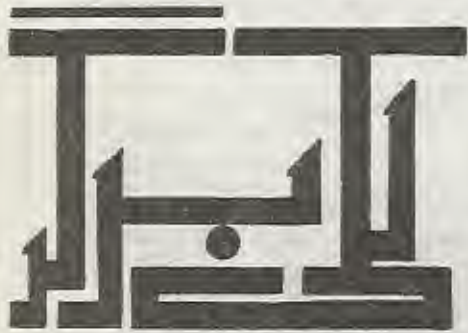
اپنا الو سیدھا کرنے والوں اور باقی تمام دنیا کو الونانے والے ملائوں کی ہلاکت تمیز تعلیم کے اثر کو دور کرنے کے لئے میں نے ۱۹۳۰ء میں جبکہ یہ لوگ کاکھلیں کی ملی بھگت سے قوم کا پچھتر لاکھ روپیہ بے وقار ہضم کر گئے اور پچیس ہزار مسلمانوں کو ہجرت میں دھکیل کر ہندوستان میں گاڑ دیا۔ لگاتے اپنی موبچیں پونچھ رہے تھے۔" (۲۳۵)

چودھری سرور محمد خان صاحب تصانیات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ترک موالات کے پروگرام کے ساتھ ساتھ ہمت سے مسلمانوں نے جن میں مولانا آزاد بھی شامل تھے، یہ طے کیا کہ مسلمان ہندوستان سے افغانستان ہجرت کر جائیں۔ سندھ اور سرحدی صوبوں میں اس بیہودہ سکیم نے اتنا زور پکڑا کہ اتحاد ہزار سے بھی زیادہ مسلمان اپنے گھر بار، کاروبار کو خیر باد کہہ کر افغانستان کی طرف چل پڑے مگر افغانوں نے جیسی کہ توقع تھی، مہاجرین کو اپنے ملک میں داخل ہونے سے روک دیا، چنانچہ یہ قافلہ پھر ہندوستان کی طرف لوٹا اور اس بیہودہ صم میں مسلمانوں کا جو بھی مالی اور جانی نقصان ہوا، وہ دین سے واپس ہے۔" (۲۳۶)

صوبہ سرحد کے مسلمانوں کی پریشانیوں اور تباہی و بربادی کی دردناک داستان جناب فارغ بخاری نے ان الفاظ میں بیان کی ہے:

"علمائے کرام اور رہنمایان عظام نے قرآن اور حدیث کے حوالے سے دے کر لوگوں کو ترک وطن پر آمادہ کیا۔ صوبے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک گویا ایک قیامت صغریٰ چلا گئی۔ صوبوں کے آباد گھراڑ رہے تھے۔ مال و متاع کو زبوں کے مول نلام ہو رہے تھے، جائیدادیں بیچی جا رہی تھیں، کمزری فصلیں جلائی جا رہی تھیں، باپ بیٹوں سے اور بیٹے ماؤں سے جدا ہو رہے تھے۔ جوان بیٹیوں کی شادیوں میں والدین اتنی بھگت برت رہے تھے کہ بغیر جانے بوجھے، دیکھے بھالے ہو نوجوان سامنے آتا، نکاح پڑھا کر اس کے پلے پاندھ دیتے۔ جو بوڑھے والدین، سر کے قائل نہ تھے وہ



تازہ خستہ اور لذیذ سادہ، چکن، آلیٹ
برگر اور شامی کباب

ڈے بلڈنگ C-11-H لاہور چھاؤنی
پیر در ایئر۔ محلہ شریفیہ

”جو افغانستان میں مقیم ہو گئے یا آگے نکل گئے، ان پر جو گزری ہو گزری اور جو تباہ حال واپس لوٹے، ان کے خلاف ”کفر“ کے فتوے گئے۔“
بکثرت سے واپس لوٹنے والوں کو مسلمان نہ سمجھا گیا، ان سے معاشرتی بائیکاٹ کا اعلان ہوا اور کافی دنوں تک یہ فتوے پاڑی اور ہنگامہ آرائی جاری رہی۔“ (۲۳۲)

ہندوؤں کا رویہ

تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران مسلمان واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور موافق و مخالف نہ صرف ان تحریکوں کے دوران بلکہ اب تک دست و گریباں ہیں لیکن ہندو بڑی ہوشیار قوم ہے، وہ اپنی قوت کو انہیں میں بڑا کر ضائع نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان تحریکوں کے دوران جو ہندو مخالف یکپ میں تھے، یہ مقابلہ فریق نے کبھی ان کی سرزنش نہیں کی، علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کتنے پتہ کی بات فرمائی تھی:

”اقبوس ہے مسلمان سیاسی اعتبار سے بیشہ غیر منظم رہے، ان میں کوئی اعتدال پسند فریق قائم نہ ہو سکا جس میں ان حضرات کا فی الواقعہ شمار ہوتا۔“
ہندو البتہ کہیں زیادہ منظم ہیں، ان کے یہاں بھی ایک اعتدال پسند فریق موجود ہے لیکن کوئی نہیں جو اسے غلامی اور وقاداری کا طعن دے یا اس پر خود غرضی اور مفاد پسندی کا الزام رکھے۔“ (۲۳۳)

اسی حقیقت کا اظہار مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا تھا:

”ہندوؤں میں بھی فرقتے ہیں، ان میں کوآریٹر بھی ہیں، حکام رس، گورنمنٹ کے خطاب یافتہ اور کونسل کے ممبر بھی ہیں، ہندوؤں نے ان سے جنگ نہ کی نہ ان کو سب و سم کیا نہ ان کے ساتھ وہ طرز عمل اختیار کیا جو تارے لیڈروں اور (خلافت) کمیٹی کے مولویوں اور جمعیت العلماء کے اراکین نے کیا۔“ (۲۳۴)

ہندو ہر اس کام سے کتراتے تھے جس سے انہیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ تا ۲۸ جولائی ۱۹۳۰ء کے ایک خط میں مولوی مسعود علی ندوی رقمطراز ہیں:

”ترک موالات کا مسئلہ امت ہے اور چونکہ کانگریس کمیٹی نے ابھی اپنا فیصلہ نہیں کیا ہے، اس لئے ہندو حضرات متذبذب میں ہیں، انھما مسلمانوں کا وکالت چھوڑنا بہت دشوار ہے۔“ (۲۳۵)

جناب اقبال شیدائی نے لاہور سے ایک خط کے ذریعے اطلاع دی تھی کہ:

”ہندو کہتے ہیں کہ وہ کانگریسوں سے تعلقات قطع کرنے کے ریویویشن میں شریک نہیں ہو سکتے، میان فضل حسین اور ڈاکٹر اقبال بھی گریز کرتے ہیں۔“ (۲۳۶)

ہندوؤں کو خلافت کی بحالی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اگرچہ وہ اپنے لیڈروں کے کہنے پر بظاہر ہمدردی بھی ظاہر کر دیتے لیکن در پردہ وہ ان راہنماؤں کا مذاق اڑایا کرتے تھے:

”دلی کی خلافت کانفرنس میں گاندھی نے اس بات پر زور دیا کہ خلافت کے تحفظ کے لئے کانگریسوں کے خلاف جدوجہد کی جائے، اس کا

مطلب یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس معاملے پر وہ کانفرنس کے مسلمان شرکاء کے مقابلے میں کانگریسوں کے کہیں زیادہ مخالف ہیں، اس پر نئی محفوضوں میں گاندھی کے دوستوں اور قریبی ساتھیوں نے اس کا خاصا مذاق بھی اڑایا، اس بات کا اندازہ شاید دلہ بھائی بیٹل کے ان الفاظ سے ہو سکے جو انہوں نے گاندھی کے سیکرٹری اندو لال بیٹلک سے کہے تھے: ”ذرا سوچئے تو ایسے وقت میں جبکہ ہم خود اپنے ملک میں کانگریسوں کی سکیڈوں کے زیر سایہ غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، عرب اور فلسطین کے عربوں، شام اور یمنیوں پر غاصب کی آزادی کے لئے کیسے جدوجہد کر سکتے ہیں؟ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہو گی؟“ اندو لال نے اس کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے: ”ان اجتماعات میں ایک ایسے بے کار شخص اور عیاشی سلطان کی سیاسی اور مذہبی آزادی بحال کرنے کے لئے حلق کا پورا زور لگایا جاتا جس کے خلاف کانگریز تو تھے ہی، خود اس کی اپنی رعایا نے بھی بغاوت کر دی تھی۔“ (۲۳۸)

سوائی شرجانند کو اس بات کا ڈر تھا کہ تحریک خلافت اگرچہ کانگریسوں کے خلاف شروع ہوئی تھی لیکن اس کا رخ کسی وقت بھی ہندوؤں کی جانب مڑ سکتا ہے، وہ لکھتا ہے:

”میں نے مامتا گاندھی کی قوج ایک اور اہم نکتہ کی جانب مبذول کرانی جبکہ ایک رات ٹاکیو کی خلافت کانفرنس میں ہم دونوں اکٹھے تھے۔ اس موقع پر علامہ نے قرآن کی جن آیات کی تلاوت کی ان میں بکثرت تباد اور کانفرنس کو قتل کرنے کے حوالے تھے لیکن جب میں نے اسے تحریک خلافت کے اس رخ پر غور کرنے کو کہا تو مامتا جی مسکرائے اور کہا کہ: ”وہ برطانوی یورو کریسی کی جانب اشارہ کر رہے ہیں،“ جواب میں میں نے کہا کہ یہ سب عدم تشدد کے نظریہ کو پامال کرنے والا ہے اور جب جذبات بدلیں گے تو مسلمان علامہ یہ آیات ہندوؤں کے خلاف استعمال کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔“ (۲۳۹)

جنگ عظیم اول کے خاتمہ پر مسلمان مایوسی کا شکار تھے، اس لئے کہ کسی اسلامی ممالک یورپ کی مسکئی طاقتوں کی جوج الارض کا شکار ہو گئیں جبکہ کانگریسی ہندو لیڈروں کا رد عمل مایوس کن تھا، تحریک خلافت کی ذہنی حمایت کرنے کے باوجود وہ مسلمانوں کی تباہی پر پھولے نہیں مارتے تھے۔ عدم تشدد کانگریس ہنڈت مان موہن مالویہ نے اپنے خطبہ مدارت میں جنگ عظیم اول کے متعلق ان جذبات کا اظہار کیا:

”حضرات و خواتین! آپ لوگ بوہر مذہب کے ہیں اور سب ایک مذہب کی مختلف شاخوں کے ساتھ عبارت کرتے ہیں، آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ سب اس خدا کا شکر ادا کریں کہ اس جنگ کا انجام بہت اچھا ہوا اور پھر آپ کی اور اپنی طرف سے میرا فرض ہے کہ وقادارانہ مبارک باد کے معظم کی خدمت میں پیش کروں کہ جنگ اچھے طریقے سے ختم ہو گئی، یہ ہندوستانیوں کے لئے خاص طور پر قابل اطمینان ہے کہ جبکہ تمام ظالم باد

سے کرایا کرتا ہے۔" (۲۳۳)

ایک اور بات جو اس مضمون میں میاں صاحب نے لکھی ہے، اس کا اگرچہ تحریک خلافت سے تعلق نہیں ہے لیکن دیکھاؤ پر لانا فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ: "عرب عربوں کے لئے ہے جب یہ سنی شریف حسین نے برطانیہ کو سنا چاہا تو اس کو نکال کر ابن سعود کو حجاز پر قابض کر دیا گیا۔" (۲۳۴)

آخر میں مولوی ابوالحسن علی مدنی کی رائے پر یہ قارئین ہیں:
"اگر پوچھا جائے کہ عالم اسلام کے لئے آخر صدیوں کی طویل تاریخ میں مخصوص ترین دن کون سا تھا؟ تو ایک باخبر اور حقیقت پسند مورخ اس کے سوا کوئی جواب نہیں دے سکتا کہ وہ مارچ ۱۹۲۳ء کی تاریخ تھی جب قسطنطنیہ کی مجلس وطنی نے الفائق خلافت کا فیصلہ کیا اور مقامات مقدسہ ہی نہیں مسلمانوں کی عزت و اہدو کا وہ مضبوط حصار ٹوٹ گیا جس کو ترکوں نے اپنی قربانوں، فوجی طاقت اور خلافت کے مقدس نام سے تعمیر کیا تھا۔
یہ فیصلہ مغربی طاقتوں بالخصوص برطانیہ کے اشارے بلکہ اصرار سے عمل میں آیا۔" (۲۳۵)

تحریک ترک موالات کی بندش پر رد عمل

جناب محمد امین زہری تحریر فرماتے ہیں: "کانگریس کا ایک نہایت بااثر صدر ابتدا سے ترک موالات کا مخالف تھا اور اس کے خلاف اپنا اثر استعمال کرتا رہتا تھا۔ فروری ۱۹۲۲ء میں پورا پوری واقعہ صوبہ متحدہ میں عوام کے مشتعل ہجوم سے پولیس کا تعاون ہوا۔ قائد جلا دیا گیا اور چند سپاہی مارے گئے۔ اب کانگریس کو ایک نادر موقع ہاتھ آ گیا۔ ہر طرف سے گاندھی جی پر اس تحریک کو ختم کرنے پر زور دیا گیا اور سات دن کے اندر یعنی ۱۳ فروری (۱۹۲۲ء) کو پارلیمانی کانگریس کی مجلس عاملہ نے خاتمہ کر دیا۔ ساتھ ہی خلافت (کانگریس) اور جمعیت العلماء نے بھی (اپنے فوجی) ترک موالات کو بلائے طاق رکھ کر خاشیہ ہندوؤں کی طرح اس کو قبول کر لیا اور اب تمام جملے بلبوس بند اور تمام پروگرام ختم ہو گئے۔ اس وقت علی برادران مولانا ابوالکلام آزاد اور دیگر زعماء اسلام قید و بند میں تھے، جب ان کو یہ اطلاع ملی تو وہ نہایت مضطرب ہوئے اور انہوں نے تحریک کے رجسٹرار کو خطوط لکھے۔ یہ خطوط جب ۲۳ فروری ۱۹۲۲ء کو گاندھی جی کے سامنے پیش ہوئے تو ان کا صرف یہ جواب تھا کہ:

"وہ لوگ جیل میں ہیں، وہ سول مشیت سے مراد ہیں اور ان کو کوئی حق نہیں کہ وہ باہر والوں کو مشورہ دیں۔" (۲۳۶)
پہلے جواہر لال نہرو کے سوانح نگار نے مسٹر گاندھی کی تائید کرتے ہوئے کہا:

"در اصل ایک حقیقی خلعہ موجود تھا کہ کانگریس کی صف میں ٹاپندہ

ترکی کی جی مقبول حکومت پر اعتماد احماد کیا اور ان کے مقرر کردہ بے اختیار خلیفہ کو تسلیم کر لیا۔" (۲۵۸)

بالآخر ترکوں نے خود خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا جس پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے کہا:

"اگر میں کوئی فیصلہ دیتا اور مجھے فیصلہ کا علم دیا گیا ہوتا اور میں جانتا کہ تحریک خلافت کا یہ انجام ہو گا، تب بھی میں خلافت کی تحریک میں اسی اہتمام سے حصہ لیتا، خلافت کی یہ تحریک ہے جس نے قوم کو بیداری عطا کی، اب میں پھر اسے سونے نہ دوں گا۔" (۲۵۹)

مولوی محمد سجاد نے جمعیت العلماء ہند کے اجلاس جنوری ۱۹۲۵ء میں تقریر کرتے ہوئے اپنے جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"گذشتہ چند سالوں کے اعتبار سے خلافت اسلامیہ کا مسئلہ اس وقت سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے پہلے صرف اہواء دین اس کے تباہ و برباد کرنے کی فکر میں تھے اور اس کے نام و نشان کو تمام دنیا سے مٹا دینا چاہتے تھے لیکن اب یہ حال ہے کہ خود مسلمانوں ہی نے اپنے ہاتھوں تحت خلافت کو الٹ دیا اور آج دنیائے اسلام اس وقت بلا خلیفہ کے زندگی بسر کر رہی ہے۔" (۲۶۰)

مولوی صاحب نے مزید کہا:

"پہلے بلا کو خان جیسے لعین شخص نے خلافت کا خاتمہ کر کے دنیائے اسلام کو متلاشے مصیبت کیا تھا اور آج خود تارے بھائیوں نے ہم کو اس مصیبت فحش میں مبتلا کر دیا ہے۔" (۲۶۱)

قوم پرست مولوی اس بات پر متفق تھے کہ خلافت کا خاتمہ ترکی کی جدید حکومت نے بغیر کسی بیرونی دباؤ کے کیا تھا، یہاں تک کہ مصطفیٰ کمال پاشا نے جو "اصلاحات" تائید کی تھیں یعنی خاتمہ خلافت، عربوں کا بایکات، عربی زبان اور عربی خط سے متعلقہ، "لاطینی حروف رائج کرنا"، عورتوں کو بے پردہ کرنا، ایک سے زائد شادی ممنوع قرار دینا وغیرہم، ان سب کا دفاع مولوی محمد میاں عالم جمعیت العلماء ہند نے ایک طویل مضمون میں کیا تھا، اس مضمون میں کمال آغا ترک کو بدنام کرنے والے بدخلیت قرار دیتے تھے ہیں، ایک سے زائد شادی ممنوع قرار دینے اور شادی کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کی خاص عمر مقرر کر دینے کے حکم کو مولوی صاحب شریعت کے عین مطابق قرار دیتے ہوئے رد کرتے ہیں:

"شریعت عوام کی مد سے مصطفیٰ کمال کا ایسا حکم ہر مسلمان کے لئے واجب الاتباع تھا۔ اگر مسلمان سلطان اور شریعت کے کسی مباح یا مستون حکم میں بظاہر تعارض ہو جائے تو سلطان کی اطاعت کو مقدم قرار دیا ہے کیونکہ وہ واجب ہے اور واجب کا مرتبہ سبب، مستون اور مباح سے بالا ملتا جاتا ہے۔" (۲۶۲)

آخر میں مولوی صاحب کہتے ہیں: "تھو! نے مصطفیٰ کمال کو ایک کامل مجاہد بنا کر پیدا کیا تھا اور اس سے وہ کام کرانا چاہتا تھا جو اپنے پاک بندوں

"خلافت کی تحریک کی ناکامی کے بعد وہ بالکل بدل چکے تھے۔ اب ان کے سامنے آخر وقت تک مسلمانوں کا ملی سوال پیدا ہی نہیں ہوا اور ان کی تمام سماجی گاندھی کی قیادت کے ماتحت ہندوستان میں وراثت کی بناء پر ایک مشترکہ قومی حکومت کے قیام اور مشترکہ تمدن" جس پر ہندو مسلم ایک ہزار برس کے باہمی میل جول کی چھاپ لگ چکی ہے" کی تعمیر کے لئے وقف ہو گئیں۔ اسلامی امامت کا تحیل ہندی قومیت میں جذب ہو گیا" مسلمانوں کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک اقلیت کی رہ گئی۔ مسلم قوم و جماعت کا تصور تک ختم ہو گیا" یا تو ذکوۃ اور نماز ان کے نزدیک جماعت کے علاوہ بے معنی تھیں یا اب نماز باجماعت کی حیثیت اتنی ختم ہوئی کہ وہ بدلتوں اور مینتوں گھسٹ" نئی نئی آل اور دلی میں مسجد کے قریب ہی مقیم رہے۔ مگر جماعت کی نماز میں کبھی شامل نہ ہوتے تھے کہ جموعہ کی جماعت میں کبھی انتہائی ہی شامل ہوتے" یا تو ایک زمانہ میں اتنا کہ یہ عالم تھا کہ تذکرہ کی اشاعت کے لئے تصویر کا کچھونا منوع تھا یا اب نئے دور میں باقاعدہ ان کی تصویر کچھوانے کی رسمیں اس طرح ادا ہونے لگیں کہ ۱۹۳۰ء میں رام گڑھ کے سالانہ اجلاس کانگریس میں صدر کانگریس کی حیثیت سے ہندو خواتین ان کی پیشانی پر سوندل کا نشان لگا رہی ہیں اور کانگریسی اخبارات اس تصویر کو علی الاطلاق شائع کر رہے ہیں" اسلامی تمدن کا علمبردار "امام البد" واروہا میں قریش زمین پر بیٹھ کر چنے کا لگا کر ہندو رسم و رواج کے مطابق کھانا کھا رہا ہے اور اس کے فوٹو

اور انقلابی عناصر شامل ہو جائیں اور اپنے مقاصد کے لئے اس ادارہ پر قبضہ کر لیں" اس میں منظر میں گاندھی جی کا سول نافرمانی کو ختم کرنے کا فیصلہ "خشنودانہ" جرات مندان اور بدعت تھا۔" (۲۱۷)

ابوالکلام آزاد نے اپنے قائد سبز گاندھی کے اس فیصلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

"گاندھی جی نے چورا چوری کے طریقہ کی وجہ سے تحریک (ترک موالات) کو معطل کر دیا۔ سیاسی حلقوں میں اس کا شدید رد عمل ہوا اور سارے ملک میں شکست کی فضا پیدا ہو گئی۔ مسٹری آر داس کو یقین تھا کہ تحریک بند کرنے میں گاندھی جی نے ایسی لٹل کی ہے جس سے شدید نقصان ہو گا" اس نے سیاسی کام کرنے والوں کی ہمتیں پست کر دی ہیں کہ اب بنگلہ میں وہ جذبہ بروں تک پیدا نہ کیا جاسکے گا۔" (۲۱۸)

انجام تحریک خلافت و ترک موالات نقصانات

اس میں شک نہیں کہ ان تحریکوں سے ہندوؤں پر بڑی اثرات مرتب ہوئے مگر سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا۔ عزیز الرحمن جاسمی نے اپنی کتاب "مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ قربانیوں کا جائزہ" میں بیان کیا ہے کہ خلافت کی تحریک میں گرفتار ہونے والے مسلمانوں کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی" انہوں نے مجموعی طور پر پانچ کروڑ روپے صرف کئے اور تقریباً بیس کروڑ روپے کا مجموعی نقصان برداشت کیا" جس میں برائے" بدلی کپڑے کا جلانا اور تجارتی نقصان وغیرہ سب ہی شامل تھا۔" (۲۱۹)

ممتاز ماسٹر حسین ٹالوی کے بیان کے مطابق "لالہ لاجپت رائے نے ترک موالات ہی کے زمانے میں کشمی انشورنس کمپنی کے نام سے ایک مدت جی ڈیہ کمپنی لاہور میں قائم کر دی تھی تاکہ جن ہندو نو جوانوں نے وفات اور تعلیم ترک کی تھی" انہیں اس کمپنی میں ملازمت مل سکے" چنانچہ پڈت کے ساتھ لالہ مہم سین پھر" ڈاکٹر گوپی چند بھادگو" کرشن گوپال دت وغیرہ کو معاش کی قطعاً کوئی وقت پیش نہ آ سکی" اس کے برعکس جن مسلمان لائونوں نے تعلیم ترک کی تھی" ان کا عبرت ناک انجام آج بھی یاد آتا ہے تو دھتے کھڑے ہو جاتے ہیں۔" (۲۲۰)

ان تحریکوں کے دوران سب سے زیادہ نقصان مسلم لیگ کو پہنچا" ۱۹۳۳ء میں اس کا کنستویشنل کورم کی کمی کی وجہ سے ختمی کر دیا گیا (۲۲۱) اس کے علاوہ مشائخ اپنے بھروسے سے نکل کر میدان سیاست میں آئے" ان کے اثرات مثبت بھی تھے اور منفی بھی" بعض ہم علماء نے ایسی حرکات کیں جن سے اسلامی تصورات کو سخت نقصان پہنچا" ان میں سے بعض نے گاندھی کو جیل بھی قرار دیا اور اس کے بر قول کو قرآن و حدیث پر منطبق کرنے کی کوشش کی۔" (۲۲۲)

جناب عبدالوہید خان" ابوالکلام آزاد کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

آپ کے ملبومات کے محافظ

ماونٹ ایورسٹ
ڈرامائی کلینرز

6660691

فونٹ

338-مسرور روڈ

صدر بازار۔ لاہور کھینٹ

دفعہ کا انتظام
بھی ہے

اس غرض کے لئے متحدہ قومیت کی تحریک کو تیز کر دیا۔ علمی میدان میں مغرب کی پوری سیاسی فکر کی بناء پر متحدہ قومیت کے تصور کو پیش کیا جا رہا تھا اور کوئی اس سلاب کا مقابلہ کرنے والا نہ تھا۔ رابطہ عوام (Mass Contact) کے نام پر مسلمانوں کو ان کی اپنی تعلیمات سے کاٹ کر کانگریس میں ضم کرنے کی سعی بڑے وسیع پیمانے پر ہو رہی تھی۔ پھر مسلم نام رکھنے والے اہل قلم مولیٰ کے مسئلہ کو سب سے اہم قرار دے کر اشتراکیت کی تبلیغ بالکل کھلے بندوں اور جمیت انجمناء کے اخبارات تک کے ذریعہ کر رہے تھے۔ علماء کا ایک بڑا طبقہ انگریز کی مخالفت میں متحدہ قومیت کی تائید پر اتر آیا تھا۔ (۲۷۷)

طلباء سیاست میں

حکومت اور حکومت کی امداد سے چلنے والے تعلیمی اداروں کے بائیکاٹ کی وجہ سے تحریک خلافت و ترک موالیات کے مقادرات کو تقویت پہنچانے اور بحیثیت رضا کار کام کرنے کے لئے طلباء کی ایک کثیر تعداد فارغ ہو گئی۔ اس طرح طلباء کا عملی سیاست میں حصہ لینے کی روایت پڑ گئی جو ابھی تک موجود ہے اور پورے برصغیر میں تعلیمی زندگی پر منحوس سایہ ڈالتی ہے۔ (۲۷۸)

قومی ہریت پرستی کانگریس کی مقبولیت کے حصہ

تحریک خلافت و ترک موالیات نے جن منفرد اثرات کو جنم دیا، ان میں سے ایک مسلم لیگ کا زوال اور کانگریس کی نشوونما تھی۔ اس سے قبل کانگریس عوامی جماعت نہیں تھی۔ ملی گڑھ کی تحریک اور بریلوی علماء و مشائخ کی وجہ سے مسلمان عوام کانگریس میں شامل ہونے سے ہٹکاتے تھے لیکن وقت کے سب سے بڑے سامری مسٹر گاندھی نے حالات کو ایسے رخ پر ڈال دیا کہ کانگریس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہونے لگا اور خود مسلمان لیڈروں نے یہ "کارنامہ" سرانجام دیا، بعض علماء کلمائے والے "خادم دین" بھی اس کے من گھڑے گئے، مولانا محمد علی جوہر مرحوم نے اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

"کانگریس کو انڈین نیشنل کانگریس فی الحقیقت مسلمانوں نے بنایا ہے" اس سے پہلے وہ عاقبت پسندوں کی تقریر گاہ تھی مگر جس دن سے محمد علی شوکت علی اس میں شریک ہوئے، اسی دن سے اس میں جان پڑ گئی، چنانچہ کلکتہ کانگریس میں لالہ لاجپت رائے کی خلافت کے باوجود کانگریس نے ترک موالیات کو اپنا شعار بنایا۔ (۲۷۹)

ایک قوم پرست مورخ مسلمان جماعتوں اور کانگریس کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "خلافت اور سورانیہ کی تحریک ایک دوسرے میں غلط فہمی جو گئی تھی، خلافت کیلئے اور جمعیت علماء ہند کے بھی چلے ہوئے تھے اور ان میں تو گری ہی گرمی تھی لیکن اب خلافت کے حصول کا ذریعہ بھی سورانیہ

ہندو اخبارات میں فاتحانہ انداز میں چھپ رہے ہیں۔ غضب یہ کیا کہ بے شمار آیات قرآنی کے مطالب دور الہلال میں کچھ اور انداز میں لکھتے تھے جو قومیت کے دور میں شائع شدہ تقریروں میں بالکل مختلف ہو گئے تھے، جن کی بعض مضامین میں جو "تحدید" اور دوسرے رسائل میں شائع ہوئے، ہندوؤں کو اہل کتاب قرار دیا گیا۔ توحید اور آخرت پر ایمان اور اعمال صالحہ نجات اخروی کے لئے کافی سمجھے جانے لگے۔" (۲۷۳)

ایک انگریز معتمد کے خیال میں "تحریک ترک موالیات اور مول باقرانی کے رہنماؤں کی کارروائیوں نے کوئی مفید نتیجہ حاصل کے بغیر ہندوستان کو تباہی اور بربادی سے دوچار کر دیا۔" (۲۷۳)

ہندو مسلم اتحاد

قاضی محمد عدیل عباسی، جو مسٹر گاندھی کے پرستار تھے، تقریر انداز میں لکھتے ہیں: "تحریک خلافت نے مسلمانوں میں ایک عظیم وطنی جذبہ پیدا کیا، ان کو محسوس ہوا کہ وہ ایک بڑی طاقت ہیں اور اگر وہ اس طاقت کو استعمال کریں تو برطانیہ کو بڑے اٹھاؤ پیچک سکتے ہیں مگر اسی کے ساتھ ان کو یہ بھی محسوس ہوا کہ اس طاقت کے استعمال کے لئے ملک کی تمام جماعتوں سے اتحاد و اتفاق لازمی ہے، بھرت کی تحریک جس طرح ناکام ہوئی اس نے بھی مسلمانان ہند میں اپنے ملک اور وطن سے محبت کے احساس کو تیز کر دیا۔" (۲۷۵)

ہندو مسلم اتحاد کے ایک اور راہی خان عبدالولی خان نے اپنے انداز میں یہ تجویز پیش کیا ہے: "انگریزوں نے تحریک خلافت کے دوران ہندو مسلم اتحاد کو اپنے "دو قوی نظریہ" کے لئے خطرناک سمجھ کر اسے ختم کرنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہوئے۔" (۲۷۶) قطع نظر اس بات کے کہ "دو قوی نظریہ" کا موجد کون تھا، اس سے اس قدر مترشح ہوتا ہے کہ ہندوؤں کے رویہ کی وجہ سے مسلمان کانگریس سے کٹ کر "دو قوی نظریہ" کے حامی بن گئے۔

پروفیسر خورشید احمد کے خیال میں تحریک خلافت کی ناکامی کے بعد جو سب سے بڑا خطرہ پیش آیا، وہ "متحدہ قومیت" کا تھا جس کا پرچار علماء کا ایک طبقہ کر رہا تھا، پروفیسر صاحب رقمطراز ہیں:

"برطانوی ہند کے مسلمانوں کو انگریز کی غلامی کے دور میں جو سب سے بڑا خطرہ پیش آیا، وہ "متحدہ قومیت" کا تھا۔ یہ خطرہ ۱۹۳۵ء میں تحریک خلافت کے غیر موثر ہو جانے کے بعد شدید تر صورت اختیار کرتا چلا گیا۔ مسلمانوں کا حال یہ تھا کہ ہر میدان میں شکست پر شکست کھانے سے ان پر شدید باؤسی کا غلبہ تھا، کوئی قوی تنظیم باقی نہیں رہی تھی۔ قوی لیڈر ایک ایک کر کے یا تنہا گئے تھے یا اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اور یا پھر قوم کا اعتماد کھو بیٹھتا تھا۔ نت نئے نئے ایجنڈے ابھر رہے تھے اور کوئی نہ تھا جو ان کا مقابلہ کرے، ان حالات میں کانگریس نے مسلمانوں کو نرم نوالہ سمجھ کر نگل لینا چاہا اور

تحلیل کرنے کی سعی نامکمل کی جائے گی۔" (۲۸۲)

لیکن اب مسلمان مسٹر گاندھی کو کافی حد تک جان چکے تھے، مولانا محمد علی جوہر جو اس کے کافی قریب رہ چکے تھے، برٹا فرمایا کرتے تھے کہ "ہم دونوں بھائیوں نے گاندھی جی اور ان کی قوم کو مرد میدان سیاست بنایا اور ان پر بھروسہ کیا مگر انہوں نے ہم سے دھوکہ کیا۔" (۲۸۳) "وہاں نہ ہندوؤں کی اکثریت کا رویہ بالکل بدل چکا تھا، جمعیۃ العلماء ہند کے ایک اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے شاہ معین الدین مرحوم نے اپنے صدارتی خطبہ میں اس کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"یہ امر بالکل صاف ہے کہ آج ہندو رہنماؤں میں انصاف اور رواداری کے وہ جذبات موجود نہیں ہیں جو ۲۱-۱۹۲۰ء میں وہ ظاہر کر رہے تھے اور گذشتہ چند سالوں میں انہوں نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی مسلمانوں کے لئے ایک فزق کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ یہ نہیں چاہتے کہ مسلمان اپنی قومی اور مذہبی روایات کے مطابق ہندوستان میں ایک نمایاں حیثیت سے باعزت زندگی بسر کریں۔" (۲۸۴)

نیشنلسٹ مولویوں کو اس وقت بھی ہر بات میں انگریز کی شرارت نظر آتی تھی اور آج بھی یہی صورت حال ہے۔ تحریک خلافت و ترک موالات کی ناکامی کے بعد جب ہندوؤں نے مسلمانوں کو ہندوت میں جذب کرنے کے منصوبے پر عمل کرنا شروع کر دیا تو رد عمل کے طور پر مسلمان بھی مقابلے پر آ گئے، اس طرح ہندو مسلم اتحاد کی وہ ساری کوششیں ناکام ہو گئیں جو مسٹر گاندھی اور کانگریسی مولوی کر رہے تھے، مولوی ابوالحسن علی ندوی ہندوؤں کو مورد الزام ٹھہرانے کے بجائے اسے انگریز کی سازش قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"افسوس ہے کہ ۱۹۳۳ء میں جب وہ (مولانا محمد علی جوہر مرحوم) آخری بار جیل سے باہر آئے تو انگریزی حکومت کی جس کی نمائندگی اس وقت ایک یسودی انسٹل وائسرائے لارڈ ریڈیک کر رہا تھا، سازش کامیاب ہو چکی تھی، ہندو مسلم اتحاد پارہ پارہ ہو چکا تھا، شدمی، شگنم کی تحریک اتمی کی طرح چل رہی تھی، بڑے بڑے شہروں میں فرقہ وارانہ فسادات دبا کی طرح پھوٹ پڑے تھے۔" (۲۸۵)

دسمبر ۱۹۳۲ء میں جب آزادی (سوراج) کی تحریک دم توڑ رہی تھی تو آگرہ کی ہندو مہا کشتری سبھا میں یہ تحریک پیش کی گئی کہ ساڑھے چار لاکھ لکھنؤ کو شہدہ (اسلام سے برگشتہ کر کے مشرف یہ ہندومت) کر لیا جائے، اس تحریک کے پیش ہوئے ہی تمام ہندو پریس اور ہندو جماعتوں کی طرف سے

قرار دیا گیا تھا اور کل ملک کی نگاہ ملک کو غلامی سے آزاد کرانے پر لگی ہوئی تھی۔ کانگریس کی اہمیت روز بروز ترقی کرتی جا رہی تھی۔ دوسری تناہیں بھی اگرچہ مدت پر جوش تھیں اور انہیں کی بدولت یہ نصیب پیدا ہوئی تھی تاہم وہ معین و مددگار کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی تھیں۔" (۲۸۶)

"خود ہندو بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ ماہنامہ "دورین" میں "کانگریس" کے عنوان کے تحت لکھا ہے: "شروع ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ پاس کیا گیا، اس وقت مہاتما گاندھی افریقہ سے ہندوستان آ چکے تھے اور ان کی پاک شخصیت ہندوستان کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ انہوں نے رولٹ ایکٹ کے خلاف اپنی ٹیٹھن پھیلائی۔ اسی اثنا میں مسلح کانفرنس ہو کر برقی کے حصے بخرے کر لئے گئے۔ ترکی کے ساتھ یہ بدسلوک دیکھ کر ہندوستان کے قوم پرست مسلمانوں نے تحریک خلافت کی بنیاد ڈالی اور آمل انڈیا خلافت کمیٹی قائم ہوئی۔ چند ہی دنوں میں مہاتما جی خلافت کے لیڈر اور خلافت کمیٹی کے رہبر بن گئے اور مسلمانوں نے مہاتما جی پر وہ اعتبار اور یقین دکھایا کہ دنیا دیکھ رہی تھی۔ قصہ کو تاہ شروع ۱۹۳۰ء میں مہاتما جی کانگریس اور خلافت کے مسئلہ لیڈر بن گئے۔ پرانی پارٹی کانگریس سے کھل گئی اور نئی قوم پرست پارٹی نے کانگریس پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس وقت سے کانگریس کی گالی پٹنی شروع ہوئی اور ایسی چلتی ہے کہ اب پہچان ہی نہیں آتی کہ یہ وہی کانگریس ہے جس کی ابتدا ۱۸۸۳ء میں ہوئی تھی، اب اس کی بناوٹ مختلف، اس کا انتظام نیا، اس کا مقصد بدلا ہوا، اس کی چال ڈھال نرالی ہے، پرانی پارٹی نے اپنی پیٹھ و سوسائٹی بنا لی ہے جس کا نام ماوریت کانفرنس ہے۔" (۲۸۷)

ہندو ذہنیت بے نقاب

مشہور و معروف صحافی مسٹر فیڈ اے سلمی لکھتے ہیں: "جب گاندھی کو یہ اطمینان ہو گیا کہ مسلمانوں کی عظیم شہر ہو گئی ہے اور ان کا کوئی خصوصی ہیٹ فارم نہیں رہا تو اس نے دو چیزوں سے کام لینا شروع کیا، ایک اس نے انگریزوں کو وارننگ دی کہ کانگریس واحد ہندوستانی نمائندہ جماعت ہے اور اسے فوراً مکمل اقتدار کر دیا جائے (دارنگ پر عمل درآمد نہ کرنے کی صورت میں ملک گیر سال تافزانی کی دھمکی دی گئی) دوسرے اس نے ہندو مسلم برائی برائی کا فوہ لگایا اور ساتھ ہی صبح کی پراختیا میں ہر مذہب کی رہائش، متاہاتیں اور اشلوک لگانے کی رسم ڈال دی۔ ایک ہزار سال تو اسلام ہندو ازم کے ظلم میں کم نہ ہوا لیکن اب اسے ایک پراختیا میں



دہلی روڈ صدر بازار (زندہ قزوینڈا)
لاہور چھاؤنی

ماہنامہ کنز الایمان

اس کی تائید میں آوازیں بلند ہوئے تھیں اور پورے جوش و خروش کے عالم میں ۱۳ فروری ۱۹۸۳ء کو سوانی شہر حائد کے زیر صدارت بھارتیہ شدھی سہما قائم کی گئی، اس شہامت نے آغا کار کے لئے پانچ لاکھ روپے کی اہل شائع کی جس پر ہندوؤں نے نہایت مستعدی کے ساتھ لیکہ کہا اور مال و دولت سے اس کی اتنی نعت افزائی کی کہ عالم وجود میں آنے کے ۱۳ روز بعد ہی اس نے شدھی کا مملی کام شروع کر دیا، تھوڑی ہی مدت میں یہ سیلاب ضلع آگرہ سے بڑھ کر گوزگاہو، امیر، لہند، علی گڑھ، متھرا، ہراج، مین پوری، اچوہ، بلند شہر، رنک، میرٹھ وغیرہ اضلاع میں پھیل گیا اور ڈیڑھ دو سال کے اندر سات آٹھ ہزار مسلمانوں کو آغوش اسلام سے چھین کر بت پرستی کا حلقہ گمشدہ بنا لیا گیا، اس کامیابی سے ہندوؤں کی اس قدر ہمتیں بڑھیں کہ انہوں نے علی الاطلاق کہنا شروع کر دیا کہ شدھی کی تحریک صرف نو مسلم راجپوتوں ہی تک محدود نہیں رہے گی بلکہ ہر اس مسلمان کو شدھ کر لیا جائے گا جو ہندی النسل ہے اور اگر ممکن ہو تو اس تحریک کو افغانستان تک پہنچا دیا جائے گا۔" (۲۸۵الف)

سوانی راج کار ایٹمی کے نزدیک شدھی کی ضرورت اس لئے تھی کہ: "شدھی کے بغیر ہندو مسلم اتحاد ممکن نہیں" جب تمام ہندوستانی مسلمانوں کو ہندومت میں ضم کر لیا جائے گا تو ہم اپنے اور گرد ہندو ہی ہندو دیکھیں گے، اس کے بعد کوئی بھی ہمیں آزادی حاصل کرنے سے نہیں روک سکے گا۔" (۲۸۶)

شدھی کے ساتھ ساتھ شگھن کی تحریک بھی شروع کر دی گئی جس کا مقصد ہندوؤں کو جنگی حریت دے کر ان کی قوت میں اضافہ کرنا اور انہیں مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے قابل بنانا تھا۔ بھائی پر مانند نے ہندو ماساجیل میں تقریر کرتے ہوئے شگھن کو ہندو قوم کے بٹائے حیات کا واحد ذریعہ قرار دیا:

"شگھن کا تعلق جنگ سے بھی ہے، اگر جنگ نہیں تو شگھن کی بھی ضرورت نہیں، جو بھائی شگھن کی اصلیت نہیں سمجھتی، وہ اگر آج نہیں تو کل ضرور دنیا سے مٹ جائے گی۔ اگر آپ میں شگھن موجود نہیں تو آپ ہمیشہ ہوجاں کھاتے رہیں گے۔" آگے چل کر کہا:

"اس مرض کا ایک ہی علاج ہے اور وہ شگھن ہے، اس شگھن کے لئے ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو جاتی کے لئے خون بہا دینے کو تیار ہوں۔ شگھن کے قہر کی بنیادوں میں نوجوانوں کا خون سیٹھ کا کام دے گا، اس پر کام کے لئے بھٹوں کے مانند خون دینے والے سچے عاشقوں کی ضرورت ہے۔" (۲۸۷)

اس تنازع دور میں "مسلم لیڈر خاموش تھے اور ہندو لیڈر شدھی کے نام سے مسلمانوں کو مرتد اور شگھن کے نام سے مسلمانوں کو زد و کوب کر رہے تھے تو یہ کانگریسی لیڈر ماساجیلوں کے پشت پناہ تھے، انہوں نے برملا

کہی بھی ماساجیلیت کے خلاف نہ احتجاج کیا نہ جدوجہد کی، پھر جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو مسلمان لیڈر عامتہ المسلمین کو امن پسندی کی تحقین کے لئے میدان میں اتر پڑے اور گاندھی جی نے کہا تو یہ کہ "ہندو بدول ہیں اور مسلمان دنگنی" انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے شہر حائد کے خلاف ایک حرف نہ کہا، مالوی جی کی امن سوزی اور اشتعال انگیزی پر چپ سادھ لی۔ مونجے، کیکڑ، بیکر اور دوسرے آتش زریبا ہندو لیڈروں کے مقابلہ میں بھی نہ آئے بلکہ اگر کسی مسلمان نے ان کے خلاف لب کشائی کی تو چھر گئے، بکو گئے، امرتسر کے ایک جلسہ میں مولانا ظفر علی خاں نے پڈت ملان موہن مالوی کی تقریر انگیزی اور فتنہ پردی کے خلاف کچھ کہہ دیا تو گاندھی جی جو صدر جلسہ تھے، بکو گئے اور انہوں نے کہا "آپ نے مالوی جی پر نکتہ چینی کر کے میرے سینہ پر گھونٹہ مار دیا۔" (۲۸۸)

تحریک خلافت و ترک موالات کے خاتمہ پر ہندوؤں نے مسلمانوں کو "نہرو رپورٹ" کا تختہ پیش کیا، جس میں مسلمانوں کے تمام مطالبات کو مسترد کر کے ایک ایسے نظام حکومت کی تجویز پیش کی گئی تھی کہ "ہندوستان میں

دوہری حکومت قائم ہو جس میں فوجی اور خدائی اختیار انگریزوں کے ہاتھوں میں رہے اور ملکی و انتظامی اختیارات اکثریت کے ہاتھوں میں آجائیں تاکہ برطانوی عہدیتوں سے مسلمانوں کو غلام بنا لیا جائے، بقل مولانا محمد علی کہ "جب ایٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں منادی کی باقی تھی تو مناد پکارتا تھا کہ "خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کہنی بار کا، لیکن نہرو رپورٹ کا قطع یہ ہے کہ خلقت خدا کی، ملک وائسرائے کا، پارلیمنٹ کا اور حکم ماساجی کا۔" (۲۸۹)

مسلمانوں کی اکثریت نے نہرو رپورٹ کو مسترد کر دیا، تاہم مسلمانوں میں بعض ایسی شخصیات یا افراد تھے جنہوں نے اس بدنام زمانہ رپورٹ کی حمایت کی مثلاً مجلس احرار (۱۹۴۰ء) اور ابوالکلام آزاد (۱۹۴۱ء) مولوی حسین احمد دیوبندی نے اس وجہ سے مخالفت کی کہ اس میں کھل آزادی کا تصور موجود نہ تھا (۱۹۴۲ء) قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم اور دیگر مسلمان رہنماؤں کی طرف سے کافی کوشش کے باوجود مسٹر گاندھی نے اس میں کسی قسم کی ترمیم کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کی، "مہاتما جی" کے اس مسلم شخص رویہ کی وجہ سے دو قوی نظریہ کو تقویت ملی اور مسلمان کانگریس سے دور ہوتے چلے گئے۔

قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم نے ۱۹۴۱ء کی تحریک عدم تعاون کی تاریخ بیان کرتے ہوئے مسلمانوں کی ان قربانیوں کا ذکر کیا جو انہوں نے آزادی اور خلافت کے نام پر کیں اور جن کا نتیجہ کانگریس کی موجودہ طاقت ہے، اس زمانہ میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بند کر دی گئی تھی لیکن بنارس (ہندو) یونیورسٹی کا ایک طالب علم بھی تحریک میں شریک نہیں ہوا، اس طرح ہماری محبوب درس گاہ معطل کر دی گئی تھی لیکن ان تمام قربانیوں کے سوا میں کانگریس نے مسلمانوں کو کیا دیا؟ انہوں نے ہمارے لئے نہرو رپورٹ پیش کی

جس کے متعلق آپ کو معلوم ہے کہ تمام مسلمانوں نے اسے مذموم قرار دیا تھا۔ (۲۹۳)

تحریک خلافت و ترک موالات کی مخالفت

مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو بچانے کے لئے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں اگرچہ اسے جزدی کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن کئی ذی شعور اسلام کے شیعائی اور صحیح الاعتقاد علماء کرام اور لیڈروں نے اس کی بغور مخالفت کی۔ ڈوئی، انگریز پرستی اور ملک دشمنی جیسے بے بنیاد الزامات کی پرواہ کے بغیر ان قائدین نے شجر اسلام کو مسٹر گاندھی کی گٹھاڑی سے بچانے کی خاطر کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ مخالفین میں حضور پاکستان علامہ محمد اقبالؒ قائد اعظم محمد علی جناحؒ سنی علماء و مشائخ وغیرہم جیسی قد آور شخصیات شامل تھیں۔ ذیل میں ہم ان حضرات کا تشکر نظر پیش کرتے ہیں۔

پچھلے صفحات میں ہم اسلام کالج لاہور کو تباہ و برباد ہونے سے بچانے کے لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں کا ذکر کر چکے ہیں۔ چونکہ آپ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرح معتدل اور مستقیم ہیں رہنا تھے۔

تخریب پسندی اور اسلام دشمن قوتوں کے شدید مخالف تھے اس لئے بقول ڈاکٹر محمد ریاض صاحب، علامہ موصوف متقی تحریکوں کے مخالف تھے (۲۹۵) ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے کہ ان تحریکوں سے لے کے علامہ اقبال کی وفات تک کمزوری کا زمانہ تھا اور اس میں مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں علماء کا ایک خاص طبقہ (کانگریس کی حمایت میں) بڑا موثر حصہ لے رہا تھا۔ اس لئے علامہ کی زد میں بطور خاص وہ (ملیت) بھی آگیا اور علامہ کے کلام میں ملا سے مراد یہی لوگ ہیں، سب علماء نہیں (۲۹۶)

تحریک خلافت چونکہ متحدہ قومیت کے کانگریس فلسف میں پھنس گئی اس لئے علامہ اقبال نے اس پر سخت تنبیہ کی۔ اپنے ایک خط بنام سید سلیمان ندوی میں تحریر فرماتے ہیں:

”اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا، افسوس اہل خلافت اپنی اصل راہ سے ہٹ کر دوڑ رہے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مسلمان ایک منٹ کے لئے بھی قبول نہیں کر سکتا۔“ (۲۹۷)

عظیم الامت علامہ اقبال اگرچہ شروع میں صوبائی خلافت کمیٹی کے رکن تھے لیکن جلد ہی انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ خان نیازالدین خان کے نام اپنے خط نمبر ۱۱ فروری ۱۹۳۰ء میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ”مرامی صاحب کی خدمت میں سلام طبعم عرض کیجئے۔ سنا ہے، وہ مجھ پر ناراض ہیں کہ میں نے خلافت کمیٹی سے کیوں استعفیٰ دے دیا۔ وہ لاہور آئیں تو ان کو حالات سے آگاہ کروں، جس طرح یہ کمیٹی قائم کی گئی اور جو کچھ اس کے بعض ممبران کا مقصد تھا، اس کے اختیار سے تو اس کمیٹی کا

وجود میری رائے میں مسلمانوں کے لئے خطرناک تھا۔“ (۲۹۸) اسی زمانے میں علامہ اقبال کے پیچھے شیخ ابجاز احمد نے دیگر نوجوانوں کی طرح تحریک خلافت میں خاصی سرگرمی کے ساتھ حصہ لینا شروع کیا، ان کے والد نے اقبال سے اس کا ذکر کیا تو جواب میں فرمایا:

”۔۔۔ اس کے علاوہ خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبر ہر جگہ قابل اعتماد نہیں ہوتے، وہ بظاہر جو شیعہ مسلمان معلوم ہوتے ہیں لیکن در باطن انہیں ایشیائین ہیں، اسی وجہ سے میں نے خلافت کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ اس استعفیٰ کے وجود اس قابل نہ تھے کہ پبلک کے سامنے پیش کئے جاسکتے تو لوگوں کو سخت حیرت ہوتی۔“ (۲۹۹) جنوری ۱۹۳۸ء میں یوم جوہر کی ایک تقریب کے صدارتی خطبے میں سید نذیر نیازی نے فرمایا:

”جن دنوں مولانا (محمد علی) جوہر نے گاندھی کے ساتھ سیاسی سرگرمیوں میں وفات اختیار کر لی، ان دنوں علامہ اقبال نے مولانا جوہر سے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ علامہ نے اپنے ایک خط میں مولانا جوہر کو لکھا کہ جنیوار، اگر آئندہ مجھے بھائی اقبال کہہ کر پکارا یا خط لکھا، تم ہندو کے بھائی بنے ہو، میں تمہارا بھائی نہیں بن سکتا۔“ (۳۰۰)

جہاں تک اسلامی غیرت و حیت اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کا سوال ہے، مخالفین تحریک خلافت و ترک موالات اس سلسلہ میں کسی سے

رضا فوٹو سٹیشن سٹیشنری

ہمارے ہاں نقشوں کی امونیا پرنٹ قیمتی دستاویزات پر سادہ اور جاپانی پلاسٹک، رنگ باندنگ اینڈ سپارٹل باندنگ، اعلیٰ فوٹو کاپی اور سٹیشنری کے لیے تشریف لائیں (بازار سے ارزاں نرخوں پر)

رضا فوٹو سٹیشن سٹیشنری

1425 ڈھاکہ روڈ صدر بازار بالقابل اسلام آباد کول
لاہور بھیاؤنی 6673592

قیادت، ہر ولسوزی، شہرت تک کی قربانی پر تیار ہو گئے۔ (۳۰۵)

مولوی حسین احمد سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم کے اس رویہ پر جو تبصرہ کیا ہے اسے پڑھ کر ایک پاکستانی سوچ رکھنے والا فرد اظہار انوس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لکھتے ہیں:

”ان (قائد اعظم محمد علی جناح) کی قومی زندگی کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ وہ ناگپور کے اجلاس کانگریس تک اس کے ساتھ رہے مگر جب کانگریس نے نان کو اپریشن پاس کر دیا تو علیحدہ ہو گئے، کھٹو کے خلیہ صدارت میں سول نافرمانی کو قوم کی خودکشی قرار دیتے ہیں، اسی بناء پر اور اس قسم کی دوسری باتوں کی بناء پر ڈاکٹر انصاری مرحوم نے سوتر کے خلیہ صدارت میں ان کو ہندوستان کا دوست نہ ہونا اور فرقہ پرست بتایا تھا۔“ (۳۰۶)

اگرچہ مولوی صاحب نے تحریک ترک موالات کی مخالفت کو قائد اعظم کی قومی زندگی کی کمزوری سے تعبیر کیا ہے اور ایک دوسری شخصیت کے حوالے سے انہیں ہندوستان کا دشمن اور فرقہ پرست جیسے خطابات سے نوازا ہے لیکن یہ الزامات کم فہمی، سیاست کی پیچیدگیوں سے عدم واقفیت اور گاندھی جی فلسفہ کو برحق ماننے کی غمازی کرتے ہیں۔ دراصل قائد اعظم نے جو کچھ کیا وہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے مفاد کے عین مطابق تھا۔ بعد کے حالات و واقعات نے ثابت کر دیا کہ اگر وہ اور سنی علماء و مشائخ دور اندیشی سے کام لے کر صحیح رہنمائی نہ فرماتے تو آج ایک بامیری مسجد نہیں بلکہ بے شمار مساجد لمبا میٹ ہو چکے ہوتے اور مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد گاندھی فلسفہ کے قریب میں گرفتار ہو چکی ہوتی۔

قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے اعتدال پسند ساتھیوں نے تحریک خلافت میں بھی حصہ نہیں لیا، انہیں معلوم تھا کہ بعض بوٹیلے مولوی مسئلہ خلافت کی باری ہوئی بازی کے سلسلہ میں ہندوستان کے سادہ لوح مسلمانوں کو احتجاج کی ترغیب دے کر گاندھی کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں، ان کا خیال تھا کہ ہندوستانی عوام وسیع پیمانے پر پرتشدد یا عدم تشدد کی تھکا دینے والی آزادی کی جدوجہد کے لئے تیار نہ تھے۔ (۳۰۷)

خود خلافتی و موالاتی کارکنوں کو بھی یہ شکایت تھی کہ یہ تحریکیں جس ذکر پر چل رہی تھیں، اس سے نہ صرف خلافت کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا بلکہ بہت جلد ان کے دم توڑ جانے کا بھی امکان تھا، جناب مقبول محمود صاحب اپنے ۲۶ جون ۱۹۳۰ء کے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”خلافت کے متعلق جو وعدہ خلافیاں ردل یارپ کی طرف سے کی گئی ہیں، قدرتی بات ہے کہ ان کا ہر مسلمان کو دلی صدمہ ہو، دیکھا یہ ہے کہ اس دلی رنج کے اظہار کا بہترین طریقہ کیا ہو سکتا ہے جس سے ممکن ہے کہ ترکوں کو بھی فائدہ پہنچے، اس سلسلہ میں خلافت ڈیپو نیشن جو خدمت سرانجام دے رہا ہے، محتاج بیان نہیں، لیکن میں دیکھتا ہوں کہ ہندوستان میں میرے مسلمان بھائی اس ایجنٹی نیشن کو ایسے جالے پھتا رہے ہیں جو نہ تو عملی طور پر

پہنچے نہیں تھے لیکن ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حصول مقاصد کے لئے جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ غلط تھا، اس سے فائدہ نہ ہونے کے برابر اور نقصان بہت زیادہ تھا، قائد اعظم محمد علی جناح نے دسمبر ۱۹۲۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کھٹو سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”میں صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے جذبات و احساسات اور مذہب، اعتقادات کو کم اہمیت نہیں دیتی چاہتا۔“ (۳۰۸)

ترکی کی تباہی و بربادی کے بعد جب انگریزوں نے جشن صلح منانے کا اعلان کیا تو قائد اعظم نے اس میں یہ لکھا کہ شرکت کرنے سے انکار کر دیا کہ:

”جشن صلح میں شریک ہونا ناممکن ہے۔ ہم اس صلح پر خوشی نہیں منا سکتے ہیں جس کا مطلب ترکی کے حصے بخرے کرنا ہے۔“ (۳۰۹)

کانگریس کا سالانہ اجلاس ناگپور میں دسمبر ۱۹۳۰ء کے آخری ہفتے میں منعقد ہوا جس میں مسلمان نمبروں کے اتفاق کے ساتھ عدم تعاون کے مقاصد میں سورانج کو شامل کر لیا گیا اور تجاویز پانچ ہو گئیں لیکن بقول سید نور احمد کے:

”عدم تعاون کی تجاویز کے خلاف تقریر کرنے والے اور ایوٹ دینے والے اکیلے مسٹر جناح تھے۔“ (۳۱۰)

ناگپور اجلاس میں قائد اعظم محمد علی جناح سرکشی کی کیفیت میں تھے، وہ سوچتے تھے کہ آخر میرے ساتھیوں اور عوام کو کیا ہو گیا ہے جو ایک فرد واحد (گاندھی) کی اندھی تقلید کر رہے ہیں، وہ ایک ایسے موقع پر گاندھی کا مقابلہ کر رہے تھے جبکہ گاندھی کے گرد ان کے مداحین نے ایک آہنی فیصل کھڑی کر رکھی تھی اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ اب زیادہ حوصلے اور جرات سے کام کرنے کا وقت آ گیا ہے، جب بھی وہ گاندھی کا ذکر کرتے تو جان بوجھ کر انہیں ماسما کے بجائے مسٹر گاندھی کہا کرتے، لوگ پیچھے چلا تے کہ ماسما گاندھی کو ”ماسما گاندھی“ کہہ لیں وہ ان باتوں کا کوئی اثر قبول نہ کرتے اور لوگوں کے شور و غل سے بے نیاز ان کو بدستور مسٹر گاندھی کہتے رہے۔ (۳۱۱)

جب کانگریس نے تحریک موالات کی تجویز منظور کی، مسٹر جناح نے اپنے اصول کے تحت کانگریس سے قطع تعلق کر لیا، بہت سے لوگوں کے نزدیک ان کی یہ بہت بڑی غلطی تھی لیکن وہ اپنے مخصوص دلائل کی بناء پر اپنی روش کو صحیح سمجھ رہے تھے، وہ تحریک برائے تحریک کے قائل نہیں تھے، وہ تحریک برائے تحریک کے قائل تھے، سرکاری سکولوں اور کالجوں کا بائیکاٹ اگر کراتے تو قومی سکول اور کالج کھول دینا کپڑے کا اگر معاملہ کرنا چاہتے تو سوئیچی کپڑے کی ملوں پر ٹیس قائم کر دے، صرف چند کات کر اور فائدے کے تم آزادی حاصل نہیں کر سکتے اور اگر یہ تجربہ کرنا چاہتے ہو تو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جناح صاحب کی روش صحیح تھی یا غلط اس سے بحث نہیں لیکن اپنی دیانت راستے پر وہ اس درجہ مطمئن تھے کہ اپنی

میں جائیں کیونکہ یہ تمام مکاتب جمہور کے روپے سے بنائے گئے ہیں۔" (۳۸)
کونسلوں میں شرکت کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا: "مجھے تو
یہی درست معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم سوراج حاصل کرنا چاہتے ہیں تو
پارلیمنٹ کے طریق پر جو جمہوریت کے اصولوں پر مبنی ہو جو آئین پسندی
اور جمہور کی رائے پر مبنی ہو تو ہمیں کونسلوں میں شرکت ہونا چاہئے، کونسل ہی
ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہم ہندوستان کے مطالبات کے لئے نہایت زور
قوت سے لڑ سکتے ہیں۔" (۳۹)

کلکتہ سے مولوی محمد اکرم خان کے ایک خط محررہ ۲ جنوری ۱۹۲۱ء سے
حشرچ ہوتا ہے کہ قوم پرست مولویوں کی حرکات سے شک آکر بعض لیڈر
اور علماء ان پر برسرعام تنقید کرنے لگے تھے اور ہندوؤں سے ملنے جوڑی وجہ
سے انہیں بے ایمان تک کہتے تھے کہ یہ نہیں کرتے تھے:

"مولوی فضل الحق کے متعلق مجبوراً خامہ فرمائی کی ضرورت ہوئی۔ اب
وہ ترک موالات کے محکمہ کھلا اور بدترین دشمن ہو رہے ہیں۔ ڈھاکہ میں
ان کی کوشش تھی ایک کانفرنس ہوئی جس میں انہوں نے صدر کی حیثیت
سے جو تقریر کی ہے، کوئی برسے سے بڑا غیر مسلم دشمن بھی اس سے زیادہ
مفسدہ پرواز اور شرارت انگیز تقریر نہیں کر سکتا۔ اس تقریر میں آپ نے
علمائے کرام پر (جو ترک موالات کی موافقت میں فتنی دے چکے ہیں) نہایت
ریکھ حملے کیے ہیں، ان کو بے ایمان بتایا ہے۔" (۴۰)

جناب عبدالحمید صاحب لاٹھری مولویوں کے انکار و نظریات پر تبصرو
کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"بدقسمتی سے علماء کرام بحیثیت جماعت وقت سے بدست پیچھے تھے، وہ
سیاست کے میدان میں کم فہم اور نا تجربہ کار تھے، ان کا باہمی اختلاف اور کڑ
پن مشہور عام تھا۔ انہوں نے نہایت چالاکانہ طور سے رسول پاک صلی اللہ علیہ
وسلم کی کئی زندگی میں سید گھر کی دیہات مثلاً ڈھونڈ ٹالٹی، وہ اسلام اور
ہندو ازم کو متحد کرنے کی لفظانہ کوششوں کے ذریعے (مسلمانوں کی) مقدس
جماعت کو قربانی کا بکرا بنا کر ہندومت میں ضم کر رہے تھے، انہوں نے ہندو
دیوتا کرشن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیثیت سے ظاہر کیا اور گاندھی کو
امام مہدی علیہ السلام جیسے تحارف کرایا انہوں نے دونوں مذاہب (اسلام

کامیاب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ترکوں کو ان سے کسی قسم کا فائدہ پہنچ سکتا
ہے، چند غیر ذمہ دار مسیحیوں کے ہاتھوں جو گت ہجرت اور جہاد کی نئی، آپ پر
قرب روشن ہے، اب سوال عدم تعاون کے متعلق ہے، معاف رکھتے، میری
ناقص رائے میں یہ تجویز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتی، سودیشی تحریک کا خیال
نہایت مہارک اور مفید ہے مگر اس سے آگے میں حیران ہوں کہ کہاں تک
جائز توقع کی جا سکتی ہے، ماسما گاندھی اثر کے فرشتے ہیں لیکن ہم لوگ
محض آدمی، اپنی مجبوریات میں گھبرے پڑے ہیں، دنیا کی کشش میں جکڑے
ہوئے ملازمین سے جو محنت کر کے ایک کتبہ کا چھٹ پالتے ہیں، یہ توقع رکھنا
کہ وہ نوکری چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے، کہاں تک جائز ہے، آپ ٹوڈ سوچئے،
ایسی تجاویز کا پاس ہو کر ناکامیاب رہ جانا مقصد خلافت کے لئے مضر ہے، اس
لئے ہمیں شروع ہی سے ایسی روش اختیار کرنا چاہئے جو بھائی جا سکے۔"

(۳۸)

ایک اور خلافتی کارکن کشفی صاحب کے خط، جو انہوں نے مولانا
مہدیارہ فرنگی علی کے نام ۲۳ جنوری ۱۹۲۱ء کو لکھا تھا، سے ظاہر ہوتا ہے
کہ چندوں کی بھراہ کی وجہ سے مسلمان معاشرتی چابی کے دہانے پر پہنچ چکے
تھے:

"یہ آپ کو معلوم ہو گا کہ خدام کتبہ کے ممبر، حزب الاحرار کے ممبر،
خلافت کمیٹیوں کے ممبر اور دیگر قومی و مذہبی کاموں میں حصہ لینے والے یہ
سب ایک ہی ہیں۔ ان میں بہت کم ہی فرق ہے۔ یہی وہ ممبر ہیں جو کہ اب
خلافت کمیٹیوں میں چندے دے رہے ہیں، یہی ممبر نظر ہندان خلافت کی امداد
کر رہے ہیں، یہی ممبر قومی اخبارات کے خریدار ہیں اور ان کے معاون
ہیں۔ یہی ممبر اب قومی اسکولوں میں چندہ دے رہے اور یہی ممبر ہیں جو کہ
تحریک ترک موالات سے اپنی قربانیاں کر رہے ہیں۔ اب جبکہ ان کی
آمدنیں ترک موالات کی قربان ہو چکی ہیں تو اب ان کی یہ حالت ہو گئی ہے
کہ وہ مجبور ہو چکے ہیں کہ نذو یا صدقہ ادا کر سکیں، اگر آپ اور تمام ملک
کے رہنما لیڈر ہند کی اندرونی حالت کا خیال کریں گے تو آپ سب کو معلوم
ہو گا کہ قومی کاموں میں حصہ لینے والے اہل ہند تباہ ہو رہے ہیں اور ان کی
آمدنوں پر مہر بندش کی لگ چکی ہے، آخر ایسا ہو گا کہ اگر لیڈروں نے ان
کا علاج نہ کیا تو کیا تو وہ اور ان کے اہل و عیال قاقوں سے مر جائیں گے یا
خودکشی کریں گے یا ڈر ہے کہ وہ قومی کاموں ہی سے علیحدہ ہو جائیں، اس
وقت فکر تو خلافت کا ہو رہا تھا، اس کا تو اب تک کوئی اصلی علاج نہیں ہوا
مگر قوم بھی اب غارت کے قریب آ گئی ہے۔" (۴۱)

تاکہ اعظم محمد علی جناح کو پہلے سے ہی ان مشکلات اور بے تدبیری کا
اندازہ تھا، فرمایا کہ:

"تحریک ترک موالات ناقابلِ عمل ہے اور کامیاب نہیں ہو سکتی۔"
(۴۲) مسلمان طلباء کو ہدایت فرمائی: "موجودہ سیاسی حالت پر نہایت مضبوط
دلی سے غور کریں اور کالجوں اور سکولوں میں سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد

اعلیٰ تحریک

اور دیر پاورائشی کیلئے

شہزاد

سرور روڈ - صدر بازار - لاہور کینٹ

اور ہندومت) کو ایک دوسرے میں مدغم کرنے کی خاطر انہیں ایک سطح پر لا کر اسلام کی شکل میں گرو دی۔

ایک جانب تو وہ اسلام کی نشاط ثانیہ کے مدعی اور دوسری طرف کانگریس کے وقار تھے جس کے مقاصد زیادہ تر ہر لحاظ سے ان کے متضاد تھے۔ وہ عام طور پر تعلیم یافتہ کانگریسیوں کے ساتھ میل جول کے دوران دیکھے ہوئے علم معاشرت کے فسادہ خیال اور اجتہاد کے بل بوتے پر طویل بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ مسلمان سوسائٹی میں "جہاں عوام الناس پر مذہب

کے نام پر کی جائے والی اپیلی خاص طور پر اثر انداز ہوتی تھی" لازمی طور پر ان کے اثرات خطرناک تھے، کانگریسی لیڈر، بلا اگرچہ بڑے زور شور کے ساتھ سیاست کو نیکو کرنے کے مدعی تھے، مسلمانوں کے اندر اپنے پروپیگنڈا کو مزید تقویت پہنچانے کے لئے اس میں انداز اثر کو استعمال کرنے کے لئے ہر وقت کمر بستہ رہتے۔ بعض اوقات ہندو اور مسلمانوں کے درمیان حاکم علیج کو قوم پرست مسلمانوں کی کارروائیوں سے پر کیا جاتا تھا، کانگریس انہیں دست راست تصور کرتی تھی، انہوں نے کانگریس کی نمائندگی کے دعوئوں میں ناکامی رنگ بھرا۔" (۳۱۳)

جمعیت انصار الاسلام کے مقاصد

سنی بریلی علماء و مشائخ نے تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران ہندوستانی مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کی خاطر ایک عظیم قائم کی تھی جس کا نام "جمعیت انصار الاسلام" تھا، مذکورہ عظیم کے ناظم مولانا حسین رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے اس کے ایک اجلاس کی کارروائی روزنامہ بیہ اخبار لاہور میں شائع ہوئی تھی جو یہاں پیش کی جاتی ہے، اس کے علاوہ سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سنی قائدین کی سوچ کیا تھی:

مقاصد

(۱) حفاظت مقامات مقدسہ و حمایت سلطنت اسلامیہ اور مظلومین ترک کی ہمدردی میں جائز و مفید کوشش کرنا اور ناجائز و نامعید راءوں سے مسلمانوں کو بچانا۔

(۲) اسلام و مسلمین کو بیرونی دشمنان دین کے حملوں سے بچانے کی حتی الوسع جائز تدابیر کرنا اور پانچویں دشمنان اندرونی کے حملوں سے بچانا۔

(۳) مسلمانوں کو ان کے اخلاقی، معاشرتی، تمدنی، اقتصادی مفاد کی طرف رجحانی کرنا اور ان کو حقیقی و خالص پابندی احکام شریعی کی راہ بتانا۔

تجاویز

(۱) علماء اہل سنت اور مسلمانان بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزمیہ

عرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے معاف رکھے۔

(۲) یہ جلسہ گورنمنٹ برطانیہ سے زبردست مطالبہ کرتا ہے کہ وہ مظلومین سرنا وغیرہ کی مالی اعانت و ارسال زر کے قابل اطمینان ذرائع ہمارے لئے بچھائے۔

(۳) یہ جلسہ ترک و عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک وفد بھیجا جائیگا کرتا ہے اور گورنمنٹ سے زور کے ساتھ مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں تارے وفد کی ذمہ داری کرے، جلسہ تجویز کرتا ہے کہ ان مطالبات کے لئے گورنمنٹ کے پاس وفد بھیجا جائے۔

(۴) یہ جلسہ مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ ترغیب دیتا ہے کہ اپنے تمام مقدمات جن کو وہ آپس میں طے کرنے کے مجاز ہیں، مطابق شرع شریف فیصلہ کر لیں اور پکڑوں کی مقدمہ پاؤں سے جو فریقین کے لئے تباہ کن ہوتی ہے بچھیں۔

(۵) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ گورنمنٹ جو قانون ایسا بنائے جس سے کسی اسلامی مسئلہ کو مضرت پہنچے یا پہنچنے کا اندیشہ ہو، اس کی ضرور ترمیم چاہی جائے اور اس کی جائز کوشش اتنا تک پہنچائی جائے۔

(۶) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو خاص اپنی تجارت بڑھانے کی ترغیب دیتا ہے اور اس کے ذرائع کی توسیع اور حتی الامکان ان صورتوں کو بھجھ بچھانے پر توجہ دلاتا ہے جن سے مسلمان کبھی کسی غیر مسلم تجارت کے محتاج نہ رہیں۔

(۷) یہ جلسہ اپنے مسلمان بھائیوں کو اسلامی بینک کھولنے پر توجہ دلاتا ہے تاکہ مسلمان غیر مسلموں کی دستبرد سے بچیں۔

(۸) یہ جلسہ تجویز کرتا ہے کہ تجار اور رؤساء سے ایک اسلامی خزانہ قائم کرنے کی تحریک کی جائے، جس میں ماہ بیاہ سال ہمال کچھ رقم جمع ہوتی رہے اور وقتاً فوقتاً "مسلمانوں کی تجارت کی توسیع کی ضرورتوں اور نیز اعانت سلطنت اسلام و ضروریات اسلام میں کام آئے۔

(۹) یہ جلسہ مسلمانوں کو علم دین و مذہب اہل سنت و جماعت مطابق (اس وقت کے) عقائد حتمی شریفین کے اشاعت دینے پر تاکید سے توجہ دلاتا ہے۔ (۳۱۵)

سنی علماء و مشائخ کی تنقیدات و تعاقبات گاندھی کی عیاری

سنی علماء و مشائخ کا موقف یہ تھا کہ ہندوستانی مسلمان انگریزوں کے خلاف کوئی بھی تحریک چلانا چاہیں تو وہ اس کی مجبور تائید کریں گے لیکن اس تحریک کا قائد کوئی غیر مسلم نہیں بلکہ ایک ایسا مسلمان ہونا چاہئے جس کے دل میں خوف خدا اور اسلام کا درد ہو، ان کے خیال میں شرعی نقطہ نظر سے مسز گاندھی کو مسلمانوں کا قائد و امام منتخب کرنے کا فیصلہ درست نہیں

کھڑے ہوں' اپنے عقل و حواس کو معطل نہ کریں۔ اپنے ہوش و خرد کو کام میں لائیں۔ نہایت فزادگی کے ساتھ اپنے نیک و بد' اپنے انجام و مال پر نظر ڈالیں۔

ایسی بے راہی کہ ہر بات میں گاندھی پر نظر ہے' کچھ کام نہیں آسکتی' فرض کرو' آج گاندھی تمہارے موافق ہیں اور تم ہر مشورے میں ان کی رائے کے محتاج ہو' کھل اگر گاندھی کا رنگ بدل جائے' تم کیا کرو گے؟ یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم میں کوئی ایک بھی مدبر نہیں۔ اگر ایسا ہے تو خاموش رہنا چاہئے۔" (۳۱۷)

خلافت کمیٹی کا نصب العین

خلافت کمیٹی پر گرفت کرتے ہوئے حضرت صدر الافاضل رنڈپاز ہیں: "حقیقت الامر یہ ہے کہ یہ لوگ ترک موالات کا حکم شریعت سمجھ کر نہیں مانتے ہیں' یہ تو مسلمانوں کو اپنے موافق کرنے کے لئے آتیش خلافت کر لیتے ہیں' مانتے تو ہیں گاندھی کا حکم سمجھ کر' یہی وجہ ہے کہ ترک موالات کے ساتھ جنود سے موالات فرض سمجھتے ہیں۔ آج تمام ہندوستان جانتا ہے کہ خلافت کمیٹی صرف گورنمنٹ سے ترک موالات بتاتی ہے اور جنود سے موالات' ان کی رضا میں ہی ہو جانا ضروری قرار دیتی ہے اور اس پر بیش ٹھہروں میں زور دیتے جاتے ہیں۔ اخباروں میں اس پر مضامین کس شد و مد سے لکھے جاتے ہیں اور یہ خلافت کمیٹی کا مقصود اعظم اور پلا نصب العین ہے۔ خلافت کمیٹی گاندھی کی بدولت تو وجود ہی میں آئی اور ان کے اشاروں پر تو چل ہی رہی ہے۔ پھر جنود سے ترک موالات حرام و مکرم نہ ہو تو کیوں نہ ہو۔" (۳۱۸)

مخالفت میں بیانات

حضرت قبلہ عالم (پیر مر علی شاہ گولڑی) قدس سرہ نے کانگریس میں مسلمانوں کی شہریت اور کانگریسی جمعیت النساء ہند کی بڑا کردہ تحریکات خلافت و ہجرت سے اختلاف کرتے ہوئے ان کی تردید فرمائی۔ (۳۱۹)

ابو البرکات حضرت مولانا سید محمد فضل شاہ سجادہ نشین جلالپور شریف رحمتہ اللہ علیہ ترک موالات اور ہجرت کی تحریکوں کو مسلمانوں کے لئے خودکشی کے حرافہ سمجھتے تھے' اس لئے آپ ان سے کنارہ کش رہے اور اپنے عقیدت مندوں کو بھی ان سے علیحدہ رکھا۔ مسلمانوں کے لئے نہ تو آپ

نہ "مہاتما جی" کا رویہ اگرچہ بظاہر ہمدردانہ تھا لیکن درہم وہ اس کے عوام کے لئے خطرناک تھے' اس کے دل میں اسلام دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور وہ مسلمانوں کو ذک پہنچانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا' امام احمد رضا خان فاضل دیوبند قس سرہ کے خلیفہ اور تحریک پاکستان کے معروف رہنما حضرت صدر الافاضل مفتی محمد عظیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے مسٹر گاندھی کی متفاد اور مسلم کش پالیسی کی نشاندہی کرتے ہوئے فرمایا:

"ایک طرف تو مسٹر گاندھی مسلمانوں سے یہ خطاب کرتے ہیں کہ تمہارے مطالبات بالکل بجا ہیں اور تم حق پہناتے ہو' میں تمہارے ساتھ ہوں۔ دوسری طرف مسٹر گاندھی لب و لہجہ بدل کر یہ فرما دیتے ہیں کہ دیکھو خیروار قانون کی حدود سے باہر قدم نہ رکھنا' امن عامہ میں ظلم اندازی کرنے سے باز رہنا ورنہ میں تمہارے ساتھ نہیں' جس سے گورنمنٹ کو مسلمانوں کی شہریت ہٹا دینا اور قانون شکنی اور امن عامہ میں فساد انگیزی کا ثبوت دینا چاہئے ہیں اور اپنے آپ کو امن عامہ اور قانون کا حامی ظاہر کرتے ہیں۔" (۳۱۷)

ایک اور جگہ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: "مسلمانوں نے ان سماجی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری سمجھا کہ ہندوؤں کو اپنے ساتھ شریک کریں اور اپنا ہم آواز بنائیں تاکہ ان کی مدد میں زور آئے اور سلطنت ان کی درخواست کان لگا کر سنے۔ مذہب کا توکل اس کو ممنوع اور ناجائز نہیں قرار دیتا اور اس قدر جدوجہد توازن میں رہتی۔

لیکن صورت حال کچھ اور ہے۔ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان "آئین" کہنے والے کی طرح ان کی ہر مدد کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے' اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا توکل مقلد کی طرح سر نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔

پہلے تو ہندوؤں نے سود کے ہندوں میں مسلمانوں کی دولتیں اور جائیدادیں لے لیں' اب وہ مفلس ہو گئے اور کچھ پاس نہ رہا تو مقامات مقدسہ اور سلطنت اسلامیہ کی حمایت کی آڑ میں مذہب سے بھی بے وطن کرنا شروع کر دیا۔"

"سلطنت اسلامیہ کی اعانت اور مقامات مقدسہ کی حمایت و حفاظت کے لئے مسلمان ہر ممکن تدبیر عمل میں لائیں لیکن اپنے دین و مذہب کو محفوظ رکھیں۔ اپنے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھوں میں نہ دے ڈالیں۔ اپنے پاؤں پر

داتا گنج بخش

علامہ اقبال رڈ

چوک گڑھی شاہو لاہور

پرنٹنگ: سید محمد علی شاہ

نصرانیت کے رنگ میں ڈوب جانے کو موجب فلاح سمجھتے تھے اور نہ ہی ہندوؤں کے ساتھ ایسا وعدہ فعال اور تعاون کو موجب خیر و برکت سمجھتے تھے بلکہ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان مسلمان کی حیثیت سے حالات زمانہ سے مکمل طور پر باخبر رہ کر اور مشکلات کا مروانہ وار مقابلہ کر کے آزاد اور خوددار ملت کی صورت میں آگے بڑھیں اور ان کا مستقل وجود ہمیشہ قائم رہے۔ (۲۲۰)

اہل سنت و جماعت کا موقف

وسط رجب ۱۳۳۹ھ / مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیت العلماء ہند کا سالانہ اجلاس ابو الکلام آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا قرار پایا۔ اختیارات میں اس امر کی نشاندہی کی گئی کہ ہم مخالفین تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت پر اتمام حجت کرنا چاہتے ہیں اس موقع پر "اتمام حجت تہ" کے عنوان کے تحت جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی جانب سے ستر سوالات پر مشتمل ایک اشتہار شائع کیا گیا۔ مذکورہ جلسہ کے انعقاد سے تین دن قبل ایک وفد نے یہ اشتہار جمعیت کے ناظم کے پاس پہنچایا۔ کافی محنت و تشدد اور خط و کتابت کے باوجود ابو الکلام آزاد اور ان کے ساتھی کئی کھڑاتے رہے۔ بالاخر علماء اہلسنت اپنے بڑا دواں عقیدت مندوں کے ہمراہ جلسہ گاہ میں پہنچے تاکہ شرعی مسائل پر عوام کے سامنے رو برو بات چیت کر سکیں۔ منتظرین جلسہ نے مجبوراً صرف مولانا پرویز سید سلیمان اشرف کو پیشکش مت کا وقت دیا۔ پرویز صاحب کی تقریر سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

"مسئلہ خلافت و تحفظ دیانت اہل مسکن مقدسہ اور ترک موالات یہ وہ مسائل ہیں جن میں نہ صرف یہ فقیر بلکہ تمام علمائے کرام نہیں بلکہ تمام عامہ مسلمین ہمیشہ متفق اللسان ہیں۔"

"سلطنت ترکی ہماری دینی بھائی اس پر اسلامی سلطنت اس پر اسلام کی قوت دفاعی پھر حرمین شریفین کی خادم و محافظ ہیں ان کی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمان ہند بلکہ تمام مسلمان عالم پر بقدر استطاعت فرض ہے۔"

"میرا و نیز دیگر علمائے اہلسنت و جماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ میں بزرگ نہیں بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ آپ ہندوؤں سے موالات برکت ہیں اور مسلمانوں کو حرام و نکرات کا مرتکب بناتے ہیں۔" (۲۲۱)

"آپ حضرات نے بد اقتدار کو موالات کا مترادف قرار دیتے ہوئے بے شمار اقوال و افعال نکرو حرام کا ارتکاب کیا اور مسلمانوں کو اسے عین قبل حکم الہی بتایا۔" (۲۲۲)

"آپ نے فقہ لکھا، گاندھی کی بے ایک دو جگہ ایک دو بار نہیں بلکہ بیسیوں جگہ بیسیوں بار بکری کہ مہنگا گاندھی کی ہے جس طرح صلیب علامت تثلیث ہے، کیا فقہ علامت شرک نہیں، کیا آپ کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ شرک کی علامت فقہ اپنی پیشانیوں پر لگائے، آپ ہمارے سامنے سب سے دھیمہ کے مظالم بیان کر کے ہمارے جذبات ابھارتے ہیں مگر کیا

ہندوؤں نے آدھ شاہ آباد، کنار پور وغیرہ میں قربانی بند کرنے کے لئے ایسے ہی مظالم نہیں کئے، قرآن مجید نہیں چھائے، عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی، مسلمانوں کی جانیں نہیں لیں، مسجدوں میں بے ادبیاں نہیں کیں۔" (۲۲۳)

"فرض مقامات مقدسہ و خلافت اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں خلاف نہیں، ہندوستان کے مفاد کی کوشش کیجئے، اس سے ہمیں خلاف نہیں، خلاف ان حرکات سے ہے جو آپ لوگ متانی و مخالف دین کر رہے ہیں، ان حرکات کو دور کر دیجئے، ان سے باز آئیے، ان کی روک تھام کیجئے، عوام کو ان سے باز رکھئے، تو خلافت اسلامیہ و ممالک مقدسہ کی حفاظت، ہندوستان کی ملکی مفاد کی کوششیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں۔" (۲۲۴)

"مسلمان گاندھی یا کسی اور کے پس منظر اور شیعہ میں ہو سکتے، کسی کے جھنڈے کے نیچے نہیں آ سکتے، البتہ اگر کوئی غیر مسلم ملکی مفاد کے لئے ہمارے جھنڈے کے نیچے آ کر ہماری زیر سیادت کوشش کرے تو ہم اس سے کام لے سکتے ہیں۔" (۲۲۵)

مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر فرمایا:

"حرمین شریفین و مقامات مقدسہ و ممالک اسلامیہ کی حفاظت و خدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدر وسعت و طاقت فرض ہے، اس میں ہمیں خلاف نہ ہے نہ تھا، اسی طرح سلطان اسلام و جماعت اسلامی کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے نہ تھا، تمام کفار و مشرکین و نصاریٰ و یسود و مرتدین وغیرہم سے ترک موالات ہم ہمیشہ سے ضروری و فرض جانتے ہیں۔ ہمیں خلاف آپ حضرات کی ان خلاف شرع و خلاف اسلام حرکات سے ہے

جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت کے ستر سوال بنام اتمام حجت تہ آپ کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کے جواب دیجئے، جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنی رجوع شائع نہ کر دیں گے اور ان سے عہدہ برا نہ ہو لیں گے، ہم آپ سے طبعہ ہیں اور اس کے بعد خدمت و حفاظت حرمین شریفین و مقامات مقدسہ و ممالک اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔" (۲۲۶)

حضرت صدر الافاضل مفتی محمد نسیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں سے بھی یہی تاثر ملتا ہے کہ مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور مقامات مقدسہ کے تحفظ کے سوال پر مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں تھا:

"قیامت لما نوازل (صحابہ) بلاد اسلامیہ کو نہ و بالا کر ڈالتے ہیں، مقامات مقدسہ کی وہ خاک پاک جو اہل اسلام کی چشم عقیدت کے لئے طویلا سے بڑھ کر ہے، کفار کے قدموں سے روندی جاتی ہے، حرمین شریفین اور بلاد

ظاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خلعہ میں پڑ جاتی ہے، مسلمانوں کے دل کیوں پاش پاش نہ ہو جائیں؟ ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے کہ خون کے دریا نہ برائیں؟ سلطنت اسلامیہ کی اعانت و حمایت خادم الحرمین کی مدد و نصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔" (۲۲۷)

ہندوؤں سے موالات

حضرت قبلہ عالم (پیر مر علی شاہ گولڑی) قدس سرہ نے ہندو سے موالات کے جواز کا انکار فرمایا بلکہ فرمایا کہ یہود اور مشرکین کی عداوت قرآن شریف میں صراحتاً مذکور ہے۔ پس ترک موالات ہندو اور انگریز اور یہود سب سے ہوئی چاہئے۔ تفریق اور ترجیح بلا مرجع ٹھیک نہیں، نیز آپ نے کھدر کے استعمال کو تسلیم نہ کیا اور فرمایا کہ نقد اور دین کی کتابوں میں ایسا کوئی حکم نہیں اور ذبح گاؤ کی قباحت کو آپ نے رد کیا۔ فرمایا: ذبح گاؤ کی خوبیاں اور فضیلت مذکور ہے، اس طرح آپ نے گاندھی کی تمام باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار فرمایا جس کی وجہ سے سب لیڈر آپ سے ناراض ہو گئے۔ (۳۲۸)

تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمتہ اللہ علیہ نے قوم پرست لیڈروں کی غلط اور غیر شرعی روش پر تنقید کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

”اس زمانہ میں وہ وہ واقعات ظہور پذیر ہوئے جو قیاس میں نہیں آسکتے تھے۔ شریعت مطہرہ نے تمام کفار و مشرکین سے ترک موالاة فرض کی ہے۔ کسی کافر کے ساتھ موت و محبت و دار و اتحاد روا نہیں رکھا لیکن لیڈر صاحبان آیات قرآنیہ کو غلط ہندو کے حق میں نافذ نہیں مانتے، ان کی دوستی و اتحاد بلکہ ان کی رضا میں فتا ہو جانے کو اپنی نایب مراد سمجھتے ہیں (۳۲۹) اور عوام کو اسی غلط راستے پر لے چکے ہیں جو شریعت و قرآن کے سراسر خلاف ہے، اس کے تلخ ثمرات آئے دن نظر کے سامنے آتے رہتے ہیں اور نیدار مسلمانوں کو خون کے آنسو دلایا کرتے ہیں۔“ (۳۳۰)

ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں:

”۱۹۳۰-۳۱ء میں جب خلافت کشمکشیں کانگریس میں ضم ہو گئی تھیں اس وقت بھی بتا دیا گیا تھا کہ ہندوؤں کی دوستی پر اتحاد خلاف قرآن خلاف عقل خلاف تجربہ ہے، مگر خود رائے لیڈر کب مانتے تھے۔ علمائے دین کے درپے آزاد ہو گئے۔ ان کی زندگی اور عزت کے لئے خطرے پیدا کر دئے، انہیں طعن طرح کے بتانوں سے قسم کیا، ان کے ساتھ وہ عداوت ہو گئی جو کسی سخت سے سخت کافر کے ساتھ بھی رہتا انہیں اپنی زندگی میں بھی نصیب نہ ہوا لیکن چند سال کے تجربات نے انہیں یقین دلایا کہ علماء برسر حق تھے۔ ہندوؤں کے ساتھ اتحاد اور ان پر اعتماد خطرناک اور تباہ کن غلطی تھی۔ آج اس اتحاد کے طلبدار مسٹر محمد علی، شوکت علی، سید حبیب اور دوسرے لیڈر ہندوؤں کی جیلے و قافیلوں کا روٹا رو رہے ہیں اور جو حضرات علماء نے فرمایا تھا“

ہو ہو ویسا ہی پا کر اتحاد کے ذہریلے اثر سے دور بھاگ رہے ہیں، وہی مولوی اور لیڈر جو گاندھی کی اطاعت فرض سمجھتے تھے، آج گاندھی کو مسلمانوں کا بدخواہ مان رہے ہیں۔“ (۳۳۱)

مولانا محمد حامد رضا خان رحمتہ اللہ علیہ نے اسلامی احکامات میں تحریف کرنے والے رہنماؤں پر ان الفاظ میں گرفت کی:

”ہندوؤں کے ساتھ اتحاد میں بلند آہنگیوں کی گلیں اور جمعیت العلماء کے جری فاسقوں نے ہندوؤں سے دواو و اتحاد کے جواز پر آیات پڑھنا شروع کر دیں اور آیات قرآنیہ کو اپنے دغا کے لئے بے محل پیش کیا باوجودیکہ قرآن پاک میں صراحت تھی کہ یہ اتحاد ممکن نہیں اور اس کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں تباہ کن ہے۔ یا ایہا النین اسوا الا تصنعوا بظانہ من دونکم۔ اے ایمان والو! اپنے فیروں کو رازدارانہ بناؤ (کیا پاکیزہ اور کارآمد نصیحت تھی، کاش ہم محل کرتے) (۳۳۲)

حضرت صدر الافاضل مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ نے نیز مذہب افراد سے میل جول اور تعلقات کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”۱۔ مذہبی حیثیت سے کفار کے ساتھ محبت و دار و اتحاد، دوستی و یک دلی تو مومن سے ممکن ہی نہیں، اگر ایسا ہے تو وہ مومن نہیں۔
۲۔ دوسری حیثیت مضمنی و ذاتی ہے۔ یہ محبت بھی اگر اتنی ہو کہ شہاز کفر کی نفرت دل سے کم ہو جائے اور شہاز اسلام کے ساتھ ان کے استہزاء پر راضی ہو تو یہ بھی منافق اسلام ہے۔
۳۔ اور اگر اس حد تک نہیں بڑھی جب بھی شان مومن کے خلاف و ممنوع ہے۔“ (۳۳۳)

۴۔ مجازی اور معمولی محبتیں میں محبوب کے دشمنوں کے ساتھ کھب کو نفرت ہو جاتی ہے اور دوست کا اور دشمن کا فرق نہیں ہو سکتا۔
۵۔ حتیٰ کہ قزاقوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں تو کس طرف تھکتے ہیں کہ مشرقی ایشیائی کی دولت سے مالا مال ہو کر کوئی دل کفار کی طرف مائل ہو سکے اور باوجود ایمان کے دل میں محبت کفار کی متھکتی رہے۔ (۳۳۴)

۶۔ ہم نے گھر گھر گھومنا ہے، ہر گھر میں جی جھگڑے

الزام کا جواب

انگریز پرستی کے الزام کا جواب دیتے ہوئے تاج العلماء مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”وہ کون سی بات ہے جس کی وجہ سے علمائے اسلام گورنمنٹ کے تحوہ



شہزادی مارکیٹ کان ۱۱۳۲
گلی نمبر ۶، خراس محلہ صدر بازار
لاہور کینڈٹ

کڑھائے
اور پیکو کا
تسلیم بخش مرکز

خان زری ہاؤس

ہے کہ آپ اپنے لئے اچھا لباس بھی پہنا سکیں۔ تو دوسرے امور کا سرانجام، جو اس سے کہیں زیادہ اہم ہیں، آپ سے کس طرح متصور ہو سکتا ہے۔ ایک کھدر کا کرتہ پہنے کے لئے آپ ولایتی سوئی اور ولایتی مشین کے محتاج ہیں اور کیا وجہ ہے کہ کھدر کے کپڑے مشین سے بنے جائیں۔ مشین کون سی ہندوستان کی بنی ہوئی ہے۔ چاہے تو یہ تھا کہ ولایت کے کارخانوں کے مقابل ایک کارخانہ ہندوستان میں ایسے وسیع پیمانے پر کھولا جاتا جو تمام ہندوستان کو اس کی ضرورت کے قدر بہتر سے بہتر کپڑا دے سکتا۔

جو کام مشینوں سے کیا جاتا ہے، اس کو ہاتھ سے کر کے یہ امید رکھنا کہ ہم مشین والوں کو شکست دے دیں، میرے نزدیک تو بہت ہی خام خیالی ہے۔" (۳۳)

دین کی بربادی

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ نیشنلسٹ لیڈروں اور مولویوں کے خلاف اسلام روئے کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"اس دور سے پچھتر عیسائیت میں جذب ہونے کے لئے مسائل شرعیہ میں طرح طرح کی تخریبات کی گئیں۔ آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے مطالب میں تحجب و غریب معنی آفرینیوں سے کام لیا گیا، اس دور جدید میں ہندوؤں کے لئے وہی باتیں کی جا رہی ہیں، مذہب کا بہت بڑا حصہ یورپ پر چھادور کیا جا چکا تھا، جو باقی تھا وہ نہایت قیاسی سے ایک "شریف قوم" نے پہلے ہی قدم اتار کر قریان کر دیا۔ اب کہ اہل ہند نے زبانی ہندوئی مسئلہ خلافت میں مسلمانوں سے ظاہر کی ہے، ایک دو ہندوؤں نے یہ بھی کہہ دیا کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ سردینے کو موجود ہیں، ان پر کیف نجات پر مسلمان تاسف و تحیر سے ہاتھ مل رہے ہیں کہ اب کیا باقی رہا ہے اس کے معاوضہ میں قریان کیا جائے۔" (۳۴)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

"مسلمانوں کا حقیقی نسب العین دین و مذہب اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے۔ دنیا ان کے پاس دین کی دولت اور مذہب کی خدمت کے لئے ہے۔ جب دین و مذہب ہی نہ رہا تو انہوں نے وہ سلطنت جو ایمان کے عوض ملے اور مدعا لغت ہے، اس حکومت پر جو اسلام سچ کر خریدی جائے۔" (۳۵)

حضرت صدرالاقاضی مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"سلطنت اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقامات مقدسہ بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدتر حال زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو کہ ہے، سلطنت اسلامیہ کی اطاعت و حمایت، خادم الحرمین کی ضرورت و مدد مسلمانوں پر فرض ہے لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو منتقل بنایا جائے اور دین و ایمان کو خیر باد کہہ دیا

دار نیچے گئے، کیا شعار اسلام کے بننے سے راضی نہ ہوتا، مسلمانوں کو مراسم شرک میں مبتلا ہونے سے روکتا، یہ خالص گورنمنٹ کا کام ہے یا اس کے علاوہ وہ گورنمنٹ کو کوئی امداد پہنچا رہے ہیں مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ خود غرض خوب جانتے ہیں کہ علماء کب مادی اور بے راہی کی کبھی حمایت نہیں کر سکتے، اس لئے وہ اپنے اغراض کو پورا کرنے کے لئے عوام کو علماء کی طرف سے بدعین کرنا ضروری تصور کرتے ہیں۔

جب علماء کی آواز عوام تک نہ پہنچے اور ان کو گورنمنٹی آدمی سمجھ کر کوئی ان کی بات کان لگا کر نہ سنے تو پھر گاندھی اور لیڈروں کا چادو چل جاتا کیا مشکل ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے شعار مذہب سے بیگانہ اور ہندوؤں میں جذب ہوتے چلے جاتے ہیں۔" (۳۶)

کونسلوں کے بائیکاٹ کا فتویٰ

حضرت صدرالاقاضی قدس سرہ رقمطراز ہیں:

"حقیقت العلماء ہند کے نمایاں کاموں میں ہندوؤں کے حسب خطاء فتوے دینا بھی ہے، کبھی کونسل کے بائیکاٹ کا فتویٰ ہے، کبھی جواز کا، جس وقت ان کے خدا وندان فوت (ہندو) کا جو خطاء ہے، اس وقت ان کے فتوے کا رخ اسی طرف ہو جاتا ہے۔" (۳۷)

کھدر کی تحریک

حضرت صدرالاقاضی قدس سرہ نے ایک تقریر میں فرمایا:

"کھدر کی تحریک پر مسز گاندھی اور ان کے ہمراہ کتنا بھی فکر کریں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تحریک ہندوستانوں کے حق میں سخت توہین ہے۔

حقوق ظلم کا دمار قابلیت پر ہے اور اس وقت ہندوستان کا برطانوی حکومت کے ارباب، سلا و کشا سے یہ مطالبہ ہے کہ ہم بہت لائق فائق ہو گئے ہیں اور ہماری قابلیت اتنی (حق) کر گئی ہے کہ اپنے ملک کا نظم و نسق ہم اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اپنا کام اختیار کی مساوت کے بغیر چلائیں، اس دعوے کو کھدر کی تحریک نہایت مشکل اور کمزور کرتی ہے۔

ہندوستان کی شورش کا دنیا کے مذہب اور متدین ممالک میں بڑھا ہو رہا ہے، جب ان کے علم میں آئے گا کہ وہ ولایتی کپڑے کا بائیکاٹ کرنے کے لئے کھدر کی تحریک کی گئی ہے تو وہ ہندوستانوں کو کس ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔ جو کپڑا ان ممالک میں جانوروں کی جھولوں کے قابل بھی نہیں سمجھا جاتا وہ اس ملک کے دھرمیہ ارادان حکومت و علمبرداران حریت کا لباس ہو، اس سے ان کی نگاہوں میں اہل ہند کی کیا وقعت آئے گی اور ان کی قابلیت کی نسبت وہ ہجر اس کے اور کیا رائے قائم کس گے کہ ابھی تک ہندوستان صنعت و حرفت سے ایسا تاملہ اور اپنے ضروریات زندگی نیم پہنچانے سے اس قدر عاجز ہے کہ وہ ولایتی کپڑے کا بائیکاٹ کرنے کے لئے ایسا ذلیل لباس اختیار کرنے پر مجبور ہوا اور حقیقت میں اتنی قابلیت ہی نہیں

جائے جس کو ہندو اپنے خیال میں غیر ملکی سمجھتے ہیں یا نہ بتی کر ڈالا جائے یا دین و ملت سے مرتد کر کے غلام بنا لیا جائے اور اچھوت قوموں کی طرح کتوں اور موذی جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جائے۔ یہ سواراج آریہ قوم (ہندوؤں) کو جان سے زیادہ عزیز ہے اور وہ اپنی جائیں اس کی بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار ہیں۔ (۳۳۳)

سواراج حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے والے نیشنلسٹ لیڈروں اور مولویوں پر گرفت کرتے ہوئے حضرت صدرالافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

”ہندوستان زمانہ میں تحریک سواراج نہایت زور شور سے چلی اور ملک نے عاقبت بنی و دوراندیشی کو بالائے خالق رکھ کر ایک غولٹا چا دیا اور مدہوش ہو کر ایسے غیر عاقلانہ افعال کئے جن کے تلخ ثمرات اب تک اٹھانے پڑ رہے ہیں۔ سواراج کے معنی ہندو راج تھے اور ہندوؤں نے مسلمانوں کو حکومت سے لڑا دینے کے لئے مورچہ پر رکھ لیا تھا۔ حتیٰ کہ گورنمنٹ سے مقابلہ کے لئے جو تحریک تھی، اس کا نام عربی ترک موالات تجویز کر کے یہ بات گورنمنٹ کے خاطر نشین کرنی چاہی تھی کہ حکومت سے جنگ و مقابلہ مسلمانوں کی طرف سے ہے اور حکومت کے لئے جو تجویز کیا تھا وہ اپنی پرانی غیر رائج زبان کا لفظ سواراج تھا، یہ مطلب تھا کہ حکومت کے سختی تو ہندو اور بھینٹ چڑھانے کے لئے مسلمان، کتنے مسلمان ان ہنگاموں میں مارے گئے، کتنے اپنے اختیار سے بے روزگار ہو گئے، ان کی معاش خراب ہو گئی اور ہندوؤں نے ان کی جگہ پر قبضہ بنائے۔ غالب علموں نے اسکول چھوڑ دیئے اور پھر چلے چلائے ایک ہجرت کا شوشا چھوڑ کر کتوں کو بے خانمان کر دیا اور اس سواراج کی بدولت مسلمانوں نے وہ وہ ناکرہنی افعال کئے کہ خدا کی پناہ، مسلمانوں کو ہندوؤں کی دوستی پر وہ اعتماد تھا کہ جس کی انتہا نہیں، وہ سمجھ رہے تھے کہ سلطنت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہے، وہ ایک بار کی طرح ہمارے گلے میں ڈال دیں گے لیکن توڑے ہی زمانہ کے بعد یہ سارا ظلم ٹوٹ گیا اور ماتحتی صدر ہم اکبر (اور وہ جو سینے میں پھپھانے ہیں وہ بڑا ہے) اور اولاد تجوہیم و لاجوہیم (تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے) اور ان تمہیکہ مستہ تمسنو ہم وان تمہیکہ سنہم یفر حواہیا (تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے) اس پر خوش ہوں، جو قرآن پاک نے فرمایا تھا، ہو ہو بروئے کار آیا، علماء کرام پہلے بنا رہے تھے اور باوازا بلند پکار رہے تھے کہ یہ اعتماد نہیں تھا، ہے، دھوکا ہے، اس کا انجام خراب ہے، اس کا نتیجہ خطرناک ہے لیکن اس وقت

جائے، اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر ”بھا ہے“ درست ہے، پکارتے، مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو نام بنے ہوئے آگے آگے ہیں، کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور لگائے کا سہہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، اسلامی شعار سنانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں قربانی پر تشہیح کر کفر کا شمار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں جتوں پر پھول اور بریڈیاں چڑھا کر قہید کی دولت برباد کی جاتی ہے۔ گروہوں کی سختیوں کو دین پر فدا کی جائیں مگر دین کو کسی سلطنت کی طرح برباد نہیں کیا جاسکتا۔“ (۳۳۴) ”میر جس شرم“ ”سب سے سوسے“ ”میر“ ”ایک اور مقام پر یہی معنی قوم لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کی بنیادی کمال کو پہنچ گئی، نفاذی کے ساتھ ہوئے تو اندھے ہو کر موافقت کی، بلاد اسلامیہ میں جا کر لڑے، مسلمانوں پر تلواریں چلائیں، ان کے ملک ان سے چھین کر کفار کو دلانے، اب اس خود کردہ کا علاج کرنے چلے اور شے بعد از جنگ یاد آیا تو ہندوؤں کی غلامی میں دین برباد کرنے پر تہی گئے۔“ (۳۳۵)

تعلیمی ادارے اور ملازمتیں

ابوالبرکات حضرت مولانا سید محمد فضل شاہ مجاہد تھیں جلاپور شریف رحمۃ اللہ علیہ تمنا رکھتے تھے کہ مسلمان علوم و فنون میں ماہر و یکتا بن جائیں، اس لئے آپ کس طرح اس بات پر آمادہ ہو سکتے تھے کہ مسلمان علماء تعلیمی اداروں سے متعلقہ کریں، درحقیقت ایک مسلمان تعلیمی لحاظ سے پہلے بھی پسماندہ تھے۔ اسی طرح آپ چاہتے تھے کہ مسلمان پھر امور حکومت کو سرانجام دینے میں اپنے آباء اجداد کی طرح بہترین قابلیت کا ثبوت دیں تاکہ وقت آنے پر وہ اپنی سلطنت کو بحال کیں، اس لئے وہ برکیز برکیز اس بات کے ہم خیال نہیں تھے کہ مسلمان فوج، پولیس اور دیگر سرکاری ملازمتوں کا بائیکاٹ کریں۔ (۳۳۶)

سواراج

تاریخ العلماء مفتی محمد مرصعی قدس سرہ سواراج کے مقاصد پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”سواراج کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان سے ہر اس شخص کو نکال دیا

سٹیڈی سٹیلرز

گلی نمبر ۶۶، برار محلہ صدر بازار لاہور کینٹ

الخیاط الحشک تیر

ہندو ذہنیت

حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد مٹی تاج الدین احمد تاج مرحوم ہندو ذہنیت کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”ہندوؤں کے باورچی خانہ میں اگر کتا چلا جائے تو باورچی خانہ بلیا نہیں ہوتا لیکن اگر مسلمان کا سایہ بھی پڑ جائے تو باورچی خانہ ناپاک ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمان مٹیچہ جو ٹھہرے۔ ایک ہندو طوائف کی دکان پر جا کر مسلمان ایک ذلیل بھٹی کی طرح سودا خریدتا ہے اور کسی مسلمان کی خدمت نہیں کرے ہندو کی کسی چیز کو ہاتھ لگا کرے۔“ (۳۳۷)

اسلام پر نازیبا محلوں کا ذکر کرتے ہوئے محترم تاج الدین صاحب رقمطراز ہیں:

”پروفیسر رام دیو نے پچھلے ہفتہ آریہ سماج لاہور ”گورو کل باری“ جیل میں ایک تقریر کی ہے جس میں انہوں نے اس بات پر بحث کی ہے بلحاظ صداقت کون سا مذہب دنیا میں قائم رہ سکتا ہے اور کس مذہب کو قبول کر سکتی ہے؟ چنانچہ اس نے بد مذہب اور عیسائی مذہب کی حالت بیان کرتے ہوئے ”اسلام کی حالت“ کا عنوان دے کر لکھا ہے کہ ”تیسرا مذہب اسلام ہے“ اس میں شک نہیں کہ اسلام کو جہالت کے مقابلہ میں ان قوموں میں بہت کامیابی ہوئی ہے کیونکہ ان میں رنگت کی نفرت کام نہیں کرتی مگر یہی سب کچھ نہیں مسلمانوں کا اپنا رنگ سفید نہیں“ اس لئے یورپ کی مشکلات کا حل ان سے نہیں ہو سکتا چنانچہ تمام مسلمانوں کا اگرچہ خیال ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے مگر مسٹر خدا بخش ایم اے جو ایک تعلیم یافتہ مسلمان ہیں اور کئی کتابیں لکھ چکے ہیں ”اپنی کتاب میں قرآن ثابت لکھتے ہیں کہ وہ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محض ایک ڈاڑھی ہے جس میں جو باتیں ان کی طبیعت میں آتی تھیں“ وہ درج کرتی گئی ہیں ایک اور تعلیم یافتہ مسلمان لیڈر سید امیر علی اپنی تصنیف ”سپر آف اسلام“ میں لکھتے ہیں کہ قرآن میں فرشتوں کا جو ذکر ہے وہ محض حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وہم اور شاعرانہ تاڑک خیالی تھی ورنہ قریش درحقیقت کوئی چیز نہیں“ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک بیٹی غلطی کی کہ جب قریشوں نے ان سے کہا تھا کہ ہمارے بیٹوں دیوتاؤں کو مان لو تو ہم تمہارے خدا کو مانیں گے تو انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے مان لیا“ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قانون غم و وحشی عروں کے لئے ایسے تھے۔ میں بھی مانتا ہوں کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم نے عرب کے وحشیوں کی حالت کو بہت سدھارا مگر اب وہ بعد از وقت ہیں اور قرآن کل سائنس کے معاملہ میں کی گنجائش نہیں۔“ (۳۳۸)

آگے چل کر کہا:

نہ تھا علماء کی مخالفت کی جاتی تھی بلکہ ان پر تحرا کیا جاتا تھا“ ان سے عداوت کی جاتی تھی“ انہیں ہر طرح ستایا جاتا تھا“ ان کی ایذا رسانی میں کمی نہیں کی جاتی تھی“ لیکن زمانہ نے کوٹ پٹی تو ظاہر ہو گیا کہ ہوا وہی جو وہ فرماتے تھے“ اس خوبصورت و دلکش پروے کے پیچھے وہی خونخوار درندے لگے جن سے علماء ڈرا رہے تھے“ ایک ایک بات ان کی حق ثابت ہوئی اور آج آپ دیکھ لیجئے کہ وہ سوراخ کیا مٹی میں لا رہا ہے“ وہ ہندو جن کے عشق میں آپ مر رہے تھے اور جن کے اتحاد پر آپ مر رہے تھے اور جن کے اتحاد پر آپ مغمور تھے“ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہیں“ ان کو کسی درندے سے کسی جانور سے کسی دشمن سے وہ عداوت و عناد نہیں ہے جو مسلمانوں کے پیچھے سے ہے۔ وہ مسلمانوں کو ذبح کر کے ملک کو تباہ کرنے کے لئے خالی کر لیا چاہتے ہیں“ اتحاد کے دعوے کرنے والے لیڈروں میں سے کوئی بھی اس فتنہ و فساد کو روکنے کے لئے آگے بڑھا“ ہندوؤں کو اس بھانکاری سے باز رکھنے کے لئے گاندھی اور ان کے ہمنواؤں نے کوئی بھی قدم اٹھایا اور کچھ بھی کارآمد کوشش کی“ یہ کچھ نہیں لیکن اتنے نقصان اٹھا کر مٹیچہیں جمیل کر اب مسلمان کہے کہ وہ سوراخ ہندوؤں کا درجن اور مسلمانوں کے لئے آفت و آزار تھا۔ مگر بعض طرار بعض خود غرض چاہ پسند بعض قوم فروش اب بھی اپنے سر میں سوراخ کا سودا رکھتے ہیں“ مسلمانوں کو اپنے عقیدے کا بلند آہنگی سے اعلان کر دینا چاہئے کہ ہم سوراخ (ہندو راج) کے مخالف ہیں“ اس کو اپنا ہلاکت سمجھتے ہیں“ کوئی بھی سوراخ کا حامی ہمارا غلام اور ہمارا ترجمان نہیں۔“ (۳۳۹)

خلیفہ یا سلطان

حضرت قبلہ عالم (پیر مر علی شاہ گولڑوی) قدس سرہ اور بعض دیگر علماء و راہجن ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم ان حضرات کی عمل ہمدردی اس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی جب تک ان کی انقلاب پسند جماعت نے برسرِ اقتدار آکر اس بات کا اعلان نہ کر دیا کہ ہماری حکومت کا کوئی مذہب نہیں (۳۴۰)

حضرت قبلہ عالم قدس سرہ کا ارشاد تھا کہ صحیح حدیث کی رو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تمہیں ہی تک اسلامی خلافت (راشدہ) قائم رہی۔ بعد ازاں سلطنت ہو گئی تھی جس کے لئے حدیث شریف میں ”موصوفیت“ اور جبر کا مفہوم آیا ہے۔ اگر مذہب اسلام ایسی سلطنت کو خلافت جاری ضروری قرار دیتے ہوئے اس کے جواز کی ذمہ داری قبول کرے تو مزید ابن معاویہ اور منصور عباسی بھی سلاطین جاہلہ کی بجائے خلفائے نبوی قرار پائیں گے اور حضرت امام حسین اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما جو ان کے حکم سے شہید کئے گئے“ معاذ اللہ باقی کلماتیں گے۔

(۳۴۱)

ہوں ہوا کریں گے" (۳۵۳)

ہندوؤں کو ممبر بنی پر بھانے کی جہالت کرنے والے قوم پرست لیڈروں اور مولویوں پر گرفت کرتے ہوئے پروفیسر مولوی سید محمد سلیمان اشرف رقمطراز ہیں: "مسلمانو! ذرا انصاف سے کام لو" تم نے مساجد کی کیسے بے حرمتی اپنے ہاتھوں سے کی ہے۔ کیا مسلمانوں کو یہ مسئلہ معلوم نہیں کہ انیس و نیاک کا مسجد میں جانا شرعاً حجت ممنوع ہے۔ اہل ہندو کے مذہب میں بجز مسلمانوں کے وجود کے اور کوئی شے نہیں، علاوہ نجاست کفر و شرک کے وہ دیگر نجاست ظاہری سے آلودہ رہتے ہیں اور انہیں تمام مساجد میں لے گئے۔ ممبر یا کبیرہ جو ساری مسجد کا ایک ممتاز مقام ہے اس پر تم نے ہندو کو جگہ دی۔ تبلیغ و ہدایت کے لئے ان سے مضر ہوئے ذہن ایمان کو سامنے رکھ کر کہنا کہ ممبر کسی کی جگہ تھی اور اس پر سے کسی کی جدوائی متعین و تبلیغ بلند ہوئی تھی اور تم نے اس عقلیت کو کس بیداری سے پامال کیا، ہندو مساجد میں توحید کی آواز سننے اور شرکاء اعمال کی خطاکاری سمجھتے اور ہدایت پانے کے لئے آکر جاتے یا لے جاتے جاتے تو سو اور خطاکاری کا ایک بمانہ بھی تھا لیکن خاص خانہ خدا اور توحید کے مکان میں تبلیغ کی حیثیت سے ہندو کو سر بلندی بخشنا اس حدی کے بد ایمان اسلام کا خاصہ ہے۔"

(۳۵۳)

فریاد اسلام بھی اب ایک زمانہ ماضی کا مذہب ہو گیا اور سے تعلیم و تہذیب کو قتل نہیں دے سکتا۔ اس کے آخر میں آپ نے فرمایا: ایک دھرم تمام دنیا کی مشکلات کو حل کر سکتا ہے اور اس کا پرچار کر کے دنیا میں سوراہیہ ہی نہیں بلکہ چکر ورتی رائج حاصل کر سکتے ہیں۔" (۳۵۴)

صدر الافاضل حضرت مولانا مفتی محمد نعیم الدین مراد آبادی "مسلمانوں کے حق ہندوؤں کی سوچ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "خلافت کبھی کے ہندوؤں نے ہندوؤں کے اشاروں پر کسی جاننا یاں کیسے مگر ہندوؤں کی طرف سے جو سلوک ہوئے وہ آہ، شاہ تبار، کٹار پور و قیوم کے واقعات سے ظاہر ہیں، ہندوؤں کی نسبت یہ خیال کرنا کہ ان کے دل میں مسلمانوں کی طرف سے کوئی محبت پیدا ہو سکے گی، واقعات کی تکذیب اور خیال عام ہے۔ ہندو اپنا دھرم تو آتش جاتے ہیں لیکن مسلمانوں کے خون کے

پڑے ہیں۔" (۳۵۵)

مساجد اور ہندو

محترم مفتی تاج الدین احمد تاج مرحوم کا بیان ہے کہ: "اگر آباد کی سستی ہو کر میں بعض ہندو نے ایک بوڑھے مسلمان کو اذان دے کر نماز پڑھنے سے روکا اور جب وہ نہ دکا اور حسب عادت قدیم اذان دینا رہا تو اسے زور سے کہا گیا اور اس سختی کی وجہ یہ بتائی کہ ہمارے دیوتا اذان سے ناراض ہوتے ہیں" (۳۵۶)

تاج الدین صاحب ایک اور جگہ رقمطراز ہیں: "سورت میں ایک پرانی مسجد کو جو سمار حالت میں تھی، میونسپلٹی نے پاخانہ بنانا چاہا، مسلمانوں کو خبر ملی تو انہوں نے مسجد کی زمین خرید لی جہاں مسجد کے عرصہ میں داخل کر دیا مگر ہندوؤں نے یہ درخواست نہ منظور ہونے دی۔ پھر ایک واقعہ بمطرح کا ہے: ایک ایک ہندو ہر گودھ داس بی اے ایل ایل بی وکیل نے مسلمانوں کو ہندو اسم اتحاد کا واسطہ دیکر اپنا طرفدار بنایا اور کہا کہ میں آپ کے مذہبی بات کا پیش خیال رکھوں گا، چنانچہ جب مسلمان ممبروں کے دونوں کے محل آپ میونسپلٹی بمطرح کے پریذیڈنٹ ہو گئے تو چوموتی ہی ایک مسجد کی زمین خریدنے کا ردعمل میں کبھی سے پاس کر دیا" (۳۵۷) ضمیمہ ۱

ہندوؤں کے عزائم کا ذکر کرتے ہوئے محترم تاج صاحب تحریر فرماتے ہیں: "۳ مارچ ۱۹۸۷ء کو آریہ سماج دہلی لاہور گورنمنٹ کالج لاہور کے ایک ممبر رام دیو نے اپنے شرارت انگیز اور خونی پتھر کے دوران میں اس طرح کے اندرونی مشغہ پردازیاں اور منصوبوں کا اظہار کیا۔

"آج ہمارے لئے خوشی کا دن ہے کیونکہ آریہ سماج کی اس دن فتح ہوئی ہے، تاریخ کے ورق گردانے کے تو دیکھو گورو گوند سنگھ کو مسلمانوں نے کسی کیس میں پھانسی دی، پھر انہیں مسجدوں کے گردوارے بنائے گئے، اسی طرح ایک دن آئے والا ہے کہ تمام مسجدیں آریہ مندر بنائی جائیں گی اور ان میں

جیلانی
بلاسٹک

بلاسٹک کی دنیا میں مت اہل اعتماد
اور جب نامیچا نام

جاوید انٹرنیشنل پرائیویٹ لمیٹڈ

۱۹۲-بی ٹمبر مارکیٹ راوی روڈ لاہور
فون: ۲۰۴۳۹۳-۲۰۴۲۹۳-۲۰۴۲۹۵
فون: ۸۷۴۸۵۶

غیر شرعی حرکتیں

پروفیسر سید محمد سلیمان اشرف غیر شرعی حرکتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”مسلمان خود منکروں میں گئے، مساجد چھوڑ کر وہاں نمازیں پڑھی گئیں، دعا مانگی گئیں، کیا بت خانہ میں عبادت کا زیادہ ثواب ہے یا منہ خانہ میں دعا قبول ہوتی ہے؟ اس سے زیادہ ستم تم نے یہ کیا کہ ہندوؤں نے نہیں چندن کا ٹیکہ لگایا، تمہاری بیہین توحید پر شرک کا مقصد کھینچا کیا، ستیا گرہ کے دن مسلمانوں نے گاندھی کے حکم سے روزہ رکھا۔ یہ سارے مظالم مسلمانوں نے پاک مذہب اسلام پر اس لئے نازل کئے کہ برا متقی دولت بل پر مسلمانوں کا متعلق اللہ ان ہوتا ثابت ہو جائے۔ ابھی تک خلافت کینی کی بنیاد بھی نہیں پڑی تھی۔ ہندوؤں کا زبانی ترانہ ہندوئی آپ کے کانوں تک پہنچا بھی نہیں تھا لیکن جوش اتحاد پر آپ کو مرکز توحید سے بید کر رہا تھا اور جذب کی کشش پر لہر قوی تر ہوتی جاتی تھی۔ پچھلے پچھلے خاص حلقوں میں اہل ہندو کے ساتھ عقد اتحاد کی گفتگو شروع ہو گئی۔ آج سے چار برس قبل ایک روشن خیال لیڈر نے ایک تحریک مربع نص قرآن کے خلاف پیش کی تھی، اب اس کی تائید میں آوازیں اٹھنے لگیں لیکن وحشت عوام کا لحاظ کرتے ہوئے مناکحت کی صدا دہی اور محدود حلقہ میں رکھی گئی۔ ویہ المای کتاب تسلیم کر لی تھی۔ کرشن جی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لقب مان لیا گیا، ثبوت میں رسالہ لکھا گیا، اشاعت کے لئے عوام کا ذرہ ایمان و اسلام ابھی مانع ہے۔ اس طرح پہلے ہی قدم پر مسلمانوں نے اپنے ملکی بھائیوں کو مشرکین اور بت پرستوں کی صف سے نکال کر اہل کتاب کی صف میں لا کر داخل کر دیا۔ ملی الاطمان بار بار نمائش پر زور الفاظ میں یہ اقرار کیا گیا کہ سب سے پہلے ہم ہندوستانی ہیں، اس کے بعد جو کچھ بھی ہیں، سوچیں، مادر وطن کا خطاب ملک ہند کے لئے اور فرزند ہیوت کا لقب اپنی ذات کے لئے مسلمانوں کا ٹیکہ کلام بن گیا“ (۳۵۵)

”بھائیوں جیسے شہر میں ایک جلسہ منعقد ہوتا ہے، ایک معزز ہندو یہ تحریک پیش کرتا ہے کہ امسال رام لیا مسلمان بھائیوں متائیں اور عزم میں تعمید داری ہندو کریں گے، کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی جو کھڑے ہو کر اس کی اشاعت از روئے مذہب بیان کرتا، ہولی کے موقع پر خوب مسلمانوں نے ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ صیفہ اللہ و من احسن من اللہ صیفہ، یعنی اللہ کا رنگ اور اللہ کے رنگ سے بہتر کس کا رنگ ہے“ اسے چھوڑ کر ہولی کے رنگ سے کپڑے رنگیں گئے گئے“ (۳۵۶)

تخریبی کارروائیوں کا مقابلہ

جن قوم پرست لیڈروں اور مولویوں نے مسز گاندھی کی آواز پر لبیک

کہا، وہ شب و روز اس کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے، انہوں نے حصول مقصد کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کیا، یہاں تک کہ جن محترم شخصیتوں نے مسلمانوں کے مفاد کی خاطر گاندھی کی ہاں میں ہاں ملائے سے گریز کیا، انہیں من گھڑت الزامات لگا کر اپنے ہندو ساتھیوں کی مدد سے نہ صرف ہد نام کیا بلکہ ان کے جلسوں کو درہم برہم اور قاتلانہ حملہ کرنے کا تاگوار فریضہ بھی سرانجام دینے لگے، علامہ سید محمود احمد رضوی مدظلہ العالی راوی ہیں۔

”والد قبلہ (سیدی علامہ ابوالبرکات سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے، حالت اس درجہ ابتر تھی کہ والد محترم مولانا سید دیدار علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اور مجھے ہندو و مسلم اتحاد کی مخالفت کی وجہ سے کالیاں دی جاتی تھیں، انگریز کا ایجنٹ کہا جاتا تھا، علماء اہلسنت کے جلسوں کو درہم برہم کرنے کے لئے سازشیں کی جاتی تھیں۔ ایک دفعہ جامع مسجد آگرہ کے ایک گوشہ میں کانگریس کی تردید کے لئے منعقدہ جلسہ میں حضرت امام اہل سنت (والد محترم) علیہ الرحمۃ تقریر فرما رہے تھے اور دوسرے گوشہ میں ہندو مسلم اتحاد کے حق میں کانگریسی علماء کا جلسہ تھا، کانگریسیوں نے مسجد کے دروازہ پر شد کی کیموں کے بندھ کو چھیڑ دیا تاکہ ہمارے جلسہ میں افراقی پھیلے، شد کی کیمیاں جھنڈا کر ہمارے جلسہ پر حملہ آور ہونا ہی چاہتی تھیں کہ میں نے اعلان کیا کہ سب مسلمان جیسی اللہ و نعم الوکیل کا ورد کریں، چنانچہ اس وعیفہ کا ورد کیا گیا تو اللہ کی شان، شد کی کیمیاں کانگریس کے جلسہ کی طرف لوٹ گئیں اور ان کا جلسہ درہم برہم ہو گیا“ (۳۵۷)

مولانا ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ان کے تلمیذ اور مشہور ادیب مولانا ماسد مظفر الدین صاحب مرحوم لکھتے ہیں:

”جن دنوں ہندو مسلم اتحاد کا غلطہ تھا، ہمارے بڑے بڑے لیڈر ہٹ گئے تھے لیکن سید صاحب اور ان کے بزرگوں نے اشتقامت کی راہ ترک نہ کی، پوری قوت سے اس غلطے کا سد باب کیا، اسی سلسلے میں آپ پر بھڑے حملہ بھی کیا گیا، آپ زخمی بھی ہوئے لیکن اللہ نے آپ کو محفوظ رکھا“ (۳۵۸)

ہندے ماترم، گاندھی کی جے وغیرہ پر فتویٰ

ایک سائنس نے علماء کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ آیا مسلمانوں کو اس قسم کے ہندوانہ نعرے (ماساتما گاندھی کی جے، بھارت ماتا کی جے، ہندے ماترم) لگانے جائز ہیں یا نہیں، اس سوال کا پہلا جواب مفتی محمد کفایت اللہ نے دیا، انہوں نے ایسے نعرے لگانے کے جواز میں فتویٰ دیا اور مسلمانوں کو یہ نصیحت بھی فرمائی کہ وہ اس الجھن میں نہ پڑیں بلکہ اس سوال کا دوسرا جواب مفتی اعظم حضرت شاہ مظفر علیہ الرحمۃ نے عنایت فرمایا، حضرت موصوف نے مفتی محمد کفایت اللہ کا تعاقب کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا، وہ

مہمانہ بصیرت اور قیامت مہارت کا شاہکار ہے۔" میں اس تاریخی فتوے کو پیش کیا جاتا ہے:

"گاندھی کو مہانتا کہنا اور اس کی فتح کے سرب لگانا شرعاً ناجائز و حرام ہے کہ مہانتا کے معنی ہیں روح اعظم اور روح کا اطلاق قرآن پاک میں جان پر بھی آیا ہے اور وحی پر بھی اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کو بھی یہ لقب عطا ہوا ہے اور حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہ السلام کو بھی۔ لیکن ان معانی والقباب پر نظر کرتے ہوئے اس کے یہ معانی ہوں گے کہ تمام جانوں میں بڑی جان بلکہ حق تبارک و تعالیٰ کی وحیوں میں بنی وحی یا حضرت عیسیٰ و حضرت جبرئیل علی نبینا وعلیہم السلام سے بلند مرتبہ۔ اب مسلمان خود ہی خود کر لیں کہ جس لفظ کے یہ معانی ہوں، اس کو ایسے شخص کے لئے جس کو خصوص تعلیم میں دلیل سے دلیل بتایا گیا ہو کہ نکر استعمال کیا جا سکا ہے۔ اسی طرح کفار کی شان میں ارشاد ہوتا ان یضفونکم بکونواکم اعداء و یسطوا علیکم الہیوم والسیوم واولئک ینکولون (یعنی اگر کفار تم پر قابو پا لیں گے تو تمہارے دشمن ہو جائیں گے اور تم پر دست درازی اور زبان زدنی کریں گے اور وہ چاہتے ہیں کہ (ان کی مانند کسی طرح) تم بھی کافر ہو جاؤ) چنانچہ اس کا مشابہہ لیا جا رہا ہے کہ جب کبھی بھی ان کو قوت سہرا آتی، مسلمانوں کو تباہ کرنا ان کا پسند فرما رہا۔ اسی تحریک میں مدد کر لینے کے باوجود کہ ابھی کامیابی کی جھلک بھی نہیں دکھائی دیتی ہے لیکن ابھی سے یہ گمنا شروع کر دیا ہے کہ گاندھی کی ہے کے مقابل اللہ اکبر کے نمبر سے لگاؤ۔ وہ زمانہ گزر گیا جس میں ہم خاموشی کے ساتھ یہ نمونہ سنتے رہے۔ اب آپ نہیں لگا سکتے۔ دو روز ہوئے کہ جمعیت المذاہبہ چھوٹی (دعوت ہے پور) کا ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے تحریک نبیانیانے کی استدعا کی ہے اور تحریر کیا ہے کہ یہاں کے مشرکین مانع ہو رہے۔ قادیانی کی چوٹ کہہ رہے ہیں کہ مسلمان اب تو کلمہ ہمارے دو ہو نہیں چڑھ سکتے۔ وہ دن دور ہوئے جب وہ ایسے نادان اور ہوسے تھے کہ اس گل کے پتے کی تاب لا سکتے تھے۔ اب ان کو سمجھ آگئی، یہ کلمہ تو ہندو دیوتاؤں کی شان میں گستاخی ہے۔ اس کو پکارنا ہے، تو کہہ دیتے چلے جاؤ۔ ہمارے دہس میں اس کا کیا کام اتنی بلفظ اب شاید یہ کہا جاوے کہ یہ تمام ہندو کے اقوال نہیں، ان کا کیا اعتبار تو پھر وہ دار کا قول لیجئے، رسالہ شرمی سا جو میں ہمارے شرمی سید (دہلی) کے جہل سیکرٹری نے شرمی اور سوراج کے عنوان سے جو مضمون لکھا ہے اس کا ترجمہ بعض اخبارات نے چھاپا ہے جس کے چند الفاظ یہ ہیں:

اللہ اگرچہ سب سے بڑا ہے

"ہمیں تو جہاں حصول سوراہیہ کے میدان میں لڑائی کرنا منظور ہے وہاں ہم ان دھوکے دے کر قتل کرنے والوں اور ہودی نیروں سے بھی اپنے گھر کی حفاظت کریں گے جو سر ڈال کر چھپ کر ہمارے گھر میں غلبہ لگانے کی تاک میں بیٹھے ہیں۔ غرض اس حالت کو دیکھتے ہوئے اس تحریک کی فتح بائی (کہ وہی گاندھی کی فتح ہے) کے لئے نعرے لگانا اپنی بربادی پر نعرے لگانے کے معنی میں ہو گا اور یہ یقیناً حرام ہے۔

ہمارے ماتا کی ہے اور ہندو ماترم کے معنی اگر صرف مادہ ہند کی فتح ہی کے ہیں، تب بھی چونکہ یہ مشرکین کے خاص قومی نعرے ہیں اور ان کے شعار سے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو ان نعروں میں بھی شرکت کرنا شرعاً ناجائز نہیں۔" (۳۵۹)

سلطان ترکی کی معزولی پر رد عمل

مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"اگرچہ چرچہ پر نور مہانتا صدق پر کذابوں کے کذب کی نہایت وحشت ناک تہمتیں چھانیں اور روئے آفتاب حق پر باطل کی سخت بھیاک اور خوفناک تاریکیاں اور کالی کالی ڈراؤنی بدلیاں آئیں مگر ہمارے قلوب مختلف تعالیٰ مطمئن تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ یہ بھی کچھ روز کی ہوا ہے جو دم میں ہوا ہے، آخر کار وہی ہوا جس کا ہمیں شہادت سے انتظام تھا، وہ دن آ ہی گیا، وہ تہمتی دور اور تاریکی کا دور ہوئی اور حق کا بھگوان، چمکا دکھا پر نور چہرہ آفتاب نصف النہار کی طرح آنکھیں نہرو کرنا نکلا اور ایک عالم نے آنکھوں دیکھ لیا کہ حق یہ ہے اور باطل وہ تھا جو اس کے حضور ہم نہ سکا۔ پتا توڑ بھاگا، کب تک باطل قیام حق کو چھپاتے؟ تاکہ مجھے نہاب صدق کی آواز نہ سنے۔ آخر حق کی شاعروں نے ان باطل پردوں کو خاکستر کر ہی دیا۔ مجھے قیاموں کو جلا ہی ڈالا اور دنیا کو اپنا جلاہ جہان لپک دیا ہی دیا۔" (۳۶۰)

سنی بریلوی علماء و مشائخ اور انگریز

محمد اسماعیل بانی پی رتنپرا ہیں:

"چونکہ ۱۸۵۷ء میں پورے ہوش کے ساتھ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے وہ سب کے سب علماء کرام شامل تھے جو عقیدہ "مہتر سید احمد اور حضرت شاہ اسماعیل کے شدید ترین دشمن تھے اور جنہوں نے



نزد عزیز مارکیٹ
صدر بازار
لاہور کینٹ

احمد کلاتھ ماؤں

شامل کرنے کی کوشش کی جس جس والی ریاست سے ان کے ذاتی تعلقات و مراسم تھے۔ (۳۲۷)

حضرت مولانا غلام قادر بھیرودی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۷۹ء میں اورنٹیل کالج میں عربی کے نائب استاد مقرر ہوئے اور دو سال تک طلباء کو علم و فضل سے فیضیاب کرتے رہے۔ انہی دنوں انگریزوں کو ایک فتوے کی ضرورت پیش آئی، حدیث علماء نے صاف انکار کر دیا۔ کالج سے متعلق علماء سے رجوع کیا گیا تاکہ وہ تحفہ خوار ہونے کی بناء پر انگریز کے خفاء کے مطابق فتویٰ صادر کر دیں، مولانا غلام قادر بھیرودی کے سامنے دھمکا کرنے کے لئے فتویٰ پیش کیا گیا تو انہوں نے استعفیٰ پیش کر دیا اور فرمایا:

”میں ملازمت سے دستبردار ہو سکتا ہوں لیکن غلام فتوے کی تائید نہیں کر سکتا۔“ (۳۲۷)

۱۹۱۱ء میں جارج پنجم کے دہلی دیوار میں شمولیت کے لئے مذہبی چیواہوں کی سنگ میں حضرت قبلہ عالم (پیر سید مر علی شاہ کلوڈی) قدس سرہ کو بھی دعوت نامہ موصول ہوا۔ آپ نے جواباً لکھوایا کہ مجھے اس حاضری سے معذور رکھا جائے، حکومت کو اس انکار میں سیاسی اور انتظامی خدشات نظر آئے کیونکہ آپ صرف ہند و پنجاب کے ہی مذہبی چیواہ تھے بلکہ سرحدی پٹھانوں اور آزاد قبائل کے بھی پیر و مرشد تھے۔ کشنر راولپنڈی نے پہلے ایک پٹھان مجسمیت ڈپٹی مظفر خان کو اور پھر آپ کے ایک مخلص ارادت مند میاں شیخ احمد سکھ خٹہ گورمانی ضلع مظفر گڑھ کو آپ کی خدمت میں روانہ کیا۔ انہوں نے حضرت سے عرض کیا کہ آپ کو سز میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی، آپ کے لئے ریل گاڑی کا ایک علیحدہ ڈبہ ریزرو کرا دیا جائے گا اور صرف ایک دن کے لئے جبکہ شیشہ مذہبی رہنماؤں کا سلام لیں گے، آپ کو دربار میں جا کر اس کے حق میں دعا کرنا ہو گی مگر حضرت رضامند نہ ہوئے اور کشنر کی روکاوٹ پر تحریر فرمایا کہ میں ایک دودیشی ہوں اور دودیشوں کی حاضری درباروں میں کبھی مناسب خیال نہیں کی گئی۔ (۳۲۸)

حکومت پنجاب کی طرف سے برطانیہ کے ملک معظم سے استدعا کی گئی کہ سیال شریف کے روحانی و دنیاوی مقام و مرتبہ کے پیش نظر اس کے مجاہد نظیم کے لئے ”ہیزروئس“ کا خطاب پیش کرنے کی منظوری دی جائے۔ یہ خطاب سلطنت برطانیہ کا سب سے بڑا مذہبی اعزاز تھا جو بہت کم مذہبی راہنماؤں کو دیا گیا تھا۔ ملک معظم سے منظوری حاصل ہو گئی تو ایک سرکاری چٹھی کے ذریعہ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع دی گئی، کوئی اور ہو، تو فرما سرت سے اچھل پڑا مگر میاں تو انگریز کو حضرت خواجہ شمس العارین کے خانوادہ روحانی کے چشم و چراغ سے سابقہ پڑا تھا، حضرت خواجہ سب کو کوئی وہ ملا، آپ نے پڑے پڑے کر کے اس کو ذر آتش کر دیا اور کمال جلال عارفانہ سے ارشاد فرمایا:

”منور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلائی اور پیر پٹھان حضرت شاہ سلیمان تونسوی (نور اللہ مرقدہ) سے وابستگی میرے لئے سب سے بڑا اعزاز

حضرت شاہ اسماعیل کے مد میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں اور اپنے شاگردوں کو لکھنے کی وصیت کی ہے۔“ (۳۲۸)

نواب محمد صدیق حسن خاں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”زمانہ غدر میں سواروں اور سکنوں نے بعض مولویوں سے زبردستی جماد کے مسئلہ پر مہر کرائی، فتویٰ لکھا، جس نے انکار کیا، اس کو مار ڈالا اور اس کا گھر لوٹ لیا، سو وہ مہر کرنے والے اور فتویٰ لکھنے والے بھی غالباً وہی لوگ تھے جو اہل سنت اور اہل حدیث کو زبردستی وہابی نام رکھتے ہیں۔“ (۳۲۹)

ہفت روزہ ”اقدام“ لاہور نے سنی علماء و مشائخ کی جان بازی کا یوں اعتراف کیا ہے:

”شاہراں فرنگ نے جب مسلمانوں کے آخری پانچاں مجاہد سلطان شیخ شہید علیہ الرحمۃ کو اپنے راستے سے ہٹایا تو اب علمائے بریلی کے پانچاں مجاہدین کے سوا ان کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا، اس لئے کہ علماء دیوبند انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے مخالف تھے۔“ (۳۳۰)

امام احمد رضا فاضل بدلی کے پسندیدہ اور محبوب نعت گو شاعر مولانا کفایت علی صاحب کافی رحمۃ اللہ علیہ کی جرات و ہمدردی کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود الرحمن تحریر فرماتے ہیں:

”مولانا کفایت علی کافی صاحب علم و فضل اور سحر و نعت کے شاعر تھے، جب سن ستاون (۱۸۸۷ء) میں غیر ملکی حکومت کے خلاف قدم اٹھائے گئے تو انہوں نے بھی مسند علم اور بزم سخن کو چھوڑ کر جنگ آزادی میں روانہ وار حصہ لیا۔ انگریزوں نے جب مراد آباد پر قبضہ کر لیا تو دیگر مجاہدین کے ہمراہ یہ بھی گرفتار ہوئے اور انہیں چانسی کا حکم ہوا۔“ (۳۳۱)

ہند و پاک کے عظیم نقاد و دانشور ڈاکٹر سید محمد عبداللہ کی سرکردگی اور مہرانی میں پنجاب یونیورسٹی کے عظیم منصوبے ”اردو دائرہ معارف اسلامیہ“ میں مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بڑی انصاری نے لکھا ہے: ”۱۸۸۷ء میں انگریزوں کے خلاف مسلح بغاوت ہوئی تو مولوی فضل حق نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا۔ بغاوت کے الزام میں ان پر مقدمہ چلا اور عمر قید کی سزا پائی۔“ (۳۳۲)

مشہور مورخ رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں: ”وہ (علامہ فضل حق خیر آبادی) انگریزوں سے نفرت کرتے تھے اور انگریزوں کو ٹھانے کے لئے ہر معظم اور باقاعدہ تحریک میں حصہ لینے پر دل و جان سے آمادہ رہتے تھے، چنانچہ غدر جب شروع ہوا تو مولانا بے تامل شریک ہو گئے، وہ بار بار شاہ کے ساتھ ”مقرب اور مشیر“ تھے، ان کے دربار میں شریک ہوا کرتے تھے، انہیں اہم معاملات و مسائل پر مشورے دیتے تھے اور اس بات کے ساقی تھے کہ آزادی کی یہ تحریک کامیاب ہو اور انگریز اس دین سے عیش و عشرت کے لئے رخصت ہو جائیں، مولانا نے غدر میں دلیری اور جرات کے ساتھ علامہ حصہ لیا، انہوں نے متعدد والیان ریاست اور امراء ہند کو اس تحریک میں

ہے" اس اعزاز کے ہوتے ہوئے دنیا کا ہر اعزاز میری نظروں میں پچ ہے۔" (۳۶۸)

انگریز پرستی کے الزام کا جواب

سنی علماء و مشائخ پر انگریز پرستی کے الزام کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا، اگرچہ الزام لگانے والوں کو بھی یہ علم تھا کہ حقیقت اس کے برعکس ہے لیکن چونکہ ان کے پاس علماء کے ٹھوس دلائل کا جواب موجود نہیں تھا اس لئے انھیں مجبوراً غلط بیانی سے کام لینا پڑا، مولانا حامد رضا خاں نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

"ہاتھیں تحریک خلافت و ترک موالات کو گورنمنٹ کا آدمی اور ترکوں کا بدخواہ کہا گیا، تقریروں میں ان پر پستیائیں بھیگی گئیں، آوازے کسے گئے، پبلک کو ان کی مخالفت پر ابھارا گیا، ان کی عاقبت تنگ کر دی گئی، ان کی زندگی تلخ کر ڈالی گئی، ان پر طرح طرح کے بہتان باندھ کر ان کی آبروریزی کی کوششیں کی گئیں۔ انگریزوں کے مقابلہ کا تو نام سحر مخالفت علماء سے تھی، مسلمانوں کے کالجوں اور سکولوں سے تھی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تھی، خان بہادروں پر لعنتیں تھیں، آنریری مجسٹریٹوں پر تھیں۔" (۳۷۰)

تحریک خلافت کے جذباتی زور و شور، پھر اس کے الشاک انجام پر تبصرہ کرتے ہوئے قاضی بریلوی کے صاحبزادے مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفیٰ رضا خان قادری تحریر فرماتے ہیں:

"انسان کو چاہئے کہ بات کہنے اور کام کرنے سے پہلے اس کے مال و انجام پر نظر رکھے جس کا آخر حسن ہو، اسے اختیار کرے ورنہ نہیں، تیو سو برس کے اعلیٰ اتفاقی مسئلہ میں اختلاف کا حاصل سوائے مشیت و افتراق ہیں، المسلمین اور کیا تھا؟ ترکوں کو تو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچا، ہاں اختلافات مسلمین میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔" (۳۷۱)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"کچھ فائدہ تو نہ پہنچا سکے، ہاں مسلمانوں اور خود ترک بھائیوں پر امن و طمئن کی پرچھاڑ کا ایک حربہ نصاریٰ کے ہاتھ میں دے دیا (انگریز ملحد دیتے کہ مسلمانوں ہی نے خلافت ختم کر دی)۔ لیڈر تو ہم غیاء اہل سنت کو نصاریٰ کا طرقدار و رشوت خوار اور ترکوں کا دشمن بتاتے تھے، اگر نگاہ انصاف ہو۔۔۔ تو آنکھیں کھولیں۔" (۳۷۲)

سنی علماء و مشائخ کا کردار، مسلم زعماء کی نظر میں

ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے شیخٹ مولویوں اور لیڈروں کی اس کم فنی کی نشاندہی کی ہے کہ وہ ہندوؤں کے خبیث خلیفہ، منسوبوں اور سازشوں کو سمجھنے سے قاصر رہے جبکہ سنی علماء و مشائخ اور اہل اہل پند و اجہا ان

کارروائیوں کو پندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"یہ حضرات (قوم پرست مولوی اور لیڈر) شدت جذبات میں آ کر اس بھیجی ہوئی تحریک کو عموماً "نفرانہ" ذکر کرتے تھے جو ہندوؤں کا ایک گروہ اندر اندر سے چلا رہا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا ایک، موثر طبقہ کانگریسی اور خلافتی مسلمانوں کی اس روش کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا تھا۔" (۳۷۳)

ڈاکٹر حامد احمد علی صاحب پروفیسر مولانا سید محمد سلیمان اشرف کی امام احمد رضا قاضی بریلوی قدس سرہ سے عقیدت اور ہندوؤں سے نفرت کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"مجھے مولانا سید سلیمان اشرف سے تلمذ کے علاوہ ان کا انتہائی قرب بھی حاصل رہا اور میں دیکھتا کہ وہ اکثر حضرت مولانا (احمد رضا خان قاضی) بریلوی کا ذکر غیر جھجھکتے۔۔۔ غیر اسلامی شعائر کی خدمت میں تشدد، کانگریس اور ہندوؤں کی ہم نوائی کرنے والے لیڈروں اور عالموں کے متعلق سخت کیم رویہ، مشرکین کو بخش سمجھتا اور ان کے معاملے میں کسی قسم کی بدانت روا نہ رکھتا، یہ سب صفات دونوں بزرگوں میں مشترک تھیں۔ کانگریس اور گاندھی کے خلاف شدید خدمت اور بے زاری کا رویہ جس طرح مولانا بریلوی نے اختیار کیا تھا، ایسے ہی سید صاحب میں پائی جاتی تھی۔" (۳۷۴)

پروفیسر رشید احمد صدیقی کے خیال میں صحیح موقف وہی تھا جو پروفیسر مولانا سید محمد سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا تھا۔ لکھتے ہیں:

"۱۹۳۱ء کا زمانہ ہے، نان کو آپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔ "گاندھی کی قربانی" اور "موالات" پر بڑے بڑے جید اور مستعد لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ (پروفیسر مولانا سید محمد سلیمان اشرف مرحوم) کہتے تھے، رشید! دیکھو علماء کس طرح لیڈروں کا کھلوتا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اصول اور نفسی مسائل کو کیسا گھوندا بنا رکھا ہے۔ بالآخر مولانا نے ان مباحث پر قلم اٹھایا اور دن رات قلم برداشت لکھتے رہے، اکثر بٹھا کر سناتے اور رائے طلب کرتے، میں کہتا، مولانا

جینٹل سیشن

الحیات السہیل

دہلی روڈ ○ صدر بازار ○ لاہور چھاپانی

میری مذہبی معلومات اتنی نہیں ہیں کہ میں خاکہ کر سکوں، آپ جو کہتے ہیں، ٹھیک ہی کہتے ہوں گے، کہتے ہیں بات نہیں ہے، تم پر اس بڑم کا اثر ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علماء جو کچھ کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے اور میں کالج کا مولوی ہوں ہی ہانکنا ہوں، یہ بات نہیں ہے، ہم تم زندہ ہیں تو دیکھ لیں گے کون حق پر تھا اور کون ناحق پر۔

سلاطین مگر گزرا، جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عند سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا، بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے، سارے علماء سلاطین کی زد میں آ چکے تھے۔ صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے، اس کا اعتراف کسی نے نہ کیا۔ (۳۷۵)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے ایک اندر میں بتایا:

”ایک بار میں نے مولانا قاضی آبادی سے جو ترک موالات میں شریک تھے یہ پوچھا کہ مولانا یہ بریلی کے لوگ ترک موالات کی کیوں مخالفت کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ میں بات یہ ہے کہ بریلی کی مثال ایک معلم کی سی ہے جو ایک جہی (جہزی) لئے بیٹھا ہے اور طالب علموں کی غلط بات پر ان کو قہر رہتا ہے۔“ (۳۷۶)

ہجرت اور سنی علماء و مشائخ

قائد اعظم محمد علی جناح، علامہ اقبال اور دیگر مسلمان رہنماؤں کی طرح (۳۷۷) سنی بریلوی علماء و مشائخ نے بھی مسلمانوں کو ہجرت کرنے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور انہیں یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ ہندوستان ہندوؤں کی طرح مسلمانوں کا بھی اپنا ملک ہے، ہم نے اپنے خون سے اس چمن کی آبادی کی ہے، اسے دارالحرب قرار دے کے ہجرت کرنے کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم جو کہ انگریزوں کی آمد سے قبل اس ملک کے سرکار تھے، نے غیر ملکی سرکاروں کی حکومت کو تسلیم کر لیا ہے اور اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئے ہیں، نیز اس غیر ضروری اور غیر شرعی عمل سے ہندوؤں کے اس دعوے کی بھی تصدیق ہو جائے گی کہ ہندوستان کے اصل مالک وہ ہیں، مسلمانوں کی حیثیت تو کچھ مسمائوں جیسے ہے جنہیں ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہو گا اور سب سے اہم بات یہ کہ مسلمان چاہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ جائیں گے جبکہ اس کا سارا کریڈٹ ہندوؤں کو جائے گا۔

حضرت قبلہ عالم (پیر سید مر علی شاہ گولڑوی) قدس سرہ سے ہجرت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس ہجرت کے جواز کی کوئی وجہ کتاب و سنت اور دیگر دلائل شرعیہ سے نہیں ملتی، نہ اس قسم کی ہجرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کی ہے، وہ ہجرت تو اس واسطے تھی کہ مسلمانوں کو اقامت دین سے شریک منع کرتے تھے تاکہ حضور پر نور صلی

اللہ علیہ وسلم کو بعد جمع بنی ہائیم و بنی عبدالمطلب شعب الی طالب میں محصور ہونا پڑا مگر یہاں ایسے اسباب موندو نہیں، نیز ہندوستان میں سات کروڑ مسلمان ہیں، اگر بالفرض سب پر ہجرت فرض ہے تو کوئی ملک اتنی بڑی جماعت کو بے امن نہیں رکھ سکتا۔ پس بوجہ فقدان استطاعت یہ فرض ساقط ہے اور اگر سب پر فرض نہیں، بعض پر فرض ہے تو اس ترجیح بلا مرجح کی توجیہ نہیں ہو سکتی۔ (۳۷۸)

حضرت خواجہ محمد حسن جان قادری مجددی قدس سرہ تحریک خلافت میں ہم کردہ راہ لیڈروں کی بکروی پر بہت افسوس کیا کرتے تھے۔ آپ نے نکل کر بعض مسائل میں شرعی نقطہ نظر سے اختلاف کیا اور ملین و تفتیح کی پرواہ کے بغیر واضح طور پر پیش کیا، آپ گاندھی کی قیادت کو سخت ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے، ان لوگوں پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو انگریزوں سے لافعلی کرتے ہیں اور دوسری طرف شریکین ہندو سے اتحاد اور واد کے حامی ہیں جو انگریزوں سے زیادہ دشمن اسلام ہیں۔ اسی طرح جب لیڈروں نے ہندوؤں کے قریب میں آ کر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوض علاقوں سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ جوق در جوق ترک وطن کرنے لگے تو اس موقع پر بھی آپ نے قوم کی صحیح رہنمائی کی اور ترک وطن سے ممانعت کی اور فرمایا:

”وہاں اتنی محتاجائیں کہاں ہے کہ سب لوگ سائیکس، خواہ بخواد خود بھی پریشان ہوں گے اور مسلمانوں کے بادشاہ کو بھی تکلیف دیں گے، اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کو خوشی ہو گی۔“ (۳۷۹)

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک ترک موالات کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ ہندو مردے کو جلا کر خاک کر دیا جاتا ہے، اور وہ ہوا میں اڑ جاتی ہے، اگر مسلمان مرے تو دو گز زمین تا قیامت اس کی جاگیر ہوتی ہے۔ مسلمانو! ہجرت نہ کرو، آپ کا وطن آپ کا جدی ورثہ ہے، اسے ہاتھ نہ لے جانے دو۔ (۳۸۰)

ایک وفد سے گفتگو کرتے ہوئے حضرت امیر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”اتمام مسلمانوں سے کہہ دو، کوئی ہجرت نہ کرے، کوئی ہجرت نہ کرے! اگر ہجرت فرض ہے تو یہ مولوی خود کیوں نہیں کرتے۔ جب ہجرت فرض ہو گی، میں خود پھٹے کروں گا اور یہ ہجرت مذہب منورہ کو ہو گی، جاؤ سب کو منع کر دو، چند دن میں دیکھ لو گے کہ اس تحریک کا حشر کیا ہوتا ہے۔“ (۳۸۱)

حضرت سید محمد فضل شاہ جالپوروی رحمۃ اللہ علیہ نے ترک موالات اور تحریک ہجرت کی حمایت نہ کی۔ آپ تو برصغیر ہند میں اپنا قومی اور ملی ورثہ یعنی آزاد اسلامی سلطنت واپس لینا چاہتے تھے، آپ کس طرح اس بات پر رضامند ہوتے کہ مسلمان ہندوستان سے ہجرت کر کے کسی اور ملک میں چلے جائیں اور میدان ہندوؤں کے لئے خالی چھوڑ دیں اور اس طرح ہندو دو

بتاتے، پھر مسلمان وہاں کیا کریں؟ جو ان کی بیاد کی سازش ہے۔" (۳۸۱)
 "حضرت امیر رضا خان بریلی کے تصورات نے بھی حضرت علامہ اقبال پر دو قوی نظریے کے سلسلے میں بڑے مفید اور دور رس اثرات مرتب کئے۔
 حضرت امیر رضا خان نے ترک موالات اور تحریک ہجرت کی اس وجہ سے مخالفت نہیں کی کہ آپ انگریزوں کے جنوا تھے بلکہ آپ کو تو مسلمانوں کی فلاح مقصود تھی، آپ انگریزوں کی ہمدردیوں کے خواہش مند نہ تھے بلکہ آپ تو انگریز کے مخالفین میں سے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو اس موقع پر خدا کے حکم سے باخبر کیا، ہندو سے اتحاد کو غیر اسلامی قرار دیا۔ آپ جانتے تھے کہ ہندو مسلم اتحاد کا دوسرا مقصد انگریزوں سے اقتدار چھین کر ہندو اکثریت کے حوالے کرنا ہے، ایسی صورت میں مسلمان بیٹھ کے لئے ہندو کی غلامی میں پلے جائیں گے۔" (۳۸۵)

دارالحرب یا دارالاسلام

تحریک ہجرت کے موقع پر ایک بار پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ انگریزی دور حکومت میں ہندوستان دارالحرب تھا یا دارالاسلام، شرعی نقطہ نظر سے جس ملک کو دارالحرب قرار دیا جائے، اسے دشمن سے آزاد کرانے کے لئے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے، یہ ممکن نہ ہو تو ہجرت کر کے پڑوسی اسلامی ملک میں پناہ لینی ضروری ہو جاتی ہے۔ دارالحرب قرار دینے کے لئے جو شرائط کتب قدس میں مقرر ہیں، ان میں سے اہم ترین شرط یہ ہے کہ دشمن اعلانیہ مسلمانوں کو اسلامی احکامات پر عملدرآمد کرنے سے روکیں۔
 اس وقت ہندوستان کے حالات اس قدر خراب نہیں تھے کہ اسے دارالحرب قرار دیا جا سکتا، سیاسی لحاظ سے بھی ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان پرامن جدوجہد کے ذریعے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتے ہوئے آزادی حاصل کرنے کے منازل طے کرتے، جہاد کے لئے جس قوت کی

دشمنوں یعنی انگریزوں اور مسلمانوں سے بیک وقت ہندوستان کو خالی کرالیں۔ آپ کی دلی آرزو تھی کہ مسلمان ہندوستان میں اور بھی زیادہ صاحب جائیداد ہوں، وہ کہیں مشورہ دے سکتے تھے کہ اپنی سابقہ جائیدادیں بھی بیچ ڈالیں۔ (۳۸۲)

امام احمد رضا خان فاضل بریلی قدس سرہ کا پہلے سے فتویٰ موجود تھا کہ چونکہ ہندوستان دارالاسلام ہے، اس لئے یہاں سے ہجرت کرنا ضروری نہیں ہے، اس فتویٰ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:
 "الماصل ہندوستان کے دارالاسلام ہونے میں شک نہیں، عجب ان سے جو تحلیل روا کے لئے جس کی حرمت انصوص قاطعہ قرآنیہ سے ثابت اور کسی کیسی وحید میں اس پر وارد، اس ملک کو دارالحرب قرار نہیں اور باوجود قدرت و استطاعت (مفتی حضرت) ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔" (۳۸۳)

فاضل بریلی قدس سرہ نے تحریک ترک موالات کے دوران جو فتویٰ دیا تھا، اس میں ہجرت کا مشورہ دینے والے مولویوں کا تعاقب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ہجرت کا غل بھایا اور اپنے آپ کو ایک نہ سرکا، جو ابھارنے میں آگئے، ان مصیبت زدوں پر جو گزری، گزری، یہ سب اپنے جوہر بچوں میں چھین سے رہے، ہر انگڑ پھٹکری اور ترک تعاون میں بھی کیا کسی لیڈر یا مبلغ کے پاس زمینداری یا کسی قسم کی تجارت نہیں، نہ ان کا کوئی انگریزی یا دیاست میں ملازم ہے پھر انہیں کیوں نہیں چھوڑتے۔" (۳۸۴)

حضرت میر عبدالریم آف بھرتی شریف (سندھ) تحریر فرماتے ہیں:
 "جب سندھ کے عوام اپنے موروثی دینی جوش اور ملی جذبہ سے مجبور ہو کر اپنی جائیدادیں ہند ہجرت پر قربان کر کے کابل وغیرہ جانے لگے تو اس وقت میرے جد بزرگوار حضرت حافظ محمد عبداللہ قدس سرہ نے اس بارے میں مولانا شاہ احمد رضا خاں سے رجوع فرمایا، جنہوں نے کتاب و سنت کی روشنی میں ہجرت کو غیر اسلامی قرار دے کر تحریک آزادی کا رخ انگریزی سامراج کے ساتھ نکرانے کی طرف موڑ دیا۔ جد بزرگوار نے یہ فتویٰ ملک کے طول و عرض میں مشہور کیا جس سے ہزاروں علمی اور دینی گھرانے تباہی سے بچ گئے۔" (۳۸۵)

محترم دلی مظہر ایفودیکٹ (لنڈن) فاضل بریلی دامت اللہ علیہ کے خیالات کی تائید و توثیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہم دیکھتے ہیں کہ جب برصغیر کو "دارالحرب" قرار دے کر مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کر جانے کا غیر دانشمندانه فتویٰ دیا گیا تو حضرت قائد اعظم کے علاوہ حضرت امیر رضا خان بریلی کی آواز بھی اس کی مخالفت میں شامل تھی۔ اس طرز عمل پر قائد اعظم نے فرمایا تھا کہ "گاندھی جی مسلمانوں کو اپنا اپنا کاروبار، ملازمتیں، دستے لے کر، عزیز و اقارب، دوست احباب چھوڑ کر افغانستان ہجرت کر جانے کا مشورہ دے رہے ہیں لیکن گاندھی جی یہ نہیں

A Trusted Name in Printing

Cha Cha Printing Press

- * PRINTERS
- * DESIGNERS
- * STATIONERS

1482-DACCA ROAD, SADDAR,
 LAHORE CANTT. PAKISTAN
 TELE : 042 381640

ضرورت تھی وہ مفقود تھی اس کا اقرار خود قوم پرست مولویوں کو بھی تھا اور اسی کے پیش نظر انہوں نے گاندھی جی کو "مدم تشدد" کو کتاب و سنت سے ثابت کر کے اپنایا تھا۔ ہجرت کرنے سے درپیش مسائل حل ہونے کی قطعاً کوئی توقع نہیں تھی کیونکہ ملک کے اندر انگریزوں پر جو دباؤ ڈالا جا سکتا تھا وہ عدم تشدد کا نظریہ اپنا کر افغانستان میں جا بسنے سے ممکن نہیں تھا۔ یہ بات بھی کسی سے مخفی نہیں تھی کہ انگریز نے جلد یا بدیر یہاں سے جانا ہے اور آئندہ یہاں جمہوری نظام نافذ ہو گا اس لئے ہندوؤں کے جبر و تشدد سے بچنے اور اسلامی اقدار کو محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ یہی تھا کہ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ ووٹ ہوں مسلمان ہجرت کر جاتے تو انگریزوں کے جانے کے بعد پورا ملک خود بخود ہندوؤں کے ہاتھ میں آ جاتا۔ قیج ہے کہ ان حقائق کو جاننے کے باوجود بھی نیشنلسٹ لیڈر اور مولوی ہر اس شخص کو انگریزوں کا ستیزا دار اچھٹ قرار دیتے ہو مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم ہونے سے بچانے کی خاطر ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیتا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ اور تحریک خلافت و ترک موالات کے ایک سرگرم رہنما اور جمعیت العلماء ہند کے بانی (۳۸۸) مولانا عبدالباری فرنگی علی رحمت اللہ علیہ کے فتاویٰ ہم سبقت صفحات میں پیش کر چکے ہیں جن کے مطابق وہ ہندوستان کو دارالاسلام سمجھتے تھے اب دیگر مکاتب فکر کے مولویوں کے خیالات نقل کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی کہ فاضل بریلوی کا موقف درست تھا۔

مولوی رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ یہ ہے کہ "ہند کے دارالحرب ہوتے ہیں اختلاف علماء کا ہے" بظاہر تحقیق حال ہندہ کی خوب نہیں ہوئی۔ حسب اپنی تحقیق کے سب نے فرمایا ہے اور اصل مسئلہ میں کسی کو خلاف نہیں اور ہندہ کو بھی خوب تحقیق نہیں کیا کیفیت ہند کی ہے۔" (۳۸۹)

مولوی حسین احمد دیوبندی کا بیان ہے:

"اہل نبی بات اس (ایک انگریز) نے ہندوستان کی نسبت دریافت کی اس نے کہا کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا دارالاسلام" مولانا (محمود حسن) رحمت اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء نے اس میں آپس میں اختلاف کیا ہے اس نے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے مولانا نے فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں صحیح کہتے ہیں اس نے قیج سے کہا کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب دو معنیوں میں استعمال کیا جاتا ہے اور حقیقت میں یہ دونوں اس کے درجات ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں ایک معنی کی حیثیت سے اس کو دارالحرب کہہ سکتے ہیں اور دوسرے کے اعتبار سے نہیں کہہ سکتے اس نے اس کی تفصیل پوچھی مولانا نے فرمایا کہ دارالحرب اس ملک کو کہتے ہیں جس میں کافروں کی حکومت ہو اور وہ اس قدر بااقتدار ہوں کہ جو حکم چاہیں جاری کریں اس نے کہا یہ بات تو ہندوستان میں موجود ہے مولانا نے فرمایا کہ ہاں اس لئے ہندوستان ضرور دارالحرب ہے اس نے کہا کہ دوسرے معنی کیا ہیں مولانا نے فرمایا کہ جس ملک میں علانیہ طور پر شعائر

اسلام اور احکام اسلامیہ کے ادا کرنے کی ممانعت کی جاتی ہو یہ وہ دارالحرب ہے کہ جہاں سے ہجرت واجب ہوتی ہے (اگر استطاعت اصلاح نہ ہو) اس نے کہا کہ یہ بات تو ہندوستان میں نہیں مولانا مرحوم نے فرمایا کہ ہاں جس نے دارالحرب کہنے سے احتراز کیا غالباً اس نے اسی کا خیال کیا ہے۔" (۳۹۰)

بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان دارالامان تھا مولوی محمد انور شاہ نے ایک تقریر میں کہا:

"ہندوستان کی موجودہ حالت کو دیکھتا ہے کہ وہ دارالاسلام ہے یا دارالامان یا دارالحرب جہاں تک غور و فکر اور اصول شرعیہ کا تعلق ہے زیادہ سے زیادہ اس کو دارالامان کا حکم دیا جا سکتا ہے۔" (۳۹۱)

اسی طرح مولوی فیروز الدین صاحب لکھتے ہیں:

"احمد نگر کے قیام میں اکثر اسی مسجد میں نماز پڑھتے جاتا تھا اور عموماً ایک فوجی اہلکار کو پانچوں وقت وہاں موجود پاتا تھا میں نے اس سے پوچھا کہ آپ کہاں کے رہنے والے ہیں اور یہاں آپ کا کیا کام رہا ہے؟ انہوں نے کہا میں غلٹی قوم کا فرد ہوں اور افغانستان کا رہنے والا جب یہاں اس کی اقامت کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے مجھے بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے آخر بہت کرپے پر اس نے بتایا کہ یہاں اس کے بڑے بھائی فوج میں ملازم تھے جن کا انتقال ہو چکا ہے میں اس کے بھائی کا دو ہزار روپیہ وصول کرنے یہاں آیا تھا روپیہ لے کر اس کو سود پر چلا رہا ہوں میں نے کہا "مسلمان اور سود" کہنے لگا کہ ہمارے علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہیں اسی واسطے یہاں دارالاسلام جیسے احکام جاری نہیں میں نے کہا "یہ آپ کی اور آپ کے علماء کی غلط فہمی ہے ہندوستان اگر دارالاسلام نہیں تو دارالامن ضرور ہے جہاں ہر شخص اپنے اصول کے مطابق زندگی بسر کر سکتا ہے اس لئے مسلمان کے لئے اس جگہ سود لینا ایسا ہی ناجائز ہے جیسا دارالاسلام میں اس کے علاوہ آپ جن لوگوں کو سودی روپیہ دیتے ہوں گے وہ بھی غریب مسلمان ہی ہوں گے اور ان سے سود لینا تو قطعاً حرام ہے۔" (۳۹۲)

خود تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران ہندوستان اور اسلامی ملک افغانستان کی مذہبی حالت کا قائل کرتے ہوئے مولوی ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"انہوں (مولوی احمد علی لاہوری) نے ۱۹۳۰ء کی تحریک ہجرت میں بھی شرکت کی تھی اور کابل گئے تھے لیکن یہ دیکھ کر کہ افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں قرآن مجید کی اشاعت و تنسیم اور اسلامی تعلیمات و احکام کی تبلیغ کی اتنی آزادی و صحابائیں بھی نہیں ہندوستان میں ہے ہندوستان واپس آ گئے تھے۔" (۳۹۳)

دارالاسلام کے فتوے

مولانا عبدالجلی کھٹوی رحمتہ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

”ہندوستان دارالحرب نہیں ہے بلکہ دارالاسلام ہے۔“ (۳۹۳)

مولوی اشرف علی تھانوی کا فتویٰ یہ ہے کہ ”ہندوستان نہ تو حاکمین کے قول پر دارالحرب ہے، کیونکہ اگرچہ احکام شرک کے اس میں علی الاعلان جاری ہیں لیکن احکام اسلام کے بھی بلا خوف منتشر ہیں اور دونوں کے باقی رہنے سے دارالحرب نہیں ہوتا اور نہ امام صاحب کے قول پر دارالحرب ہے کیونکہ احکام کفر منتشر نہ ہو سکتے ہیں اور نہ امام صاحب کے قول پر دارالحرب جاری ہیں اور ایسی صورت میں دارالحرب نہیں ہوتا۔“ (۳۹۵)

مولوی کرامت علی جوہر دہلوی غلیظہ سید احمد بریلوی نے ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کو لکھنے کے ایک مذاکرہ علیہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

”ملکت ہندوستان جو بالمثل پادشاہ عیسائی مذہب کے قبضہ اقتدار میں ہے، مطابق فقہ مذہب حنفی کے دارالاسلام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔“ (۳۹۶)
”ان کی تقریر کے بعد مولوی فضل علی، مولوی ابوالقاسم عبدالغفور، مولوی عبداللطیف بکری، مولوی شمس الدین انصاری مدنی، سید ابراہیم بخاری نے اپنی تقاریر میں مولانا کرامت علی جوہر دہلوی کی تائید کی۔“

اس کے علاوہ اس رسالہ میں حضرت شیخ جمال بن عبداللہ حنفی، مفتی مکہ معظمہ، علامہ سید احمد دحلان مفتی شافعیہ، مکہ معظمہ، شیخ حسین بن ابراہیم، مفتی ماکہ مکہ معظمہ، علامہ عبدالجلی خیر آبادی اور مفتی سعد اللہ کے فتاویٰ موجود ہیں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔“ (۳۹۷)

حضرت قبلہ عالم (پیر سید مر علی شاہ گوالدوی) قدس سرہ نے نیچریت کی تردید میں ”جو ملک میں انگریزی تعلیم و تربیت کے باعث فروغ پا رہی تھی“ مولوی خرم علی چشتی لاہوری اور قاضی سراج الدین ایڈووکیٹ راولپنڈی جیسے فقیہین کے ذریعہ ایک عرصہ تک کتابی اور اخباری قوسل سے تعلیمی مضامین شائع کرائے، تاہم سر سید احمد خان کے مخالف علماء کے ان نظریات کو بھی ناوابجہ قرار دیا کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے اور برطانوی ہند دارالحرب ہے جہاں جہ کی نماز جائز نہیں“ حضرت نے شہروں میں نماز جمعہ کو واجب کہا اور کئی مقامات پر بالخصوص صوبہ سرحد میں از سر نو جمعہ کی نماز جاری کرائی۔“ (۳۹۸)

الحدیث کے پیشوا نواب محمد صدیق حسن خان لکھتے ہیں:

”علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے نظام و الامت مسلم فریق فرماں روا ہیں“ اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہوا تو پھر جہاد کرنا کیا معنی بلکہ غم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔“ (۳۹۹)

الحدیث کے وکیل مولوی محمد حسین تھانوی کا فتویٰ یہ ہے کہ ”جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی قوانین اور کرنے کی آزادی حاصل ہو“ وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا“ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو“ اقوام غیر نے اس پر قلب سے تسلط پایا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں اولیٰ شعائر اسلام کی آزادی ہے“ وہ بحکم حالت قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔“ (۴۰۰)

میاں نذیر حسین دہلوی کا سوانح نگار لکھتا ہے:

”ہندوستان کو بیش میاں صاحب دارالابان فرماتے تھے“ دارالحرب کہی نہ کہا۔“ (۴۰۱)

ذہبی نذیر احمد الحدیث لکھتے ہیں:

”قدا کا شکر ہے کہ ہمارا ہندوستان باوجودیکہ نصاریٰ کی مملکت ہے“ دارالحرب نہیں ہے۔“ (۴۰۲)

مولوی حسین احمد دیوبندی کی اس عبارت ”اگر کسی ملک میں اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان کے مذہبی و دینی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک مسلک حضرت شاہ (عبدالعزیز) صاحب کے نزدیک ہے شبہ دارالاسلام ہو گا اور از روئے شریع مسلمانوں کا قرض ہو گا کہ وہ اس ملک کو اپنا ملک سمجھ کر اس کے لئے ہر نوع کی خیر خواہی اور خیر اندیشی کا معاملہ کریں“ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:

”آپ نے اپنا پہلا سوال مجھ سے کرنے کے بجائے مولانا حسین احمد صاحب ہی سے کیا ہوتا تو بہتر تھا“ آپ ان سے پوچھئے کہ ہندوستان کی موجودہ حکومت میں مسلمان جس درجہ شریک ہیں اور ان کے مذہبی و دینی شعائر کا کیا احترام کیا جاتا ہے“ اس سے تو بدرجہا زیادہ وہ انگریزی دور میں شریک حکومت تھے اور اس سے بہت زیادہ ان کے شعائر مذہبی کا احترام انگریزی دور میں ہو رہا تھا“ اگر کسی کو اس سے انکار ہو تو وہ انگریزی دور کے مسلم وزراء اور ایجنٹوں کو نسل کے مسلم مجاہدوں اور فوجی اور سول حکموں کے مسلم ملازموں کی تعداد کا موجودہ بھارتی حکومت کے ہر شعبے میں

میٹرک	ایف اے	ایف ایس سی	بی اے
انہی کام	طلبہ و طالبات کے لیے	بی کام	

علامہ اقبال کالج جامعہ

دہلی روڈ، گان پور

دہلی روڈ، گان پور، 380187

حصہ پانے والے مسلمانوں کی تعداد سے مقابلہ کر کے بروقت اسے قائل کیا جا سکتا ہے۔ رہا شعاظ مذہبی کا احترام تو موجودہ ہندو اقتدار کے دور میں مساجد کی جتنی بے حرمتی ہوئی ہے، اس کا مقابلہ انگریز دور سے کر کے دیکھ لیا جائے۔ اس دور میں مسلمانوں کی جان و مال اور ان کی عورتوں کی عصمت پر جتنے حملے ہوئے ہیں، ان کا مقابلہ انگریزی دور کے ایسے ہی حملوں سے کر لیا جائے اور اس دور میں مسلمانوں کے پرسل لاء کا جو مشر ہوا ہے، اس کے مقابلے میں دیکھ لیا جائے کہ ویرلہ سو بیس کے انگریزی دور میں اس پرسل لاء کا کیا حال رہا ہے۔ اب اگر "حضرت شاہ صاحب کی تعریف کے مطابق موجودہ بھارت بے شبہ دارالاسلام ہے" تو انگریزی دور کا ہندوستان کیوں نہ تھا؟" (۲۰۳)

حقیقت یہ ہے کہ انگریزوں کا تسلط ختم ہونے کے بعد جب اقتدار ہندوؤں کے ہاتھ میں آیا تو مسلمانوں پر عمر حیات تک کر دیا گیا، فرقہ وارانہ فسادات کی آڑ میں قتل عام ہوا، مذہبی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹیں پیدا کی گئیں، مسٹر گاندھی کے ہراج مولوی عبدالماجد درباری بھی یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

"تقسیم ملک کا انجام مسلمانان ہند کے لئے اتنا دردناک اور الم انگیز ہو گا، اس صورت حال کا تو کوئی اندازہ ہی نہ تھا۔ مسلمانوں پر جو کچھ گزری اور اب تک جو گزر رہی ہے، اس پر دل خون کے آنسو روتا ہے اور دل بار بار یہ سوال کرتا ہے کہ ہجرت اگر اب بھی فرض نہ ہو گی تو پھر کب ہو گی؟" (۲۰۴)

نیشنلسٹ مولویوں کے نزدیک اب مسئلہ یہ نہیں تھا کہ ہندوؤں کے مظالم کی نشاندہی کر کے بھارت کو دارالحرب قرار دیا جائے بلکہ کوشش یہ کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو مطلع و فرمانبردار کیسے بنایا جائے، ہندو جو کچھ بھی کریں، ان پر آج نہ آنے پائے، دور جانے کی ضرورت نہیں، ہندوؤں نے جب باہری مسجد کو شہید کرنے اور اس کی جگہ مندر تعمیر کرنے کی مہم تیز کر دی تو ہندوستانی مسلمانوں نے اس صورت حال سے بچنے کے لئے فیصلہ کیا کہ وہ اکتوبر ۱۹۸۸ء میں پراسن مانج کر کے باہری مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں گے، اس دوران:

"دلی سے نکلے والے آرمی ایس کے ترشمان بخت روزہ "پانچ بنیہ" نے دارالعلوم وقف اور دارالعلوم دیوبند کے دو مفتیوں، مفتی احمد علی سید اور مفتی مولانا "مفتی الدین کے دو فتوے شائع کئے جس میں انہوں نے ایوڈیا مارچ کو غلط اور خلاف شرع قرار دیا، انہوں نے ہندوستان کو دارالامن قرار دیتے ہوئے کہا کہ ایوڈیا مارچ غیر اسلامی ہے، یہ فتوے بعض ہندی اور انگریزی اخبارات نے بھی شائع کئے۔" (۲۰۵)

سپان عبدالرشید مرحوم رقمطراز ہیں:

"سید احمد بریلوی کے بعد اس وقت سے ہندوستان سے آنے والے سید احمد بریلوی کے بعد اس وقت سے ہندوستان دارالحرب ہے، انگریز سے بھاد کو، یہاں سے ہندوستان کو خراج

پھر اس فتویٰ کی عدائے بازگشت سنی جانے لگی۔ ترمیمی کی بات ہے کہ وہی مولوی اور مولانا جو انگریزی حکومت کے دوران ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے تھے، اب بھارت میں ہندو حکومت کے تحت مختار ذریعہ پر ہیں بلکہ عدتے بھی حاصل کرتے ہیں حالانکہ انگریز تو پھر اہل کتاب تھا۔" (۲۰۶)

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے جو موقف اختیار کیا تھا، حالات و واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ بالکل برحق اور اسلام کے عین مطابق تھا، محترم ولی مظفر آبادی کوٹ تحریر فرماتے ہیں:

"انگریزی علماء نے اپنے آقاؤں کی شہ پر اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے برصغیر کو دارالحرب قرار دے کر لاکھوں مسلمانوں کو اپنی ملازمتیں، کاروبار اور گھر بار چھوڑ کر بلا جواز و متبادل انتقام کے ساتھ متصل اسلامی ممالک کی جانب ہجرت کرنے پر رغب کیا۔ قابل خود امر یہ ہے کہ کسی کانگریسی عالم نے خود اس فتوے اور گاندھی کے حکم پر عمل نہ کیا۔ ہمارے قائد اعظم نے اپنی تعلیمات، بصیرت سے ہندو اور اس کے گماشتوں کی اس مکاری کا پردہ چاک کرتے ہوئے اس کی شدید مخالفت کی۔ آپ کی تائید اس وقت ملانے حق نے بھی برلا کی اور مسلمانوں کو اس چال سے آگاہ کرتے ہوئے باور کرایا کہ برصغیر کو کسی حالت میں بھی دارالحرب نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہاں ہم نے ایک ہزار سال تک بڑے شان و شوکت سے جمائیکری کی ہے، مسلمانوں کا اس سرزمین پر پورا پورا استحقاق ہے، مولانا احمد رضا خان بریلوی کے اس فتوے کی تائید مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا عبدالحی کھٹوتی اور دیگر حضرات نے فرمائی، درحقیقت ہندو تحریک خلافت کی آڑ میں رام راج کا مکروہ خواب پورا ہوتا دیکھ رہے تھے جو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ ۱۹۴۰ء میں جب تحریک ترک مولات شروع ہوئی، اس کے نتیجے میں ہندو مسلم اتحاد کا بڑا چرچا تھا۔ حضرت بریلوی نے مرض الموت کی حالت میں ایک رسالہ اس کے خلاف تحریر کرایا۔ آپ کے نزدیک ہندوؤں سے تعاون، استغاثہ کے لئے مسرت رساں تھا کیونکہ یہ دین میں مسلمانوں سے عارپ تھے اور ہندو پرستوں کے امام گاندھی جی نے کہہ دیا تھا کہ مسلمان اگر گاؤں کھیتی نہیں چھوڑیں گے تو ہم تیار سے چمڑا دیں گے۔" (۲۰۷)

جناب محمد علی تھراخ، امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس نازک صورت حال میں مولانا احمد رضا خان بریلوی نے مسلمانوں کی کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور انہیں صحیح اسلامی نقطہ نظر سے کسی ملک کے دارالحرب ہونے کے بارے میں دقیق اور اہم معلومات فراہم کیں۔" ان کے خیال میں غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کا پورا پورا حق تھا، انہوں نے ایک ہزار سال سے زیادہ کامیاب حکومت کی تھی۔" مولانا احمد رضا خان بریلوی مسلمانوں کے اس حق سے دستبردار ہونے کے حق میں نہیں تھے۔ اپنے اس موقف کی تائید کے لئے مولانا احمد رضا خان نے ایک رسالہ "اعلام الاسلام" بھی لکھا تھا اور یہ واضح کیا تھا کہ ہندوستان دارالحرب نہیں

مولانا شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری، فاضل بریلوی کی سہیلی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"آج (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگ بھتان (۱۹۱۱-۱۹۱۲ء) کے موقع پر انہوں نے سلطنت اسلامی اور مقلدین مسلمین کی اعانت و امداد کی مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں، قولا و عملا۔ ان کی تائید کی، خود چند دنے کے عوام کو اس طرف رغبت دلائی۔ اور اب بھی لوگوں کو صحیح، مفید، شرعی طریقے اعانت اسلام و مسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خان صاحب جو عملی کوششیں کر سکتے تھے، انہوں نے کیں، خود چند دنے اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی، تحفظ سلطنت اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں، یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟" (۳۷)

اُنکے چل کر ان کی بروقت کوششوں بلکہ پیش از وقت حفاظتی تدابیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس سے زیادہ اور کون سی پہلے دن سے مولانا احمد رضا خان صاحب کوشش کرتے کہ خلافت کبھی والے تو آج حمایت خلافت و حفاظت سلطنت اسلامی کا نام لینے بیٹھے ہیں جبکہ سلطنت اسلامی کا خاتمہ ہو چکا۔ مولانا احمد رضا خان صاحب نے اس وقت سے کوشش کی، جب اس موجودہ مسیت

ہے بلکہ دارالاسلام کا درجہ رکھتا ہے، اس رسالہ کی جو روح ہے، اس سے ترشح ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خان ہندوستان پر انگریزوں کے قبضے کو نامہائے بھگتے تھے اور مسلمانوں کو یہ حق دیتے تھے کہ وہ بقدر استطاعت ملک کی آزادی کے لئے کوشش کریں، ملک کو دراصل دارالحرب قرار دے کر ترک موالات کر جانا ایک طرح کا کمزور احتجاجی عمل تھا اور اس طرح ترک موالات کر جانے سے مسلمان عملاً اپنے حق سے دستبردار ہو جاتے تھے، ایسی صورت احوال ہندو لیڈروں اور کانگریس کے لئے زیادہ سودمند تھی، وہ اس طرح حکمران انگریزوں سے کسی طرح کی سوسے بازی کر سکتے تھے۔" (۳۸)

مولانا کوثر نیازی مرحوم نے فاضل بریلوی کے موقف کی تائید کرتے ہوئے ایک تقریر میں کہا:

"تحریک ہجرت اس بحث کا منطقی نتیجہ تھی کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ امام احمد رضا اسے دارالحرب قرار نہیں دیتے تھے، وہ جانتے تھے کہ اس سے مسلمانوں کے لئے سود کھانا تو جائز ہو جائے گا مگر ہجرت اور کھوار افغانا ان پر لازم ہو جائے گا، وہ اسے دارالاسلام قرار دیتے تھے کہ سبکیوں برس مسلمان اس پر حکمران رہے تھے۔ اب بھی سرزمین میں امن تھا اور مسلمانوں کو وہی فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، ہجرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مصر تھے، آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی منہ سے نہیں نکالتے، مطلب واضح ہے، انگریز کے سامنے ہندو میں پردہ ان فتنوں کی تار ہلا رہے تھے جن میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جا رہا تھا تاکہ مسلمان انگریز کے خلاف کھوار اٹھائیں، مرکب جائیں اور جو باقی بچیں وہ ہجرت کر کے اس سرزمین کو ہی چھوڑ جائیں، آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جائے تو ہندو سیکولرازم کا طہم پاش پاش ہوتا ہے، مسلمان جناد کے نام پر برسرِ پیکار ہوں یا ہجرت کریں، سیکولرازم کے جہاد سے ہوا نکل جاتی ہے، اس لئے آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے متقیان کرام کے وارث مرہب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتویٰ کی تائید کر رہے ہیں۔"

(۳۸)

امام احمد رضا فاضل بریلوی اور سلطنت ترکیہ کی امداد

ایک سوال کے جواب میں کہ سلطنت ترکیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"سلطنت علیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنت اسلام، نہ صرف سلطنت، ہر جماعت اسلام، نہ صرف جماعت، ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں "قرشیت شرط ہونا کیا معنی؟ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے اور وقت حاجت دعا سے امداد و اعانت ہے، ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کتابیہ ہے۔" (۳۹)

حسین میڈیکوز

فون: 372510

قاسم بلڈنگس بازار لالہ کوکیت

بیوی پرائیڈر

اظہر حسین

اظہر حسین
انڈیپرائیزز

بابا ڈیلر

ری بازار سرور روڈ وکان

حسین

عقلی کا خیال بھی دلوں سے دور تھا اور جنگ بھتان (جو لحاظ حالات مابعد اس مصیبت عقلی کی تہدید و اتہاد ثابت ہوئی) کے ہی زمانہ سے حمایت و اعانت سلطنت اسلامی میں اپنی رائے و مسلک قولا "کلمہ" ظاہر کر دیا، عوام کو رحمت دلانے کے لئے بریلی میں جلسہ عام میں خود چندہ دیا۔ حمایت سلطنت اسلامی و اعانت مظلومین ترک کی تابع و مفید تدابیر آگاہی عام کے لئے شائع کیں۔" (۴۱۲)

تقدیات و تعاقبات امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ ایک جید عالم دین، عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی مسائل پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہ کرنے والے بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی دین کی خدمت اور مسلمانوں کو اسلام کے دشمنوں سے محفوظ رکھنے میں گزاری، وہ جس مسئلہ پر بھی اظہار خیال فرماتے، دلیل کے انبار لگا کر معاصر مخالف مولویوں کا ناظرہ بند کر دیتے۔ اس لئے عوام میں بے حد مقبول تھے، امیر جماعت اسلامی ہند مولوی محمد یوسف صاحب نے ایک انٹرویو میں بتایا:

"میں ۱۹۰۸ء میں بریلی میں پیدا ہوا، میرے والد وہاں قیام پذیر تھے۔ مولانا احمد رضا خان کے مرید و شاگرد تھے لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت کے دوانے تھے اور ان سے مراسم رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ جب ہم چھوٹے چھوٹے تھے تو مولانا احمد رضا خان ہمارے ہاں تشریف لائے، بڑا جمادی اجتماع ہوا تھا۔" (۴۱۳)

ڈاکٹر عاشق حسین ٹالوی، علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب ایک سیاسی مفکر تھے، عملی سیاستدان نہ تھے، کم از کم ان عام اور سوجھ منوجھ میں سیاستدان نہ تھے جن میں مثلاً مسٹر جناح، سر فضل حسین اور مولانا محمد علی تھے۔ عملی سیاسیات میں سب سے بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ بڑا اوقات موقع و محل کا خیال کرتے ہوئے اور اپنے نظریے میں ترمیم و تغیر کر کے مخالف سے خلافت کر لیتا چلتی ہے یا پھر جب تقسیم طاقت ہو تو ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے اور اپنی حیثیت کو مضبوط کرنے کی خاطر اس سے سمجھوتہ کر لینے میں بھی عار محسوس نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب کو اس قسم کی وقتی سیاست سے چندان واسطہ نہ تھا، یوں کہنا چاہئے کہ انہیں ایک جنگی لیڈر یا عملی کارکن کی بجائے ایک مصلحت پسند یعنی "آئیڈیلسٹ" کا مرتبہ حاصل تھا۔" (۴۱۴)

یہی حالت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی حالت سے ملتی ہے، آپ نے سیاست اعتدال سے غور فرماتے اور پھر اسے بنیاد کرو، یہاں سے انگریزوں کو جواز، اب بلا توجہ اسی کے مطابق فتویٰ دیا۔

آتے یا خود اپنی چمکڑی اچھلنے کا خطرہ ہوتا، حق کی خاطر نہ تو وہ اپنے پرانے کی تمیز کرتے اور نہ کام وقت کو خاطر میں لاتے۔ وہ صرف ذاتی یا قومی مفاد کی خاطر یا عوامی جذبات کے پیش نظر شریعت میں تحریف کرنے کے سختی سے مخالف تھے، انہوں نے بے شمار فتوے دیئے لیکن کافی کوششوں کے باوجود بھی مخالفین ان میں کوئی شرعی غلطی کی نشاندہی نہ کر سکے، یہی وجہ ہے کہ ہر صحیح الاعتقاد شخص کی طرح علامہ اقبال مرحوم بھی آپ کی بے مثال نقیبت کے معترف تھے، ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مستم بیت القرآن پنجاب پبلک لائبریری لاہور، علی گڑھ کی ایک مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک بار استاد محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چمڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے۔ نفسی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے سروسرور اور پاک و ہند کے کیسے کیسے ناخوار و روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دور متاخرین میں ان جیسا طراز اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا، اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبیعت کی شدت اور فیض علماء کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ الجھن درمیان میں نہ آچتی تو ان کا وقت، علم و فضل، ملت کے دیگر مسائل کے لئے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور یقیناً وہ اس دور کے ابوحنیفہ کہلا سکتے تھے۔" (۴۱۵)

علامہ اقبال مرحوم کے ان خیالات سے یہ بات گھر کر سامنے آتی ہے کہ انہوں نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ اور تحریروں کا مطالعہ کیا تھا، چونکہ فاضل بریلوی نے اپنی تحریروں میں کئی جگہ ہندو مسلم اتحاد کے غیر اسلامی نظریے پر سخت گرفت کی ہے، نیز علامہ کو حضرت مولانا سے انجمن نعمانیہ لاہور کے ایک اجتماع میں ملاقات کا شرف بھی حاصل ہے (۴۱۶) اس کے علاوہ فاضل بریلوی کی تعلیمات کی بدولت چرچے ملک میں جو مجموعی طور پر فضا قائم ہو چکی تھی اور مسلمانوں میں کانگریس سے برکشت ہو کر مسلم لیگ میں شامل ہونے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا تھا، اس لئے ان سب شواہد کو دیکھتے ہوئے یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دو قوی نظریے پیش کرنے اور اس پر عمل پیرا رہنے کے سلسلہ میں علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح ان کے افکار و نظریات سے متاثر تھے، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد تحریر فرماتے ہیں:

"پاک و ہند کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے، جو پہلے ایک قوی نظریے کے موید تھے اور بعد میں اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے، حکومت حضرت مجدد الف ثانی اور فاضل بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کا متبع مطالعہ فرمایا تھا، اس لئے ظن غالب ہے کہ علامہ کے افکار و خیالات میں ان دونوں ماخذ نے ایک اختلاط پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔" (۴۱۷)

محترم ولی منکر الیہ و کثرت رقعہ نمازیں:

”مولانا محمد علی جوہر نے علامہ اقبال کے متعلق کہا ہے کہ ”ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانان ہند کے قلب میں مشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ دہکا دی۔“ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی تعلیمات اور تبلیغ نے یہ لازوال انقلاب برپا کیا جس کی تیش بعد ازاں قائد اعظم اور دوسرے مسلمان قائدین نے بھی محسوس کی۔“ (۳۱۸)

مستشرقین کی قنصلت اور مخالفین کی پروپیگنڈہ قسم کی وجہ سے عوام الناس فاضل بریلوی کی عبقری شخصیت ”جو قومی نظریہ کو ابھار کر نے اور دیگر شاندار اسلامی خدمات سے زیادہ تر ناواقف ہیں جبکہ ان کے متعلق عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ تحریک آزادی ہند کے سلسلے میں چلنے والی سب تحریکوں کے خلاف تھے“ مجاہدین آزادی کی نام نہام تکفیری اور انگریزوں کے حق میں کئی فتوے دیے۔ (۳۱۹) حالانکہ یہ الزامات من گھڑت، بے بنیاد اور غلط فہمی پر مبنی ہیں، آئیے فاضل بریلوی کی سیاسی سوچ کا جائزہ لیتے ہیں تاکہ اس بات کا ثبوت کیا جاسکے کہ تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران انہوں نے جو موقف اختیار کیا تھا وہ شرعی نقطہ نظر سے درست تھا یا نہیں نیز یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ ان پر انگریز پرستی کا الزام صحیح ہے یا غلط۔

مشرک گاندھی پر گرفت

خلافتی لیڈروں سے سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے اسلام کے نام پر چلائی جانے والی تحریک خلافت کی پاک ڈور مشرک گاندھی جیسے ایک متعصب مشرک اور بت پرست کے ہاتھ میں دے دی جو کتاب و سنت کی رو سے کبھی بھی مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اس غیر اسلامی روش پر تنقید کرتے ہوئے لکھا:

”مشرک کو چٹوٹا بنا لیا، آپ پس روئے، جو وہ کہے، وہی مانیں، قرآن و حدیث کی تمام عمر اس پر غار کر دی۔ ترک موالات کا نام بدنام اور اللہ کے دشمن مشرکوں سے دوا، محبت و اتحاد بلکہ غلطی و انقیاد۔ یہ تو صراحت اسلام کو کند چھری سے قلع کرنا ہے، اس کا نام حمایت اسلام رکھنا کس درجہ مزخرف و مخالف و افواہ ہے۔ انہوں نے سرے سے فکر ہی کو الٹا کر بلائے طاق رکھ دیا، نہیں نہیں بلکہ پس پشت پھینک دیا۔ مشرکوں کو ”روح اعظم“ بتایا، مومن کو بتایا، نبی بالیقہ بتایا، مذکر مبعوث من اللہ بتایا، اس کی مدح فطیہ بعد میں داخل کی، اس کی تعریف میں کلام الہی کا معرودہ ”خاموشی از ثنائے توحد ثنائے سنت“ لکھا اور کیا کلمہ و کلمات و خطبات اختیار کئے۔“ (۳۲۰)

امام المسند مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کے نزدیک مشرک گاندھی کی تہذیب حرام تھی، اس سلسلے میں جس کسی نے بھی کوئی غلط قدم اٹھایا، انہوں نے بغیر کسی رو رعایت کے اس کا رد کیا اور مسلمانوں کی صحیح سمت میں راہنمائی کی، ایک مشہور عالم دین کے اس بیان:

”فقیر تان کا پریش کے مسئلے میں بالکل پس رو گاندھی صاحب کا ہے، ان کو اپنا راہنما بنا لیا ہے، جو وہ کہتے ہیں، وہی ماننا ہوں، میرا حال تو سروسٹ اس شعر کے موافق ہے۔“

عمرے کہ بیات و احادیث گزشتہ

رقی و ثار بت پرستی کر دی

پر فاضل بریلوی نے ان الفاظ میں گرفت کی:

”تانبہ کا پریش کو ترک موالات کہا جاتا ہے، اس پر آیات ترک موالات، جیش کی جاتی ہیں تو ضرور قرض مذہبی ہوا، اس میں مشرک کو رہنما بنانا، مشرک کی تہذیب کرنی، اسے اپنا امام بنانا، خود اس کے پس رو ہونا، اس کی اطاعت اور وہ بھی بدوجہ کلی کرنا، اپنے آپ کو اس کے ہاتھ میں دے دینا، قرآن و حدیث کی عمر اس پر غار کر دینا، یہ سب حرام و منافی احکام اسلام ہے۔“ (۳۲۱)

جن قوم پرست لیڈروں اور مولویوں نے مشرک گاندھی کی پیروی کی، انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کیا کہ وہ گاندھی فلفلہ کو اسلامی فلفلہ زندگی سے ارفع و اعلیٰ تصور کرتے ہیں۔ فاضل بریلوی نے ان کی اس غلط اور نامناسب طرز عمل پر گرفت کی، فرماتے ہیں۔

یارب کہ چہ کدست فسون دم گاندھی

لیڈر پورو امام اقدم گاندھی

چنگ و د گاندھی زن و گاندھی اقلین

مشرک نہ بخود سواروں اپنے کدے (۳۲۲)

امام احمد رضا کا یہ خیال تھا کہ مولانا ”پہلوانی“ کی حمایت و تائید سے ان کو یا مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہو گا بلکہ اس کے برعکس سارے قوم مشرک گاندھی کو حاصل ہوں گے۔ تاریخی اور سیاسی نقطہ نظر سے اس خیال کی تائید نہیں کی جاسکتی کیونکہ فی الحقیقت تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت وغیرہ نے مسلمانوں کو کمزور اور ہندوؤں کو قوی سے قوی تر کر دیا۔

امام احمد رضا کی چاندنی کی مجلس فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہمارے ہاں
ہر قسم کی کاپیاں، ریپڑ
ہول سیل دستیاب ہیں

منشی کاپی ہاؤس

ہر قسم کی کاپیاں، ریپڑ
ہول سیل دستیاب ہیں

محمد علی محمدان

۹۵۵

میت بٹالہ، لاہور

ٹانیا: ”جب یہ نہ بنی، ہجرت کا بھرا دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کھپائی کیلئے کہ وہ جائے۔ یہ اپنی جائیدادیں کو بیویوں کے مول نہیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں، ان کی مساجد و عمارات اولیاء ہماری پامالی کو وہ جائیں۔“

ٹانیا: ”جب یہ بھی نہ بھی تو ترک موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترک معاملات پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، باجوہاری ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو، امر اخیر تو صرف اس لئے ہے کہ ظاہری نام کا دعویٰ اعزاز بھی کسی مسلمان کے لئے نہ رہے اور پہلے تین اس لئے کہ ہر صیغہ و ہر لفظ میں صرف ہندو رہ جائیں۔“ (۳۲۰)

اصل مقصد حصول سوراخ ہے

امام احمد رضا فاضل بریلوی نور اللہ مرقہ نے خلافتی و موالاتی لیڈروں، مولویوں، مسز گاندھی اور دیگر ہندو رہنماؤں کے اصل مقصد کو بے غائب کرتے ہوئے مسلمانوں کو بتایا کہ ان کا پروگرام گنگا و جمنائی زمینیں آزاد کرنا کر ہندو راج قائم کرنا ہے، خلافت کا نام تو مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

”اصل مقصد مسلمانوں کو دھوکہ دینا ہے جس کی صاف تصریح ہندو لیڈران نے کر دی، اس میں اپنی کھڑدی بلکہ بھڑو دیکھ کر مشرکوں کا واضح پکڑا، انہیں اپنا بار و انصار بنایا، اوروں کو چھوڑے، مولویوں میں گئے جانے والے لیڈر فرماتے ہیں، ہم ہندوستان کی آزادی کو ایک فرض اسلامی سمجھتے ہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ عام اتحاد ہو اور پوری کوشش سے مقصد حاصل کیا جائے حالانکہ مشرکوں سے ایسی استغانت نص قرآنی کے خلاف اور قطعاً حرام بلکہ حرا۔“ قرآن کریم کی تکذیب ہے۔ (۳۲۱)

ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

”مشرکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے، اصل مقصد ہندو سوراخ کی جگہ ہے، ہندو لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے، ہماری ہجرت خلافت کا نام لو، تمام چیزیں، چندہ خوب لے اور گنگا و جمنائی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلو۔“ (۳۲۲)

غیر مسلموں سے موالات

تحریک خلافت و ترک موالات کے دوران قوم پرست مولویوں نے انگریزوں سے بالکل قطع تعلق کرنے کا فتویٰ دیا جبکہ ان سے زیادہ اسلام

دعویٰ مشرکین ہند کے ساتھ شیر و شکر بن کر ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا، اس سے مسلمانوں کے دلوں میں کفر سے نفرت بدرجہ کم ہونے لگی اور بغیر کسی جھجک کے ہندوؤں کی رسومات میں شرکت کر کے توحیدی نظریات کو بغیر کسی پہچانی شروع کر دی، ایسے نازک وقت میں ایک مجدد کی ضرورت تھی جو توحید و احیائے دین کا فریضہ سرانجام دیتا، فاضل بریلوی نے اس موقع پر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی، ہندو مسلم اتحاد کے موبدین قرآن و سنت میں جو تاویلات بلکہ تحریقات کر رہے تھے، ان کی نشاندہی انہوں نے ان الفاظ میں کی:

”اولاً: ”ذکر قحطی کا“ لے دوڑے حلی“

ٹانیا: ”بروایت امام غلامی، حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف و امام محمد جملہ آئمہ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک جواز کتابی سے خاص تھا، یہ لے دوڑے مشرک“

ٹانیا: ”جواز پانچواں قائلین حاجت سے متعین تھا اور یہ خود اپنا جرم قبول کر ہم کو احتیاج نے اتحاد برادران ہند کی جانب مائل نہیں کیا۔“

رباعاً: انہیں رازدار و دخل کار بنانا حرام قطعی تھا، یہ اس سے بھی بدرجہا بدتر کہ ان کے ہاں بک گئے، انہیں اپنا امام و پیشوا بنایا، ان کو اپنا رہنما بنا لیا ہے۔ غاسا“ ان کی تعظیم انہیں مسلمانوں پر استیلاء دینا حرام قطعی تھا، انہوں نے صرف ظاہری سجدہ کسی مصلحت سے بچا رکھا باقی کوئی دقیقہ مشرکوں کی تعظیم و اعلا میں نہ پہنچو، مسلمان کھانے والوں نے ان کی تینیں پکادیں، بیل بن کر گنو پتوں کی گاڑیاں کھینچیں۔“ (۳۲۳)

انگریزوں سے ترک موالات اور ہندوؤں سے موالات کا ذکر کرتے ہوئے فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

”اب بھی جو آنکھ کھلی تو صرف ایک گوشہ، انگریزوں کی طرف کی اور وہ بھی شریعت پر زیادت کے ساتھ کہ ان سے مجبور معاملات بھی حرام قطعی بلکہ کفر اور مشرکوں کی طرف کی پہلے سے بھی زیادہ (آگے) پٹ ہو گئی کہ ان سے دوا و اتحاد واجب بلکہ ان کی غلامی و انقیاد قرص، انہیں راضی کر لیا تو خدا کو راضی کر لیا تو ثابت ہوا کہ اسلام ان حضرات کو نہ جب مد نظر تھا ورنہ ایسی قرب دین ستمیوں سے بھاگتے نہ اب مد نظر سے ورنہ مشرکوں کے اتحاد و انقیاد کے تحت نہ جاتے۔“ (۳۲۴)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:

”ترک معاملات کو ترک موالات کہیے جاتے ہیں“

موالات میں ہیں سبھی، چاندنی کی مکمل گارنٹی



ہمارے
عند بازار سرور روڈ دکان ۹۳۵
میتے بازار، لاہور

زاہد بیکر رائیڈ پبلیکیشنز
اندر ون موچی گیٹ لاہور
فون ۶۶۵۴۲۸

کسی سے اتحاد و داد نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو
(ترجمہ آیت) اب تو کسی مغربی کے اس پکے کی گنجائش نہ رہی کہ یہ حکم
صرف یہود و نصاریٰ کے لئے ہے۔ (۳۳۵)
"موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگرچہ ذی طبع اسلام
ہو اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریبی (عزیز) ہو۔" (۳۳۶)

مسجدوں میں لے جانا

ہندوؤں کو مسجدوں میں لے جانا اور ان سے تقریری کرانا بلاشبہ ایک
ناپسندیدہ اور غیر شرعی فعل تھا۔ ظاہر ہے کہ جو غیر مسلم خود ٹاپاک ہو کر
مسلمانوں کو ملچہ بھیجے اسے منبر نبوی پر بٹھانا کسی لحاظ سے بھی درست نہیں
قوم پرست مسلمانوں نے جب مسٹر گاندھی اور شروماندھی جیسے مشفق اور
اسلام دشمن ہندو بت پرست لیڈروں کو مساجد میں لے جا کر ان سے تقاریر
کرائیں تو درمند مسلمان قریب اٹھے ان کی قربانی کرتے ہوئے امام احمد
رہا فاضل بریلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:

"جب ہندوؤں کی غلطی تھی پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی
خودداری وہ جسے شیچہ جائیں، بجلی جائیں، تھارا یا ک ہاتھ جس چیز کو لگ
جائے، مٹادی ہو جائے، سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں، پیسے لیں تو
دور سے یا چٹکا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوا لیں، حالانکہ حکم قرآن خود
وہی نہیں ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ تو
تمہارے ہاتھ رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے گندے پاؤں رکھو اور مگر تم کو
اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے انہما برا کر دیا۔ ان باتوں کا ان
سے کیا کہنا جن پر جبکہ اللہ صبیح و بصیر (تو) کسی چیز سے محبت کرتا
انہما اور برا کرتا ہے) کا رنگ پھر گیا۔ سب جانے دو! خدا کو بھی منہ
دکھانا یا بیش مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے، ہواڑ تھا تو یوں کہ کوئی
کافر دیا، لیں، و خوار مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ کرنے یا اسلامی حکم
پہننے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں نہیں بت
پرستوں، مسلمانوں کا اعلا بنا کر مسجد میں لے جاؤ، اسے مسند مصطفیٰ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بٹھاؤ، مسلمانوں کو گنجا کھڑا کر کے اس کا عقد سناؤ، کیا
اس سے کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تھیں مل سکتی ہے، عاشائرم
ماشاء اللہ! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا شرع مطہر پر افترا
بجائے احکام الہی دانستہ بدنامی اور کبریٰ بنا کر دکھانا نہ ہو گا۔" (۳۳۷)

غیر شرعی حرکات

تحریک خلافت و ترک موالات کے جذباتی دور میں مذہب کا امتیاز اٹھ
رہا تھا، مسلمان کھلے عام مشرک رسوں میں شرکت کرنے لگے، شعاۃ اسلام
بدترجی سنائے کی، کو ششیں کی جا رہی تھیں، اس تکلیف دہ صورت حال کے

ہندو تو بادیان اسلام ہیں، آئیں صرف نصاریٰ کے بارے میں ہیں اور نہ کل
نصاریٰ فضا انگریز اور انگریز بھی کل تک ان کے مورد نہ تھے، حالات حاضرہ
سے ہوئے، ایسی ترمیم شریعت و تفسیر احکام و تبدیلی اسلام کا نام غیر خواہی
اسلام رکھا ہے۔" (۳۳۵)

بعض غلطی لیڈر اس حقیقت کو تسلیم کر رہے تھے کہ ہندو مسلمانوں کے
جانی دشمن ہیں، انہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں لیکن اس
کے باوجود وہ ہندوؤں سے موالات پر اصرار کر رہے تھے، اس جانب اشارہ
کرتے ہوئے فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

"ہمارے بچہ تعالیٰ میں یہ تو قیلا کہ ہندو مسلمانوں کو نیت و تابو کر
رہے ہیں، ہر مذہب والا میں وہ بھی داخل ہیں اور کتابیہ، کھلتے، آئے، شاہ
آباد کی نظیریں، شخصیں بعد عیم، اب کدھر جائیں گی، آپ (مولانا
عبدالباقی) کی اور مسٹر ابوالکلام و مسٹر لیاؤ کی وہ جابرانہ کوششیں کہ ہندو
لہم مقاتلو کم فی اللہ ہیں، ان سے نیک برآؤ کو قرآن حکیم منع نہیں فرماتا
اور سب صحابوں کا یہ حیلہ باطلہ کہ قرآن کریم سے ہزاروں کوس آگے
بڑھ جانا بہت دوا ہے۔ دوا سے اتحاد۔ اتحاد سے خلافت و اتحاد تک
دور جانا حتیٰ کہ مسٹر آزاد کا واحد قرار پر منہ بھر کر یہ افترا اٹھانا کہ ان
کافروں سے محبت کرنا اسلام کا حکم ہے، انا للہ و انا الیہ راجعون اتنا
یفترو الکفر اللہ لا یونسف۔ اب کہ آپ نے قبول دیا کہ ہر مذہب
والا مسلمانوں کو نیت و تابو کر رہا ہے تو قطعاً کسی غیر مسلم سے موالات
برتنے والا اللہ عزوجل کا مخالف اور اس کے دشمنوں کا ساتھی اور حکم
قرآن فائدہ منہم کا مستحق و فلک جزا و الظلمین۔" (۳۳۷)

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی نور اللہ مرقہ، چودھویں
صدی کے کسی نام نہاد مجتہد کو یہ اختیار دینے کے حق میں نہیں تھے کہ وہ
"حالات حاضرہ" کا بہانہ بنا کر اسلامی احکامات میں تبدیلی کرے، اس لئے وہ
نصیحت ختمی کے ساتھ اس بات پر ڈٹے رہے کہ جب موالات ہر کافر سے
حرام ہے تو یہ حکم ہندوؤں پر بھی لاگو ہونا چاہئے، فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

"موالات ہر کافر سے مطلقاً حرام ہے، اوپر واضح ہو چکا کہ رب عزوجل
سخت مولویوں کی طرح احکام فرماتے تو بدتر زبان ان میں سے کسی کافر کا
لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوؤں کو نیت و تابو کر دیا،
اسے حرام نہیں فرماتا، اس سے چنداں واسطہ نہ تھا، یوں کہنا چاہئے، موالات قطعاً حرام
ہے کوئی بدکاری یا کفر کی بجائے ایک شرارت ہے یعنی کسی کافر سے یہ نتیجہ
ملے کہ ملے۔" (۳۳۷)

اتنے ہی حالت فاضل بریلوی رقمطراز ہیں کہ ہندوستان میں آئے مسلمانوں
سے خود فرماتے اور پھر ایک لے اور الحزب، کہ جاؤ، اب
بہنچ ای کے مطابق فتویٰ اسے ہندو کو میاں سے ہٹا دینا چاہیے جو ہندو
ہندوؤں کے ساتھ

پیش نظر اسلام سے محبت کرنے والے مسلمان پریشانی کا شکار تھے، قاضی بریلوی رحمت اللہ علیہ نے ان غیر شرعی حرکات پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

"آیت کریمہ لا یھکم نے کچھ عینک برنگو مالی مواصلات ہی کی تو رخصت دی یا یہ فرمایا کہ (۱) انہیں اپنا انصار بنادو (۲) ان کے گھر یا دارخاں ہو جاؤ (۳) ان کے طاقت کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ (۴) ان کی بے پائو (۵) ان کی جو کے لئے آمد (۶) انہیں مساجد مسلمین میں بادب و تعظیم پہنچا کر (۷) مسند مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لے جا کر (۸) مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر واقعہ وادی مسلمین بنادو (۹) ان کا سروار جنت الھاد (۱۰) کندھے پر تختی زیاں پر بے یوں حرکت میں پہنچاؤ (۱۱) مساجد کو ان کا ماتم گاہ بنادو (۱۲) ان کے لئے دعائے مغفرت و (۱۳) نماز جنازہ کے اعلان کراؤ (۱۴) ان کی موت پر بازار بند کرو، سوگ مناؤ (۱۵) ان سے اپنے ماتھے پر جتنے لکھاؤ، ان کی خوشی کو شعاع اسلام بند کراؤ (۱۶) کائنات کا گوشت کھانا کھانا ٹھہراؤ (۱۷) کھانے والوں کو کینہ بنادو (۱۸) اسے مثل سور کے کھادو (۱۹) خدا کی قسم کی جگہ رام دہلی گادو (۲۰) واحد قہار کے آلاء میں الٰہ رجاؤ (۲۱) اسے معاذ اللہ رام یعنی ہر چیز میں ما ہوا، ہر شے میں ملول کے ہوا ٹھہراؤ (۲۲) قرآن مجید کو رمان کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ (۲۳) دونوں کی پوجا کراؤ (۲۴) ان کے سرخیز کو گو خدا نے ان کو تمہارے پاس ڈکریا کر بھیجا ہے یوں معنی نبوت بنادو، اللہ عزوجل نے سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہی تو فرمایا: انما انت مذکور تم تو نہیں محمد کر۔ اور خدا نے ذکر کیا کر بھیجا ہے، اس نے معنی رسالت کا پورا نقش کھینچ دیا، ہاں لفظ بچایا (۲۵) اسے یوں دکھایا، نبوت قسم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے (۲۶) اور امام و پیشوا و بھائی مہدی موعود تو صاف کہہ دیا بلکہ (۲۸) اس کی حد میں یہاں تک اونچے اڑت کہ "خاموشی از خانے قہد چلے تست (۲۹) صاف کہہ دیا کہ "تج اگر تم نے بند بھائیوں کو راضی کر لیا تو اپنے خدا کو راضی کر لیا" (۳۰) صاف کہہ دیا کہ ہم ایسا مذہب بنائے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا۔ (۳۱) صاف کہہ دیا کہ "ایسا مذہب چاہتے ہیں جو حکم و پیرایہ کو مقدس طاقت ٹھہرائے گا۔" (۳۲) صاف کہہ دیا کہ "ہم نے قرآن و حدیث کی تمام حرمت پرستی پر غار کر دی۔" کیا آیت کریمہ لا یھکم میں ان طعونات و طعنات کی اجازت دی تھی۔" (۳۳)

خدا کے لئے اسلام میں شریعت کے بدلتے ہوئے احکامات کو کٹر ایمان کے لئے حلال نہیں ہے۔

خلافت و موالاتی لیڈر اور مسٹر گاندھی مسلمانوں سے متواتر دین کا واسطے اے کہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ملازمتیں چھوڑ دو، انگریزوں سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھو لیکن ہندوؤں سے نہ تو یہ کھرا کوئی مطالبہ کیا گیا نہ ہی انہوں نے اپنے مفادات کو نہیں بچتے دی، امام احمد رضا خان قاضی بریلوی رحمت

اللہ علیہ نے اسی سوال کو اٹھاتے ہوئے تحریر فرمایا تھا:

"اگر سب مسلمان زمیندار ہیں، تجارتیں، نوکریاں تمام تعلقات یکسر چھوڑ دیں تو کیا تمہارے بکری خیر خواہ جملہ ہندو بھی ایسا ہی کریں گے اور تمہاری طرح نرے ننگے بھوکے رہ جائیں گے، حاشا ہرگز نہیں، زناہر نہیں اور جو دعویٰ کرے، اس سے بڑھ کر کاذب نہیں، مکار نہیں، احماد و واد کے جھٹے بھولوں پر بھولے ہو، منافقانہ میل پر بھولے ہو، سچے ہو تو موانہ دکھاؤ کہ اگر ایک مسلمان نے ترک کی ہو تو اور پچاس ہندوؤں نے تو کڑی تجارت، زمینداری چھوڑ دی ہو کہ یہاں مالی نسبت یہی یا اس سے بھی کم ہے، اگر نہیں دکھائے تو مکمل کیا کر ج

خواب تھا جو کچھ کہہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا" (۳۴)

تعلیمی امداد

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان قاضی بریلوی رحمت اللہ علیہ، دیگر صحیح افکار مسلمان راہنماؤں کی طرح اس بات کے حق میں تھے کہ مسلمان تعلیم حاصل کر کے ترقی کریں، اور گورنمنٹ سے امداد لینے والے تعلیمی اداروں کا بائیکاٹ نہ کریں، نیشنلسٹ مولویوں کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے قاضی بریلوی رقمطراز ہیں:

وکرریٹیلرز

لیڈری اینڈ بیسٹریز

جو چاندنی کی مکمل گارنٹی

مدرسہ دارالعلوم
محمد علی محمد
ممدودان

مدرسہ بازار سرور روڈ دکان 933
میدان بازار، لاہور

دہلی

(۴) "خلیفہ بلاشبہ شرعی کسی بیٹے سے بڑے سلطان کے معزول کرنے سے معزول نہیں ہو سکتا۔
(۵) سلطنت کے لئے قریشیت و رکنان حرمت بھی شرط نہیں، جیسے غلام بادشاہ ہوتے۔" (۴۵۲)

قوم پرستوں پر گرفت

امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے نیشنلسٹ لیڈروں اور مولویوں کی ہندو پرستی پر انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ہندوؤں کے عقائد سے آگاہ کیا، ان کے درمندانہ دل سے یہ گوارا نہ کیا کہ مسلمانوں کو مشرکین ہند کے رحم و کرم پر پیش کے لئے چھوڑ دیا جائے، یہ تاثر ان کی تحریروں کے ایک ایک لفظ سے میاں ہے، لکھتے ہیں:

"وائے نہت اسلام و انصاف کیا کوئی ان سے اتنا کہنے والا نہیں کہ ہندوؤں کے باطل عقائد سے بھی تمہیں عداوت کا اقرار باقی کے دانت ہیں نکالنے کے اور دکھانے کے اور کیا تمہیں نہیں ہو کہ جب وہ عمارتیں قائم خالین کافرن گرفتار ہوئے، ان پر جوت اشہ، چراغ کے انبار ہوئے، تسماری چھاتی دھڑی، تسماری ماسا پھڑی، گھیرات، تھلائے، پٹناتے، جیسے اکثریتی کی چاننی سب کچھ مٹا کر ان کو دور آئے، فوراً کرنا کرم و حواس و حار

کسی دلیل کے تسلیم کر لی جاتی تھی، ہر شخص ہوش سے کم اور جوش سے زیادہ کام لے رہا تھا، اس جانب اشارہ کرتے ہوئے فاضل بریلوی رقمطراز ہیں:

"معلوم تھا کہ کر تو کچھ نہیں سکتے (۴۵۳) نہ وہ خالی بیچ پکار کا نام جماعت رکھتا ہے، اہل عقل و دین اول تو غمناک ہے تو کہ خود ہی صحت جان کر صرف توجہ الی اللہ پر قائم رہیں گے اور اگر شاید شرکت چاہیں تو انہیں مذہب اہلسنت پر شے سے زیادہ عزیز ہے، مذہب ہی ان کے نزدیک بیچ ہے لہذا ایسے لفظ کی چلاہٹ ڈالو جو خلاف مذہب اہلسنت ہو کہ وہ شرک ہوتے ہوں تو نہ ہوں اور کہنے کو مواقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے بددوستی نہیں یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں تاکہ عام ان سے بددوستی اور دیوبندیت و دہائیت کے پتے چمکیں۔" (۴۵۴)

امام احمد رضا کا یہ کہنا کہ "دیوبندیت و دہائیت کے پتے نہیں" غلط بات نہیں تھی بلکہ اس کی تصدیق مولانا مختار احمد صدیقی صدر جمعیت العلماء ہند صوبہ پنجاب کے ایک خط سے ہوتی ہے جس میں وہ لکھتے ہیں:

"وہابی اس صوبہ میں اس قوی روپے سے ہوتا ہے کہ دروہاک حالات بیان کر کے وصول کیا گیا تھا، اب تک وہ لاکھ (مولوی اسماعیل دہلوی کی کتاب) "تقویت ایمان" چھاپ کر مفت تقسیم کر چکے ہیں۔" (۴۵۵)

خلافت اور قریشیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل بریلوی تحریر فرماتے ہیں:

"اہل سنت کے مذہب میں "خلافت شریفہ" کے لئے ضرور "قریشیت" شرط ہے، اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حواتر حدیثیں ہیں، اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہل سنت کا اجماع ہے۔ مگر شریعت خلیفہ یا امیر المومنین۔۔۔ پر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے، یہاں اس کے جو سابق شرط خلافت اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذہانت، قدرت، قریشیت، سب کا جامع ہو کر مسلمانوں کا قہر ان روائے اہل سنت ہو۔" (۴۵۶)

خلیفہ اور سلطان کا فرق بیان کرتے ہوئے فاضل بریلوی قدس سرہ رقمطراز ہیں:

(۱) "خلیفہ شکرانی و جہانپانی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نائب مطلق، تمام امت پر ولایت مطلقہ والا ہے۔"

(۲) "خلیفہ کی امامت غیر مصیبت الہی میں تمام امت پر فرض ہے، جس کا خطہ خود اس کا منصب ہے۔"

(۳) "خلیفہ نے جس مہاج کا حکم دیا، متینہ، فرض ہو گیا، جس مہاج سے منع کیا، متینہ، حرام ہو گیا۔" (۴۵۷)

(۴) "خلیفہ ایک وقت میں تمام جہاں میں ایک ہی ہو سکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس۔" (۴۵۸)

(۵) "کوئی سلطان اپنے انعقاد سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں مگر ہر سلطان "اذن خلیفہ کا محتاج ہے۔" (۴۵۹)

فون۔ 6665429

Saddar Gold Smith



خوبصورت زیورات تیار ملتے ہیں

اور آرڈر بھی تیار کیے جاتے ہیں

سوئے چاندی کی مکمل گارنٹی



صدر بازار سرور روڈ وکان 933

میدنہ بازار، لاہور

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ اور انگریز

ایک سچے عاشق رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور اسلام کے شہداء کی حیثیت سے امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تمام غیر مسلموں کو مسلمانوں کا دشمن سمجھتے تھے، جس طرح انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی پرواز خلافت کی باطل اسی طرح وہ انگریزوں سے میل جول ان کی تہذیب و تمدن اور مسلم کش پالیسیوں کو شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ عربی مسلمانوں کو بھی متفقین کرتے رہے کہ اپنی علیحدہ تنظیم بنادے، اپنے مسائل پر بھروسہ کرے اور اسلام کے تحفظ کے لئے اپنی قوت بوجھاوے، ہندو مسلم اتحاد کے داعی حضرات کو ان کا یہ رویہ ایک آنکھ نہ بھایا اور خوف خدا سے بے نیاز ہو کر یہ مشہور کرا دیا کہ فاضل بریلوی آزادی ہند کے مخالف ہیں، نعوذ باللہ وہ انگریزوں سے مل گئے ہیں یا کم از کم ان کے افعال سے انگریزوں کے مقدمات کو تقویت ملتی ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی، اس الزام کی تردید کرتے ہوئے مولانا بریلوی رقمطراز ہیں:

"لقد انصف کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کو خوش کرنے کو معاذ اللہ مسلمانوں کا تباہ کرنے والا مسئلہ نکالا، ان اہل باطل نے مشرکین کے خوش کرنے کو مراعات، کلام اللہ اور احکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا، مسلمانوں کو خدا لگتی کہنی چاہئے، ہندوؤں کی غلامی چھڑانے کو جو فتوے اہلسنت نے دیئے، کلام الہی اور احکام الہی بیان کئے، تو ان کے دھرم میں انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوسے، وہ جو غیر سچے کے دور میں نصرانیت کی غلامی اپنی تھی اب آدھی صدی کے بعد لیڈر ہونے بیٹھے ہیں، کیا اس کا رد علامہ اہلسنت نے نہ کیا، وہ کس کو خوش کرنے کو قائل کیا بلکہ رسائل و رسائل اس کے رد میں نہ لکھے گئے حتیٰ کہ اس کے بیٹے ہندو کے رد میں پچاس سے زائد رسائل شائع کئے جن میں بابا جی اس نیم نصرانیت کا بھی رد ملے گا، یہ کس کے خوش کرنے کو قائل۔ (۳۵۸)"

اللہ و رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) جانتے ہیں کہ انکار مساکس سے خداوندی شرع کا مقصد کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا، صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا واللہ اعلم، سنئے ہم کہیں واحد قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار نعمتیں جس نے انگریزوں کو خوش کرنے کو چاہی مسلمانوں کا مسئلہ نکالا ہو نہیں نہیں بلکہ اس پر بھی جس نے حق مسئلہ نہ رہائے خدا و رسول نہ تنبیہ و آگاہی مسلمانوں کے لئے بنایا بلکہ اس سے خوشنودی نصاریٰ اس کا مقصد دینا ہو اور ساتھ یہ بھی کہ لکھے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار نعمتیں ان پر جنہوں نے خوشنودی مشرکین کے لئے چاہی اسلام کے مساکس دل سے نکالے، اللہ عزوجل کے کلام و احکام تحریف و تغیر سے گنہگار نہ ہو، "شعائر اسلام بند کئے، شعائر کفر پند کئے، مشرکوں کو اسلام و ہادی بنایا، ان سے دہاد و اتحاد

دیویشن پاس کیا ہے کہ ہے، یہ عمارے پیارے ہیں، یہ عمارت آنکھ کے آگے ہیں، انہوں نے مسلمانوں کو ذبح کیا، جادیا، پھونکا، مسجدیں، دھارم، قرآن پھاڑے، یہ عمارت ان کی غلامی شہر دہی تھی، ہمیں اس کی مطلق پرواہ نہیں، یہ عمارے گئے ہیں، کوئی سوتا ڈاہ نہیں، ماں بیٹی کی لڑائی دودھ کی لٹائی، برتن ایک دوسرے سے کڑک ہی جاتا ہے، ان کے درد سے ہمیں فحش پر فحش آتا ہے، ان کا بال بیک ہوا اور ہمارا کچھ پھٹا، اللہ ان کو معافی دی جائے، فوراً ان سے درگزر کی جائے، یہ ہے آئیے منہ پر تھمارا حمل۔" (۳۵۳)

فاضل بریلوی ابوالکلام آزاد کی "استادی صلاحیتوں" کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مسٹر آزاد اگرچہ اپنے نقشے میں تمام آمر مجتہدین کرام سے اپنے آپ کو اعلیٰ جانتے ہیں، ان کے ارشادات کو حتمی اور اپنے فتوے کو وحی سے کتب قلمی مانتے ہیں اور سلطان کا نام محض دکھاوا ہے، تمام امت سے اپنی امامت عقد منانے کا دعویٰ ہے، دیکھو رسالہ خلافت کا آخر مضمون "ایمون اہلکم سبیل الوشاد" (سیرۃ پیرو ہو جاؤ) میں ہمیں راہ حق کی ہدایت کروں گا۔ (۳۵۳)"

"کسی پرچہ اخبار کی ایڈیٹری اور چرچہ اور حدیث و فقہ کا سمجھنا اور وہ من کا ترجمہ ہے" اور الہی کا ترجمہ تک کر لینے سے نہیں آتا۔ (۳۵۵)"

ایک موقع پر ابوالکلام آزاد نے ہندوؤں کی حمایت کرتے ہوئے کہا: "اگر کوئی طاقت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا صرف یہ فرض نہیں کہ وہ حملہ آور سے مقابلہ کریں بلکہ اگر ایک ہندو قتل ہو جائے تو دس مسلمان اس کے لئے جانی قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔"

امام احمد رضا نے ان نکلات پر شدید رد عمل کا اظہار فرمایا اور اپنی رہائش میں جو کچھ لکھا، اگر وہ اس پس منظر میں نہ پڑھا جائے تو نہایت ہی نامناسب معلوم ہوتا ہے، امام احمد رضا کہتے ہیں:

فانی، جہد، شد، ابوالکلام، معلم، گفتا، من، بہر، بتقدم، مسلم، گوئدے، آید، از، الفان، بریک، ہندو، قدا، کہم، دو، مسلم، (ترجمہ) تجھے خبر ہے کہ ابوالکلام نے تجھے کیا پڑھایا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں ہندوؤں کی خلافتی چاہتا ہوں۔ اگر ہندوستان پر چھان حملہ کر دیں تو میں ایک ہندو پر دس مسلمان قربان کر دوں گا۔ (۳۵۶)"

اسی تناظر میں فاضل بریلوی کے یہ جتنے رسالہ کس بھی قابل توجہ ہیں: "یہ کون سا دین ہے، نصاریٰ کی ادھوری سے انتہاب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب، قرآن الطور وقف وقت المیراب، ع ملتے چلنے کے نیچے ٹھہرے سینے سے بھاگ کر" (۳۵۷)"

منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آئیں۔" (۳۵۵)

تجربہ کی بات یہ ہے کہ تحریک خلافت کے دوران بعض ذمہ دار لیڈر ایسے بھی تھے جو بیک وقت خلافت کھینک کے ممدوں پر بھی فائز تھے اور انگریزوں کے ساتھ بھی ان کا گٹھ جوڑ تھا، نیز خلافت کے نام پر انہی کی کئی رقوم میں خود برد کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے لیکن چونکہ وہ اس غیر اسلامی دوش کے موید تھے جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بے حد نقصان اٹھانا پڑا، اس لئے انہیں حریت پسندوں کا درجہ ہی حاصل رہا، مولوی عید اللہ سندھی کا بیان ہے:

محمد خاں تحریک خلافت کھینک کراچی کا پریسیڈنٹ (ممد) تھا۔ یہ محمد خاں بہت ہوشیار آدمی تھا، خلافت کے زمانے میں اس نے عقلمندی سے انگریزوں کے ساتھ بھاسے رکھی اور خلافت سے بھی۔ (۳۶۰)

تحریک خلافت کے خاتمہ پر سب ہی محمد خاں بے کار ہو گیا تو:

"مولوی اسماعیل اس کو بھی ساتھ (مکہ معظمہ) لے گیا، محمد خاں پر خلاف کعبہ خوانے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی۔" (۳۶۱)

یہ معلوم ہونے کے باوجود کہ محمد خاں دہرہ دہرہ انگریزوں سے ملا ہوا تھا، نہ تو اس پر انگریز پرسی کا الزام لگایا گیا اور نہ ہی اسے بے روزگار رہنے دیا گیا، اس کے علاوہ خلافت فٹ میں بھی کھیلوں کا انکشاف ہوا تھا۔ "ڈاکٹر چلوے" امرتسر میں خلافت کھینک کے اکاؤنٹ کی جانچ پڑتال کے دوران جو بیان جاری کیا، اس سے نہیں اور بد اعتمادی کے شدید اندیشوں نے جنم لیا۔ مولوی داؤد غزنوی اس چھ ہزار روپے کا جو اسے مسز شوکت علی نے دیئے تھے، حساب کتاب پیش کرنے سے قاصر رہا، اگرچہ اس نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ وہ رقم خیرہ پروینکلا پر خرچ کی گئی لیکن عام طور پر یہ یقین کیا جاتا تھا کہ مذکورہ رقم ایک کوشی بنانے پر صرف ہوئی، اس سے قبل یہ انکشاف ہوا تھا کہ ڈاکٹر چلوے آتما مندر خان اور ملک لال خان کو معقول تنخواہیں ادا کی گئی تھیں۔ (۳۶۲)

انگریزوں سے تعلقات استوار رکھنے اور خلافت فٹ کے استعمال میں بے قاعدگی پر کہیں سے بھی مددائے احتجاج بلند نہیں کی گئی، غائب کا نشانہ بنے تو صرف وہ لوگ جو مسلمانوں کے مفادات کا خیال رکھتے ہوئے ہندوؤں کی عیادتی سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے، ستم خیزی کی بات یہ ہے کہ تحریک خلافت و ترک موالات کے خاتمہ پر اگرچہ کچھ قوم پرست لیڈروں نے اعتراضات اٹھ کر لیا لیکن ان میں سے بعض اپنے غلط موقف پر قائم رہے، وہ اور ان کے پیروکاروں کے معتقدین ان تحریکوں کے مخالفین کو انگریزوں کا ایجنٹ منوانے پر اصرار کرتے اور کر رہے ہیں، حالانکہ تحریک پاکستان کے آخری دنوں میں یہ راز بھی راز نہ رہا کہ انگریز تقسیم ہند کے مسئلہ پر ہندوؤں کے ہمراہ تھے اور آج بھی یہ دونوں اقوام ہر اس بات کی مخالفت کرتے ہیں جس سے مسلمانوں کو معمولی سا فائدہ بھی پہنچنے کا احتمال ہو۔

بات ہو رہی تھی انگریز اور فاضل بریلی کی "حضرت کسی ایسی بات کو

پسند نہیں فرماتے جس سے کسی بھی غیر مسلم کی تعریف یا اچھائی کا پہلو نکلتا ہو:

"ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ انگریز ہندوؤں سے اچھا ہے، آپ نے فرمایا: نہیں، انگریز ہندو سے بدتر اور ہندو انگریز سے بدتر ہے۔" (۳۶۳)

امام احمد رضا خان فاضل بریلی قدس سرہ کسی بھی زبان کو فی نفسہ سیکھنے کے خلاف نہیں تھے لیکن اگر اس کے سیکھنے سے اسلام پر برے اثرات پڑنے کے امکانات ہوتے تو اس سے متنبہ ضرور فرماتے، انگریزی تعلیم کے مفاسد کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انگریزی اور وہ بے سود و منہیں اوقات سطلتیں جن سے کچھ کام دین تو دین دنیا میں بھی نہیں پڑتا جو صرف اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لڑکے اس دنیا و ملامت میں مشغول ہو کر دین سے غافل رہیں۔ ان میں حیت دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا۔" (۳۶۴)

انگریزوں نے اپنی زبان، تعلیم اور تہذیب و تمدن کو پھیلاتے اور نشوونما کی خاطر اپنی چوٹی کا زور لگایا، اس میں میں انہوں نے اپنے آئینوں سے سب غشاء کام لیا، اگر امام احمد رضا خدا نخواستہ انگریزوں کے غیر خواہ ہوتے

رضا
میدلسین کلمتی

59

علامہ اقبال روڈ
گڑھی شاہو لاہور

فون: ۶۲۶۶۱۷

خانے واقع تھے وہ بدستور تعمیر کر لئے جائیں گے لیکن بچے کی زمین پر کچھ ہاتھ بٹا دیا جائے گا آگے راہ دو اس پر سے گزر سکیں۔"

اس سلسلہ میں ایک استغاثہ کے جواب میں نہ تو امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی حکومت کی پرواہ کی اور نہ اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی علی کی، خود تحریر فرماتے ہیں:

"میں نے ایک مدت تک تعویق کی، اخبارات مٹا کر دیکھے کہ نظر واقعات اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہو سکے مگر افسوس کہ مبتلا خوض و تفتیش سے کام لیا، اس کی شاعت ہی بوجہ حق مٹی، تاہم جواب خلاف احباب دینا پڑا کہ اعمار حق لازم تھا، عالم مذکور (عبدالباری) سے مرام قدیم، حفظ حرمت اسلام و دفع غلط فہمی عوام پر بحمد اللہ تعالیٰ غالب نہ آسکتے تھے۔" (۳۷۷)

جیل پر کے قیام کے دوران، امام احمد رضا بھی کبھی بیرو تفریح کے لئے جایا کرتے تھے، مفتی محمد برہان الحق جیل پوری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"ایک دن بعد نماز عصر تفریح کے لئے جمعی پر بمن کیرت فیکٹری کی طرف لئے، فنی گوروں کی پارٹی، فیکٹری سے اپنے اپنے کوارڈنوں کی طرف جاری

کی اشاعت بند کی، اخبارات میں کالیاں سننا نہیں، رہا واقعہ کانپور کے متعلق نظمیں تو وہ ایک ہنگامی جوش کا نتیجہ تھیں جس میں سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ میں بھی شریک تھا۔" (۳۷۸)

انگریزوں کے اس محبوب دارالعلوم کے متعلق پٹنہ کے ایک عظیم الشان جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

"ممدو تمام بدویوں، گمراہوں سے دود و اتحاد فرض کرتی ہے۔۔۔ خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر دیکھتا ہے، گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے، اس کے معاملے دیکھ کر خدا کی رضا و ناراضی کا حال کمال مل سکتا ہے، گلہ گو کیسا ہی بددین، بد مذہب ہو، ان میں جو زیادہ حق ہے، خدا کو زیادہ پیارا ہے، ان میں جس کی توبین کیجئے، خدا و رسول پر حرف آتا ہے، یہ گھٹات اور ان کے امثال خرافات کو افسانہ نمونہ کی جو روداد ہے، جو مقال ہے، ایسی ہی باتوں سے مالا مال ہے، سب صریح و شریک نکال و عظیم وہاں و موجب غضب ذی الجلال ہیں۔" (۳۷۹)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا کفایت علی کافی نے مہرات دار حسد لیا، ۱۸۵۸ء میں انہیں پچائسی کی سزا ہوئی، اس وقت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ شیر خوار بچے تھے، خود فرماتے ہیں:

"مولانا کافی علیہ الرحمۃ کی زیارت آٹھ برس کی عمر میں مجھے ثواب میں ہوئی، میری پیدائش کے گیارہ مہینے بعد مولانا کو پچائسی ہوئی۔" (۳۸۰)

انگریزوں کے دور حکومت میں حکومت کے کسی باغی کو اتنے الفاظ سے یاد کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن فاضل بریلوی نے نعت گو شعراء میں نہ صرف مولانا کافی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے قلبی تعلق کا اظہار فرمایا بلکہ انہیں سلطان اور اپنے آپ کو وزیر اعظم قرار دیا، فرماتے ہیں:

مکا ہے مرے ہوئے دین سے نام
یاں نخر شیریں نہیں، سچی سے بچ

کافی سلطان نعت گویاں ہے رضا
ان شاء اللہ میں وزیر اعظم (۳۸۱)

مرکز کی تعمیر کو بہانہ بنا کر حکومت نے کانپور میں مسجد کے ایک حصہ کو منہدم کر دیا تھا، مسلمانوں نے اس حصہ کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا لیکن ان پر گولی چلائی گئی، بارہ آدمی شہید، ۳۳ زخمی اور ۱۰۵ گرفتار ہوئے جن پر مقدمہ چلایا گیا (۳۸۲)، ۲۱ اگست ۱۸۵۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد جس میں مولانا عبدالباری فرنگی علی، راجہ صاحب محمود آباد اور سر رضا علی وغیرہ شامل تھے، پینشنٹ گورنر سے ملا اور پھر ۳۱ اکتوبر ۱۸۵۳ء کو ان حضرات نے مسلمان قوم کی طرف سے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کرنی، جن میں ایک شرط یہ تھی:

"ہم غلام مسجد کی سطح زمین سے کئی فٹ بلند ہے، اس لئے جس جگہ فوس

ہمد

گارمنٹس سنٹر

ہر سکول و کالج کی یونیفارم دستیاب

جین جیکٹ - جرسی - پینٹ - شرٹ - بلیٹ

شلوار قمیض - اور ہر قسم کی ہوزری خریدنے کیلئے

تشریف لائیں

6661145

حبیب بنک چیک قائم بلڈنگ سرگروڈ صدارت لاہور کونٹری کلب

تھی، انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

"تم جنت یا نکل بند ہیں۔" (۳۷۸)

اس واقعہ پر غور کرنے سے ایک حقیقت پسند شخص آسانی سے اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ فاضل بریلوی پر انگریز پرستی کا الزام یا تو غلط فہمی یا بدعتی پر مبنی ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے خاتمہ پر مولوی رشید احمد گنگوہی پر الزام لگایا گیا تھا کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا تھا، مولوی صاحب نے اس بے بنیاد الزام کا جواب دیتے ہوئے عدالت میں بیان دیا:

"میں جب حقیقت میں سرکار کا فرماں برادر رہا ہوں تو مجھ نے الزام سے میرا بال بھی بچا نہ ہو گا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے" اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔" (۳۷۹)

اس کے برعکس امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ انگریز تو کیا، ایک مسلمان نواب کو بھی سرکار مانتے کے لئے تیار نہیں تھے، ایک دلفرد مولانا ہدایت الرسول رحمت اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے سامنے نواب راجہ راجہ کو "سرکار" کے لفظ سے یاد کیا تو آپ نے فوراً فرمایا:

بجز سرکار سرکار سرکار
سرکارے سرکارے سرکارے

یعنی حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہم کسی دنیاوی سرکار سے غرض نہیں رکھتے، فاضل بریلوی کی تمام تصانیف کا مطالعہ کر جائیے، انگریز تو انگریز کسی مسلمان بادشاہ کے لئے بھی سرکار کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ (۳۸۰)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا کردار (مسلم زعماء کی نظر میں)

امام احمد رضا اور انگریز

ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی نے ایک انٹرویو میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کی جانب سے تحریک ترک موالات کی مخالفت کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"اس مخالفت کا ایک سبب تو یہ تھا کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ہندوؤں کا اثر و رسوخ بڑھے اور مسلمانوں سے ان کا اس قدر زیادہ میل جول ہو، یہ بات انہوں نے انگریز دوستی کی بناء پر نہیں کی تھی بلکہ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو انگریز سے اتنا خطرہ نہیں ہے جتنا ہندوؤں سے ہے۔" (۳۸۱)

ڈاکٹر سید مطلوب حسین (ڈپٹی ڈائریکٹر وزارت مذہبی امور) تحریر فرماتے ہیں:

"تحریک ترک موالات ۱۸۵۰ء میں مسٹر گاندھی نے شروع کی، جس کا

مقصد حکومت برطانیہ سے عدم اعتماد تھا۔ اس میں ہندو نواز مسلم اکابرین اپنے ماضی کے تجربات و مشاہدات سے قطع نظر کر کے اقلیت ہندو کے آئینی و قانونی اور محبت کا ہاتھ بڑھایا حتیٰ کہ انہیں اپنا قاتل اور رہنما تسلیم کر لیا۔ امام احمد رضا کو اس سیاسی طرز عمل سے سخت اختلاف تھا کیونکہ اس کے لئے ہرگز تیار نہ تھے کہ انگریزوں کی غلامی کا طوق اتار کر ہندوؤں کی غلامی قبول کر لیتے اور اقتدار ان کے ہاتھ میں سوپ کر ان کو مسلمان کی قسمت کا مالک بنا دیتے۔ قوم پرست مسلمانوں کو ہندوؤں کے اعلیٰ نیت پر یقین تھا لیکن امام احمد رضا ان کی نیتوں کو خوب سمجھتے تھے، اس نے انہوں نے خود کو اس تحریک سے الگ رکھا لیکن اعلیٰ حضرت کے مخالفین نے اس بات کو شہرت دی کہ انہوں نے انگریزوں سے پیسہ کھا کر ترک موالات کے خلاف فتویٰ تحریر کیا جو انگریزوں کے ایمان سے لاکھوں کی تعداد میں پیسہ اکٹرا کر تقسیم کیا گیا۔" (۳۸۲)

یہ سراسر کذب و افتراء ہے کیونکہ اتنی کثیر تعداد میں فتویٰ کی کاپیاں چھپنے اور تقسیم ہونے کے باوجود ان کے مخالفین ایک نقل بھی فراہم نہ کر سکے۔" (۳۸۳)

روزنامہ نوائے وقت کے کالم نگار میاں عبدالرشید رقمطراز ہیں:

"گاندھی کی آمدھی نے جو خاک اڑائی تھی، اس میں ہندو بھوں کے پاؤں اکٹھے اور چٹائی زائل ہو گئی مگر علامہ اقبال اور قائد اعظم کے طاق تیسری بڑی شخصیت جو اس شور و غوغا اور ہڑبازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی حضرت احمد رضا خان بریلوی تھے، آپ نے ان دنوں بھی اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہیے، انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں، کانگریسی مسلمانوں نے اپنی صرف ایک آنکھ کھلی رکھی تھی، وہ صرف انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان دنوں چونکہ سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، اس لئے حضرت احمد رضا خان بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت ہتھیار چلایا گیا اور بدنام کرنے کی مصم چلائی گئی لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل پروپیگنڈے کا ظلم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آ رہا ہے۔" (۳۸۴)

تحریک ترک موالات کے رہنما اور امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے سیاسی مخالف مولانا مصین الدین امیری رحمت اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ترک موالات کی ایک تجویز نمبر ۵، ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوار (امام احمد رضا اور مولوی اشرف علی تھانوی) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔" (۳۸۵)

ہر دو بزرگوار اس امر پر متفق ہو گئے کہ موالات نصاریٰ قطعاً ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ ان کے شاندار استدلال سے عیاں ہے۔" (۳۸۶)

جناب سید الطاف علی بریلوی، سیکرٹری جنرل آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس اپنے احساسات و جذبات کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

الصَّلَاةُ مُعْجَلَةٌ الْمُؤْمِنِينَ

نماز مومنوں کی

یہ ایسی بات ہے کہ کوئی منکر المزاج اس کو قبول نہیں کر سکتا۔ (۳۸۸)
مشہور و معروف ادیب و نقاد جناب شوکت صدیقی صاحب راقعاً فرماتے ہیں:
"ان (امام احمد رضا) کے بارے میں وہابیوں کا یہ الزام کہ وہ انگریزوں کے پروردہ یا انگریز پرست تھے نہایت گمراہ کن اور شرانگیز ہے۔
وہ انگریزوں اور ان کی حکومت کے اس قدر کڑھ ٹھن تھے کہ لٹاف و بخشش انہیں ملتی لگتی تھی اور برتاؤ کتے تھے کہ میں نے جارج ٹیم کا سر بچا کر دیا۔"

انہوں نے زندگی بھر انگریزوں کی نگرانی کو تسلیم نہیں کیا، مشہور ہے کہ مولانا احمد رضا خاں نے کبھی عدالت میں حاضری نہ دی، ایک بار انہیں ایک مقدمہ کے سلسلہ میں عدالت میں طلب بھی کیا گیا مگر انہوں نے توہین عدالت کے پابند حاضری نہ دی اور یہ کہہ کر نہ دی کہ "میں انگریز کی حکومت ہی کو جب تسلیم نہیں کرتا تو اس کے عدل و انصاف اور عدالت کو کیسے تسلیم کر لوں۔" کہتے ہیں "انہیں گرفتار کر کے عدالت میں حاضر ہونے کے احکامات جاری کئے گئے" بات اتنی بڑھی کہ معاملہ پولیس سے گزر کر فوج تک پہنچا مگر ان کے چار ٹکار بڑادوں کی تعداد میں سرت کنن باندھ کر ان کے گھر کے سامنے کھڑے ہو گئے، آخر عدالت کو اپنا حکم واپس لینا پڑا۔" (۳۸۹)

ایک دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا احمد رضا نہ کبھی انگریزوں کی حکومت سے وابستہ رہے نہ ان کی حمایت میں کبھی فتویٰ دیا نہ کبھی اس بات کا کسی طور اعتراف کیا، تم از کم میری نظر سے ان کی کوئی ایسی تحریر یا تقریر نہیں گزری، اگر ایسی کوئی بات سامنے آتی تو اس کا ضرور ذکر کرتا، اس لئے کہ نہ میرا ان کے مسلک سے تعلق ہے نہ ان کے خاندان سے، لہذا شاہ احمد رضا خاں کو علامتہ سو کے زمرے میں شامل کرنا سراسر بہتان اور حسد ہے۔" (۳۹۰)

امام احمد رضا قدس سرہ اور تحریک ترک موالات

روزنامہ فرائے وقت کے کالم نگار میاں عبدالرشید صاحب راقعاً فرماتے ہیں:
بریلوی تحریک کے سربراہ ایسے صوفیاء اور علماء تھے جن کا تعلق مسلمانوں کے سوا اعظم سے تھا۔ عام طور پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو اس تحریک کا قائل تصور کیا جاتا ہے، ان کی نسبت سے اسے بریلوی تحریک اور اس کے ساتھ شملک لوگوں کو بریلوی "فرقہ" کہا جاتا ہے حالانکہ بریلوی

"سیاسی نظریے کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ نیک و پند تھے، انگریز اور انگریزی حکومت سے وہی نفرت تھی۔ جس العلماء قسم کے کسی خطاب و تقریر کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں صاحب و مصطفیٰ رضا خاں صاحب کو کبھی شوق نہ تھا۔
ایمان دیاست اور حکام وقت سے بھی مطلق راہ و رسم نہ تھی۔" (۳۹۱)
مولانا سید محمد جعفر شاہ چلواری، جو تحریک ترک موالات کے سرگرم ارکن تھے، کا بیان ہے:

"ترک موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی، مجھے قاضی بریلوی رحمت اللہ علیہ سے کوئی دلچسپی نہ تھی، ترک موالاتیوں نے ان کے حلقہ مشہور کر رکھا تھا کہ "نمودہ بالذہن" وہ سرکار کے دقتیہ باب اجبت ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ہیں۔ دراصل ہر دور میں کسی کو بنام کرنے کے لئے کوئی چلتا ہوا اصطلاحی لفظ اختیار کر لیا جاتا ہے جس کے نشانے میں اپنی زندگی میں بددیکھ چکا ہوں۔ اس قسم کی خبریں خواہ ایک فیصد بھی اپنے اندر صداقت نہ رکھتی ہوں لیکن عام لوگ کسی تحقیق کی ضرورت نہیں سمجھتے بلکہ کوئی ثبوت طلب کے بغیر ایمان لے آتے ہیں، ایسے مواقع کے لئے یہ ماحولہ بنا ہے "تو اکان لے اڑا"۔"

"تحریک ترک موالات میں جوش میں تحقیق کا جوش نہ تھا، اس لئے یہی افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی لیکن جیسے جیسے شعور آتا گیا، مذہبی تعصب اور تنگ دلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا گیا۔" (۳۹۲)
مولانا کوثر نیازی انگریز پرستی کے الزام کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
"یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ (امام احمد رضا) انگریزوں کے حامی تھے لیکن انگریز سے آپ کو اتنی نفرت تھی کہ اپنے نوٹس میں انگریز کی پکری میں جانا حرام قرار دیا اور جب مقدمہ قائم ہوا تو وہ کبھی انگریز کی پکری میں نہ گیا، اس لئے کہ انگریز کی پکری میں جانا اس کے نزدیک حکم الہی کے قائلین کے خلاف تھا اور جس نے خط لکھا اور لٹاٹے پر نکتہ جس پر ملک و انگریز بادشاہ کی تصویر تھی، بیٹھ اٹا لگایا تاکہ اس کا سر بچا کر آئے اور جس نے اپنی وفات سے دو گھنٹے قبل یہ وصیت کی کہ اس کے گھر میں کھانا کافہ کے اجار ہیں، بیٹھے ڈاک میں آئے ہوئے وہ خط لکھا اور لٹاٹے میں اس پر ملک اور بادشاہ کی تصویر ثبت ہو یا بیٹھے روپے اور سکے ہوں جن پر ان کی تصویر ہو، وہ سب نکال دینے چاہئیں تاکہ فرشتہ ہائے رحمت کو آئے اور دشواری نہ ہو، ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ انگریزوں کے حامی تھے،"

وہ حقیقتاً مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے عین مطابق تھا اور اس سے چلنے کے لئے جو نقطہ نظر آپ نے اختیار کیا، اس کے لئے کسی اور کی بہت نیسی پڑی۔" (۳۴۳)

فاضل بریلی کی وفات پر روزنامہ پیسہ اخبار لاہور نے تعویذی نوٹ میں لکھا تھا:

"ترک موالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ جب مسلمانوں میں ترک موالات کا حکم صاف ہے تو اس میں استثنائی ضرورت نہیں، وہ یہ کہ جب اسلام میں یہودی، نصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یکساں ترک موالات کا حکم ہے تو جس طرح انگریزوں اور ان کی حکومت سے ترک موالات کیا جاتا ہے، ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین میں شمار کئے جاتے ہیں، ترک موالات ہوئی چاہئے، یہ منطقی نہایت کنزور ہے کہ انگریزوں سے تو ترک موالات ہو اور ہندوؤں سے بھی سیاسی اتحاد کے لئے موالات ہو، رکھی جائے، ان خیالات کے لئے وہ لوگ اور وہ مسلمان علماء بند جو انگریزوں اور انگریزی حکومت سے ترک موالات کے حامی تھے، مرحوم سے بہت ناخوش تھے، یہاں تک کہ آپ کو پابنکات اور بدنام کرنے میں ان کی طرف سے کوشش کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا گیا، یا وجود اس کے مرحوم کا بے ثبات اپنے راستے سے نہ ہٹا، اس میں کلام نہیں کہ مخالفین تک مرحوم ہی اعلیٰ اور بے نظیر قابلیت کے دل سے معزز تھے۔" (۳۴۴)

جناب امجد الحق صاحب قدوسی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ:

مولانا احمد رضا خاں کو اگرچہ انگریزوں سے شدید نفرت تھی لیکن ان کی دور رس نکالیں مستقبل میں اس تحریک (ترک موالات) کے انجام دہانہ کیوں رہی تھیں، وہ جانتے تھے کہ اس پر سفر میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور واقعی طور پر یہ ایک فریب ہے جو اکثریت اقلیت کو دے رہی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ تحریک کا سیلاب بھی ہو جائے تو ہندوؤں کی اکثریت پر شعبہ زندگی میں اقلیت پر اثر انداز ہوگی اور جب نہیں کہ یہ اتحاد اکثریت میں اوقام کی صورت اختیار کر لے۔" (۳۴۵)

امام احمد رضا قدس سرہ اور تحریک خلافت و ہجرت

پریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس محمد علیم صاحب نے ہندوؤں کی چال کو نکال دینے کے سلسلہ میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی ایک تقریر میں فرمایا:

"پاکستان کی بنیاد دو قویٰ نظریے ہے، امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی بصیرت نے اس وقت مسلمانانِ پاک و ہند کو آشنا کیا جب امت سے مستور اور مستتر مسلمان لیڈر اور علماء گاندھی اور کانگریس کے پر فریب نعروں میں بس رہے تھے۔ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے جوش و خروش نے مسلمانوں کو ہوشیار کی راہ سے بٹا دیا تھا۔ ہندوؤں کی سیاہ کاری جو اس بارے میں پھان تھی، اس تک مسلمانوں کی نگاہیں نہیں پہنچ رہی تھیں لیکن

کوئی فرق نہیں بلکہ سوا اعظم ہیں۔ مولانا احمد رضا خاں نے صرف مسلمانوں کے سوا اعظم کے خیالات و اعتقادات کی ترجمانی کی اور اپنی ملازمتوں سے دوسروں کے اعتراضات کے جوابات دیے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بریلی علماء کی کثیر تعداد نے قید و بند اور دار و درمن کے مصائب برداشت کئے تھے، اس لئے بریلی تحریک کے رہنما بھی انگریزوں کے سخت دشمن تھے مگر انگریز دشمنی کے تعصب میں انہوں نے ہندو دوستی اختیار نہ کی۔ وہ مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعاون کو ناجائز سمجھتے رہے۔ قائد اعظم کی طرح انہوں نے بھی ترک موالات اور تحریک ہجرت کی مخالفت کی، "یہ ملک ہمارے بزرگوں نے اپنا خون دے کر حاصل کیا تھا، ہم کیوں یہاں سے ہجرت کریں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور بعد میں حالات نے ثابت کیا کہ ان کا موقف درست تھا۔ تحریک ترک موالات اور ہجرت سے مسلمانوں کو سراسر نقصان پہنچا اور ملکی سیاست پر ہندوؤں کی گرفت مضبوط ہوئی۔" (۳۴۶)

ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سے شمسک ڈاکٹر شرف الدین صاحب اسلامی، امام احمد رضا فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ کو خزانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب گاندھی جی نے انگریزوں کے خلاف تحریک ترک موالات شروع کی اور مسلمانوں کو یہ کہہ کر اس میں شمولیت کی دعوت دی کہ ہندوستان میں بسنے والے ہندو مسلمان ایک قوم ہیں اور انہیں متحد ہو کر انگریزوں کے خلاف تحریک چلائی چاہیے، اس دعوت کے مضمرات مسلمانوں کے حق میں بستے خطرناک تھے، بعد کے تجربات نے خود انہیں آگاہ کر دیا، اس غفلت کی طرف سب سے پہلے جس شخص نے نشانہ دہی کی، مولانا احمد رضا خاں بریلی تھے، یہ انتہہ گویا اس دو قوی نظریے کا اعلان تھا جس کی بنیاد پر آج کل کر پاکستان بنا۔" (۳۴۷)

مولانا کوثر نیاز، امام احمد رضا قدس سرہ کے موقف کو برحق ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"تحریک ترک موالات، تحریک ہجرت، تحریک خلافت اور ایک اور بحث کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالکفر، ان سارے موضوعات پر جو امام احمد رضا کا نقطہ نظر تھا، پہنچ کر آج بھی اس پر گروہ افزائی جا رہی ہے لیکن علم سیاست کے تقاضوں سے جس قدر ہم آہنگ اور وہی اقدام کی ترجمانی ہے جس قدر نزدیک اور حقیقت پر مبنی ان کا موقف ہے، کسی اور کا نہیں۔ تحریک ترک موالات میں جب قائدین کانگریس نے یہ صدا دی کہ انگریز کے ساتھ ہر قسم کا تعلق ختم تو انہوں نے کہا کہ صرف انگریز سے ہی کیا، ہندو سے کیاں نہیں؟ ہر مشرک اور تمام کافر کے بارے میں ترک موالات کا وہی حکم ہے جو انگریز کے بارے میں ہے، پھر ہندو کے ساتھ مل کر انگریز کے خلاف یہ تحریک چلا گاندھی کی تہمید میں گرفتار ہونے کے مترادف تھا۔ اعلیٰ حضرت نے جو اس سلسلے میں سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا،

ہندو کا سیاسی تسلط بدھ کا مسلمان تعلیم سے بدھ بدھ رہے گا تو مسلمان سے
ہندو کے جمنے میں آ جائے گا اسے اس کے ملحدہ تفریق سے محروم
کرنے میں آسانی دے گی۔

علامہ اقبال اور قائد اعظم دونوں ان اقدامات کے خلاف تھے مگر اس
طوفان میں کوئی ان کی بات نہیں سنتا تھا۔

قائد اعظم ان دنوں سیاست سے الگ تھلک ہو گئے۔ ایسے نازک وقت
میں حضرت امیر رضا خان اور ان کے عقیدت مند میدان میں اترے اور
جگہ جگہ بلے اور مناظرے کر کے مسلمانوں کو ایسے اقدامات سے روکا جو
ان کے لئے سخت ضرر رساں تھے۔ یہ وہ دور تھا جب بعض نام نہاد
مسلمانوں نے ہندو لیڈروں کو مساجد میں بلانا اور انہیں منبر پر بٹھا کر ان سے
تقریریں کرائی شروع کر دیا تھا۔ حضرت بریلوی نے کہا کہ ہندو مشرک اور
بت پرست ہونے کے سبب نجس ہے۔ اسے مساجد میں بلانا احکام قرآن کی
خلاف ورزی ہے۔ کفار سے مل کر ایسی تحریک چلاؤ جس میں کفار کو بلا دینی
حاصل ہو، غلط ہے۔ حضرت بریلوی اور ان کے ساتھیوں کی ان تھلک
کو فحشوں سے نہ صرف اس وقت مسلمان بت سے خطرات سے بچ گئے بلکہ
ان کی سرگرمیاں دو قوی نظریہ کو باقی رکھنے اور تقویت دینے کا سبب
بنیں۔ (۵۰۰)

اس عظیم دانشور اور خدا داد صلاحیتوں سے بہرہ ور فرد فریڈ نے یہ بانگ دہلی
اس شاطرائے چال سے بروقت مسلمانوں کو آگاہ کیا۔ (۳۹۷)
جشن میاں محبوب امیر صاحب، فاضل بریلوی کے علمی تعاقب کو ان
الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

”سیاسی میدان میں گاندھی کے قریب نے تحریک خلافت میں مسلمانوں کو
تکلیف سے دوچار کر دیا تھا، مولانا بریلوی نے قبل از وقت مسئلہ خلافت کو
اجاگر کیا تھا اور ہجرت سے منع فرمایا تھا، اسی طرح گاندھی کے ذبح پر گاندھی
نے امتناع کے قانونی حاصل کئے اور شاعر اسلام پر پابندی لگانے کا ایک نیا
انداز اختیار کیا“ امام موصوف نے شدت سے اس فکر کا علمی تعاقب کیا۔ (۳۹۸)

مشہور و معروف مورخ میاں عبدالرشید معاصر دہلوی مولویوں اور امام
امیر رضا کے نقطہ نظر کا تجزیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:
”آپ (اعلیٰ حضرت مولانا امیر رضا خان فاضل بریلوی) بھی قائد اعظم کی
طرح تحریک عدم تعاون اور تحریک ہجرت دونوں کے خلاف تھے کیونکہ یہ
دونوں تحریکیں اس برہمن کے مسلمانوں کے مفادات کے متلافی تھیں۔ بیشتر
دہلوی علماء کاکھریس کے حامی تھے، ان کا یہ رویہ بڑا عجیب تھا کہ ایک
طرف وہ انگریز کی مخالفت کے زور میں ہندو کاکھریس لیتے، دوسری طرف وہ
دوسری طرف وہ ہیت یا پھیڑم جیسے مغربی نظریہ کو جو اسلام کے متلافی
تھا، اپنا رہے تھے، اسی طرح ان کا یہ طرز عمل بھی سمجھ سے بالاتر تھا کہ
جب وہ پارلیمانی جمہوریت کے حق میں تھے تو پھر ہجرت کے ذریعے اندرون
ملک مسلمانوں کی تعداد کیوں کم کرنا چاہتے تھے؟ پارلیمانی جمہوریت میں تو
سیاسی اقتدار کی بنیاد دونوں کی تعداد قرار دی گئی ہے۔“ (۳۹۹)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

”اس برہمن کے مسلمانوں کو سیاسی خودکشی سے بچانے اور ان کے
ایمان کو اندرونی اور بیرونی حملوں سے محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں حضرت
(امیر رضا خان) بریلوی نے جو خدمات سرانجام دیں، وہ لائق مد ستائش
ہیں۔ گاندھی نے اس تحریک (خلافت) میں شامل ہو کر اس تحریک کو جو
بنیادی لحاظ سے پان اسلامک یا عالمی اسلامی تحریک تھی، بھٹی قومیت کی تنگ
نظر جغرافیائی تحریک بنا دیا۔ ہندی پھیڑم کا مطلب یہ تھا کہ ہند میں
مسلمانوں کا کوئی الگ وجود نہیں، یہاں کے سب رہنے والے ایک ہی قوم
ہیں، ظاہر ہے کہ یہ نظریہ مسلمانوں کے لئے سیاسی خودکشی کے مترادف تھا۔
اول تو انگریز سے کہنا کہ وہ خلافت حرکی کو بحال کرے، ایک مشکلہ فخر مطالبہ
تھا، پھر یہ مطالبہ منوانے کے لئے جو اقدامات تجویز کئے گئے، وہ بھی ہندو
مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ اور مہلک کے ہندوؤں کے لئے فائدہ مند
تھے، مثلاً یہ کہ مسلمان یہ ملک چھوڑ جائیں، مسلمان اپنے سکول اور کالج بند
کر دیں، ان دونوں اقدامات سے ہندو کو فائدہ تھا، ملک سے مسلمانوں کی
تعداد کم ہو گی تو سیاسی اداروں میں ان کی نمائندگی بھی کم ہو جائے گی اور

فائن پیٹس



بہترین گورنگ، لازوال چسک،
موسمی اشرا ت سے محفوظ

بلال پینٹ انڈسٹری لاہور۔ فون ۶۶۵۱۱۶۵

خواجہ حسن نظامی، امام احمد رضا قدس سرہ کا باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت اور بے پائند فتوں کی تہذیب ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”جس طرح دیوبند کے مذکرہ میں میں نے قوی کارناموں کا ذکر کیا ہے اس موقع پر بھی نہایت فخر سے حضرت مولانا (احمد رضا خاں) بریلوی کی اس خدمت قوی کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے جنگ بلقان، طرابلس اور کانپور میں کی۔ میرے نزدیک مولانا صاحب کی جرات و دلیری علامت دیوبند، فرجی محل اور تمام یزدان گرم و سرد سے بڑھ کر ہے۔ انہوں نے جو کام کیا وہ ایک سے بھی نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہو سکا اور وہ ان کے بے پائند فتوے ہیں جو ان مواقع پر انہوں نے لکھے اور باطل کے مقابلہ میں حق کی حمایت کی۔“ (۵۰۱)

وزارت مذہبی امور کے ڈپٹی ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر مطلوب حسین، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی بصیرت پر تبصروں کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہمارے نزدیک اعلیٰ حضرت کا یہ اقدام (یعنی خلافت تحریک خلافت) ان کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار ہے، وہ جانتے تھے کہ جو بادشاہ اپنے اہل وطن کی تنگیوں میں قائل احترام نہ تھا، اسے ہزاروں میل دور ہندوستان میں بیٹھ کر محترم کہے بتایا جا سکتا ہے اور یہی ہوا کہ جدید ترکی کے بانی مصطفیٰ کمال پاشا نے اسے معزول کر کے ملک بدر کر دیا اور تحریک خلافت اپنی موت آپ مر گئی۔“ (۵۰۲)

محترم دلی سکر ایڈووکیٹ، فاضل بریلوی کی راست فہمی کی تہذیب میں یوں رطب اللسان ہیں:

”حضرت احمد رضا خاں کی بلاغت کا نیک انداز غلط مصلحت آمیزی اور دو رنگی کا کبھی قائل نہ تھا۔ آپ نے کانگریسی مولویوں کی طرح کبھی بھی مذہب کی تعلیمات کو سیاسی مصلحتوں یا صحافی مفادوں پر قربان نہیں کیا، تحریک خلافت کے ضمن میں آپ جیسے انہیں باذہب کی راست فہمی کو اس وقت بھی اہل سیاست اور حاکمان شعور نے سراہا اور آج بھی اسے تسلیم کیا جا رہا ہے، جہاد فکر و بصارت کے اس قائد سارار نے آج سے زائد از نصف صدی قبل اپنے فکر و آگہی سے جو فیصلہ کیا تھا وہ کتنا درست تھا، بعض طبع ناپاس کے حامل معترضین بھی کبھی فکر کی ان بلندیوں کا ادراک نہ رکھتے تھے اور آج بھی ان جیسوں کی سوچ وہی ہے۔“ (۵۰۳)

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور مسئلہ قومیت

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے، روزنامہ نوائے وقت کے کالم نگار میاں عبدالرشید رتقرآن ہیں:

”انگریزوں نے بالخصوص اور دیگر یورپی اقوام نے بالعموم۔ اسلامی جہاد کو جو صرف حق چھلانے کی خاطر کیا جاتا ہے، وحشیانہ قرار دے کر اس

کے خلاف ایسا پروپیگنڈا کیا کہ خود مسلمانوں نے جہاد کے بارے میں معذرت خواہان رویہ اختیار کر لیا۔

دوسری طرف جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی عظمت کم کرنے کے لئے الگ مہم چلائی جس میں یورپی مستشرقین اور پادری پیش پیش تھے، پھر ہندو بھی ان کے ساتھ مل گئے اور سب سے افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر بھی بعض ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو دعوے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احی ہونے کا کرتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی ایسی باتیں کہتے جو محبت و عقیدت کے سنائی ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو نیشلت تھے یعنی انہوں نے ہندو کے ساتھ متحدہ قومیت کا نظریہ اپنا لیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے امت مسلمہ کا تشخص اور پیمانہ ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت نہ رہی تو امت مسلمہ کے الگ تشخص کا احساس بھی ختم ہو گیا۔

اس موقع پر حضرت احمد رضا خاں اور علامہ اقبال میدان میں اترے، دونوں کو حقیقی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے وافر حصہ ملا تھا اور دونوں کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی شمع حوام و خواص کے سینوں میں فروزاں ہوئی۔ اقبال کے مخاطب زیادہ تر مغربی تعلیم یافتہ مسلم نوجوان تھے اور حضرت بریلوی نے عامتہ الناس کے سینوں کو گرمایا:

طور سوچے از غبار خاند اش
کعبہ را بیت الحرم کاشان اش
(ترجمہ) طور کی جلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گہری غبار کی ایک موج ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کاشان کعبہ شریف کے لئے بیت احرار ہے۔

حضرت بریلوی فرماتے ہیں:

جانچو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے، کعبے کا کعبہ دیکھو
مسٹر گاندھی نے ہندی نیشنلزم کی جو آندھی اٹھائی تھی، اس میں بڑے بڑے عالموں اور زاہدوں کے پاؤں اکڑ گئے، جن لوگوں نے اس دوران اپنے ہوش و حواس سلامت رکھے اور جن کی بصارت اور بصیرت اس گرد و غبار سے متاثر نہ ہوئی، ان میں حضرت احمد رضا خاں بریلوی، علامہ اقبال اور قائد اعظم سرنورست ہیں۔“ (۵۰۴)

امام احمد رضا فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ کا مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے اور ہندوؤں کی ذہنی غلامی سے نجات دلانے کی کوششوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد شمس الدین چیتربن شعبہ البلاغ عامہ جامعہ گرامی رتقرآن ہیں:

”امام احمد رضا کا دور وہ دور ہے جس میں آپ نے مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کے رویے کو بخوبی اجاگر کیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ ہندو

اندازہ فرمائیے کیا یہ نکات دو قوی نظریہ کی بنیاد نہیں ہیں؟ کیا یہ دو قوی نظریہ ہی تحریک پاکستان کی روح نہیں ہے؟ کیا اسی دو قوی نظریہ کی بنیاد پر ہی یہ برصغیر تقسیم نہیں ہوا؟ کیا اسی نظریہ کے ابطال کے لئے اندرا گاندھی نے ستوا مشرقی پاکستان کے وقت بحرہ و تقریر نہیں کی؟ تو اس نظریہ کے لئے علامہ خاٹنی میں سے اعلیٰ حضرت بریلی نے سب سے زیادہ تحریری کام کیا ہے۔" (۵۰۵)

امام احمد رضا خان فاضل بریلی قدس سرہ نے ہندو مسلم اتحاد کی جس شدت سے مخالفت کی تھی اس کی ایک جھلک مدیر ماہنامہ "متذیب الاخلاق" لاہور کے اس ادارتی نوٹ میں دیکھی جاسکتی ہے:

"اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلی کی خاص شہرت تھی اعلیٰ حضرت کانگریس کی تحریک متحدہ قومیت (الکھڑ بھارت) کے سخت مخالف تھے اور مسلمانوں کی کسمپرسی اور اخلاقی و معاشی پستی سے بہت رنجیدہ تھے چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے دلوں میں جذبہ حمیت دین و حمایت ملی بیدار کیا اور تحریک خلافت کے تحت گاندھی جی نے عیاری سے جو ہندو مسلم اتحاد اور ترک موالات کا پر فریب سلسلہ شروع کر کے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی ایسے عالی مرتبت مسلم اکابر رہنماؤں کو بھی اپنا مرید بنا رکھا تھا اعلیٰ حضرت نے گاندھی اور دوسرے ہندو کانگریسی لیڈروں کے اس سکر و فریب سے عوام ملت کو آگاہ کیا اور زبان و قلم کے زور سے ہندو کانگریس سے علیحدگی اختیار کر کے قائد اعظم محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی حمایت و شرکت کی پرزور تلقین فرمائی۔ آخر میں آپ نے اس مسئلہ پر فتویٰ بھی صادر کیا۔" (۵۰۸)

مسلمانوں کے دل و دماغ پر چھا گیا ہے اور مسلمان اپنی عقلت و تہذیب کا سودا کر چکا ہے۔ ہندو یہ بھی چاہتا ہے کہ جب بھی انگریز برصغیر سے رشتہ ستر باندھے تو وہ اس کا جائزین بنے اور اپنی اکثریت کی آڑ میں مسلم کشی کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر کر سکے۔ مسلمانوں کو خواب خرگوش سے بیدار کرنے کے لئے آپ نے مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کیا تاکہ انگریز اور ہندو کے فکری نقاب سے نجات مل سکے۔" (۵۰۵)

مولانا کوثر نیازی کے خیال میں دو قوی نظریہ کے بانی دراصل امام احمد رضا فاضل بریلی ہیں جن لوگوں نے برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کا بظرف خائز مطالعہ کیا ہے وہ اس بات سے متفق ہوں گے کہ یہ دعویٰ بالکل صحیح اور جہتی بر حقیقت ہے۔ مولانا نیازی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"سیاست میں ہم دو قوی نظریہ کو علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح سے منسوب کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کے ایک قوم ہونے کی مخالفت و تردید جس شدت سے امام احمد رضا خان نے کی وہ کسی اور نے نہیں کی۔ یہ دونوں حضرات بھی اس معاملے میں ان کے مقتدی ہیں ان کے راہنما نہیں۔" (۵۰۶)

جناح محمد علی خان ہوتی سابق وفاق وزیر تعلیم بھی دو قوی نظریہ کا بانی اعلیٰ حضرت فاضل بریلی کو ہی قرار دیتے ہیں۔ ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"بیسے بیسے مسلم رہنما نے اعلیٰ حضرت کو اپنے راستے سے ہٹا کر موت ہندو کے خازن میں لانا چاہا مگر ان کا جواب ایک ہی تھا کہ سب ایک ہی مزاج کے ہوتے ہیں لہذا میں کسی کفر سے موت قائم نہیں کر سکتا۔ یہی وہ زندہ حقیقت تھی جو آگے چل کر تحریک پاکستان کی شکل میں مستحکم ہوئی۔ اسی نظریہ کو اکبر اعظم کے دور میں پوری قوت سے امام مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجموعہ قلم قرار دیا۔

اعلیٰ حضرت کے بعد علامہ اقبال مرحوم نے اسی پیغام کی ترجمانی کی اور انہی افکار و نظریات کو بنیاد بنا کر حضرت قائد اعظم نے تحریک پاکستان فرمائی اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کے ملی تشخص کے لئے یہ ضروری قرار دیا کہ سودی کاروبار کسی بھی صورت میں جائز نہ قرار دیا جائے اور برصغیر کو دارالحرب قرار دے کر سود کو ضرورت قرار دے کر جائز نہ سمجھا جائے تاکہ ہندو ماہوکار غریب مسلمانوں کا خون چسنے والی جوتک نہ بن سکے۔ انہوں نے واضح فرمایا کہ مسلمان اپنا بینک قائم کریں تاکہ ان کا قوی تشخص بھی اجبرے اور وہ سرمایہ لگا کر اپنے قریب بھائیوں کے کام بھی آسکیں۔ انہوں نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مسلمان صرف مسلمانوں سے لین دین کرے تاکہ تجارت کے میدان میں وہ اپنا مقام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی مالی قوت میں بھی استحکام پیدا کر سکے۔ انہوں نے مسلمانوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا تاکہ انگریز اور ہندو کے فکری نقاب سے بھی نجات مل سکے اور مذہب سے متعلق قائم ہو اور مستقبل کے قائد پیدا کئے جاسکیں۔

تاج پبلیشٹ پریس

بہترین پینٹس کا مرکز

ٹی۔ ۹۰-II پینٹس ہاؤسنگ سوسائٹی

لاہور چھاؤنی، فون نمبر 891715

حوالہ جات

- (۱) سردار محمد خان، چودھری حیات قاتراظم، پبلشرز یونائیٹڈ لاہور ۱۹۳۵ء ص ۱۵۶
- (۲) مشہور علاقائی لیڈر مسٹر ایم ایم پکتمال نے ایک غیر مسلم کی قیادت کو جائز قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ ایک گناہگار مسلمان کے مقابلے میں ایک ہندو ولی قیادت کا زیادہ ہقدار ہے، ہم مانتا گاندھی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ہمارے جہاد کو ابھی تک اعلیٰ درجہ پر جاری رکھا ہے (دیکھیں احمد جعفری: اوراق کم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۳۵)
- (۳) محمد اور نیس، مولوی خطبات مدنی، کتب خانہ مجیدہ ملتان ص ۳۸۰
- (۴) ولیم ایل شرر نے اپنی کتاب "Gandhi A Memoir" مطبوعہ لندن ۱۹۸۱ء میں بعض مسلمانوں اور ہندوؤں کا مسٹر گاندھی کو مجدد تعظیمی کا ذکر کیا ہے، کیا فرماتے ہیں علماء دین و حکام اس مسئلہ کے کہ گاندھی کے حضور کروڑوں پیشانیوں کے جھکنے اور مجدد تعظیمی سے شرک کی بر آتی ہے یا نہیں۔ بیڑا و توجروا۔
- (۵) رشید محمود، ریاضہ تحریک ہجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۵۳ ملاحظہ
- (۶) ماہنامہ البلاغ (کراچی) جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ یاد فقیر ملت ص ۲۰۸
- (۷) (الف) محمود حسن، مولوی و دیگرے شرکت کانگریس کا جائزہ دلی پریس ورکس دلی ص ۳۔ ب۔ محمد میاں، مولوی ملام حق، مکتبہ شیخ الاسلام رحیم یار پٹان ص ۲۰۳
- (۸) ہندو دہلاکتے تھے کہ ہم مسلمانوں کے محتاج نہیں بلکہ بقول ڈاکٹر مونٹے "ہندو تمام اپنی طاقت سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں (کاش الہی: مسلم انڈیا، سنار لائٹ پبلیشنگ کمپنی لاہور ۱۹۵۳ء ص ۱۵۷)
- (۹) حسین احمد دہلوی، مولوی: نقش حیات جلد دوم، دارالاشاعت کراچی ص ۶۵۹ ملاحظہ
- (۱۰) راجہ صاحب نے تقسیم ہند کے بعد بھارتی حکومت کو نصیحت کی تھی کہ وہ پاکستان کو سطح ہستی سے مٹا دے۔ (محمد منور، پروپینڈہ تحریک پاکستان، تاریخی ضد و خیال، پیپ بورڈ پرنٹرز راولپنڈی ۱۹۹۳ء ص ۲۸)
- (۱۱) دلی منظر ایڈووکیٹ، خطوں کے چراغ جلد سوم، مجلس کارکنان تحریک پاکستان ملتان ۱۹۸۸ء ص ۱۱۶
- (۱۲) محمد اور نیس، مولوی: خطبات مدنی، کتب خانہ مجیدہ ملتان ص ۳۸۰-۳۸۱
- (۱۳) دیکھیں احمد جعفری: قاتراظم اور ابن کاہر، قیصل اکیڈمی لاہور ص ۸۶
- (۱۴) بی الاطاف قاتراظم جناح ایک قوم کی سرگزشت، فیروز سنز لاہور ۱۹۶۷ء ص ۱۹۷
- (۱۵) دیکھیں احمد جعفری: اوراق کم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۳۸
- (۱۶) عبدالماجد دریابادی: معاصرین، مجلس نشریات اسلام کراچی ص ۳۹، عبدالماجد دریابادی مولوی اشرف علی صاحب قانونی کے خلیفہ تھے۔ وہ قادیانوں کو بھی مسلمان سمجھتے تھے، دیکھئے:
- (الف) ابوالحسن علی ندوی، مولوی: پرانے چراغ حصہ دوم، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۱ء
- (ب) عبدالماجد دریابادی: آپ بیتی، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء
- (ج) عبدالماجد دریابادی: حکیم الامت، فیض ناشران و آجران کتب لاہور ۱۹۹۳ء
- (د) ماہنامہ قادری: یاد و نشان جلد اول الہدیر علی پبلشر لاہور ۱۹۸۳ء
- (۱۷) Jawaharlal Nehru: An Autobiography, John Lane the Bodley Head London, 1936 Page -119
- (۱۸) رشید محمود، ریاضہ تحریک ہجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۲
- (۱۹) الف۔ محمد مسعود احمد، پروپینڈہ کتب امام احمد رضا خان بریلوی مدہ تنقیدات و مناقبات، مکتبہ نمبر لاہور ۱۹۸۸ء ص ۸۲-۸۳۔ ب۔ ماہنامہ سیارہ ذابجست (لاہور) نومبر ۱۹۷۷ء ص ۲۰
- (۲۰) دیکھیں احمد جعفری: اوراق کم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۶۹
- (۲۱) محمد عدیل عباسی، قاضیہ تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۸۰
- (۲۲) عبدالرشید ارسوزہ: میں بڑے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۷۴

(۲۳) محمد عدیل عباسی 'قاضی: تحریک خلافت' پروگریسو بکس لاہور۔ ۱۹۸۶ء ص ۸۰
(۲۴) ایضاً ص ۱۷۱

(۲۵) برواکلام 'آزاد: خطبات ابوالکلام آزاد' ایم ٹائم شاہ ایڈیٹر لاہور ص ۲۲۹

(۲۶) محمد عدیل عباسی 'قاضی: تحریک خلافت' پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۰۲

(۲۷) روزنامہ 'الحیثیت' (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر پاکستانی ایڈیشن ص ۱۱۳

(۲۸) محمد عدیل عباسی 'قاضی: تحریک خلافت' پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۷

(۲۹) رئیس احمد 'تغریز: ادراک کم مکتبہ' محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۷۰

(۳۰) مجلہ 'برگ گل' (کراچی) ۱۳۷۰ء نمبر ۲۷۰

(۳۱) رئیس احمد 'تغریز: ادراک کم مکتبہ' محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۷۵

(۳۲) رشید محمود 'راجا: تحریک ہجرت' مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۲

(۳۳) عبدالماجد دریا پادی 'آپ بختی' مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء ص ۲۲۳

(۳۴) ماہنامہ 'نقوش' (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۳۹-۲۴۰

(۳۵) الف۔ رشید محمود 'راجا: تحریک ہجرت' مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۸

ب۔ ہفت روزہ اہل حدیث امرتسر ۱۳ نومبر ۱۹۹۱ء ص ۱۳

(۳۶) محمد عدیل عباسی 'قاضی: تحریک خلافت' پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۵

(۳۷) ایضاً ص ۲۷۶

(۳۸) مولوی احمد علی لاہوری کے خیال میں "مولانا حسین احمد صاحب اس زمانہ کے اولیاء اللہ کے امام ہیں" (ہفت روزہ خدام الدین (لاہور) ۸ جنوری ۱۹۶۰ء ص ۱۳)

(۳۹) محمد مسعود احمد 'پروفیسر ڈاکٹر: خطبات امام احمد رضا خان بریلوی مد تقیہات و مناقبات' مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۳۲۔ مولوی محمد میاں صاحب فرماتے ہیں: کس قدر عجیب بات ہے کہ بڑے لوگ یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اسلام ٹوٹا یا داؤمی میں نہیں، وہی گاندھی کیپ کو ٹکڑا قرار دے کر آسمان سر پر اٹھاتے ہیں (ماہنامہ قائد (مراد آباد) ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ کمال نمبر ۹)

(۴۰) روزنامہ 'الحیثیت' (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر پاکستانی ایڈیشن ص ۱۳۵

(۴۱) ایضاً ص ۳۰

(۴۲) ماہنامہ 'الارشاد' (کنک) جولائی ۱۹۷۶ء حضرت مدنی نمبر ۵

(۴۳) روزنامہ 'الحیثیت' (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر پاکستانی ایڈیشن ص ۳۸

(۴۴) ایضاً ص ۲۲۳

(۴۵) عبدالرشید ارشد: میں ہندو مسلمان 'مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۷۷

(۴۶) ہفت روزہ خدام الدین (لاہور) یکم جنوری ۱۹۹۱ء ص ۱۳

(۴۷) الف) ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۲۹ دسمبر ۱۹۶۷ء ص الف

ب) ہفت روزہ خدام الدین لاہور ۱۱ جولائی ۱۹۷۵ء ص ۱۱

(۴۸) محمد عدیل عباسی: تحریک خلافت 'پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۵

(۴۹) عبدالحمید سالک: یاران کس 'چٹان پر چنگ پرکس لاہور ۱۹۶۷ء ص ۵۰

فون پارٹی ڈیکوریٹر اینڈ کیٹرننگ

نئی دکان

۷۰۸۔ دہلی روڈ بازار لاہور کینٹ

نیسا سامان

پروپرائیٹر
شہباز شیخ
فون ۳۷۹۳۲

(۵۰) سخت زدہ خدام الدین لاہور ستمبر اپریل ۱۹۷۳ء ص ۶۱

(۵۱) Halide Edib: Inside India, George Allen and Unwin Brother Ltd London, 1937 Page 263

(۵۲) Penderel Moon: Wavell the Viceroy's Journal, Oxford University Press Karachi, 1974 Page 336

(۵۳) محمد عدیل عباسی: قاضی تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۸

(۵۴) شرکت حنیہ لینڈ: انوار رضا، شرکت حنیہ لینڈ لاہور ص ۳۶۱

(۵۵) نور احمد: سیدہ مارشل لاء سے مارشل لاء تک، دارالکتاب لاہور ص ۲۳

(۵۶) محمد عدیل عباسی: قاضی تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۳۰

(۵۷) ماہنامہ پیشق (لاہور) نومبر ۱۹۸۸ء ص ۹۸: پنڈت نواب لال شرو جس نے اپنی "آپ بچی" مطبوعہ لندن ۱۹۳۶ء میں مذہب کو بکسر دینا والے کی خواہش کا انکار کیا ہے، یہی اسی منافقت روش پر عمل پیرا تھے، کہا کرتے تھے "بھائی! میں تو صرف (مولوی مظاہر شاہ) بخاری صاحب کا قرآن سننے آیا تھا۔ اب میں قدرت کے ساتھ اجازت چاہوں گا کیونکہ برطانوی مشن کی آمد کے باعث مصروفیت زیادہ ہے" (عبدالرحمن: ششی: کردار کا مکمل معرکہ، پبلشنگ ایڈیٹری لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۵۶)

(۵۸) فیض احمد فیض: مولانا مرحوم: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور ص ۷۳-۷۴-۷۵

(۵۹) محمد عدیل عباسی: قاضی تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۵۳

(۶۰) اس سمجھوتے میں مسلمانوں کے حقوق کے نقطہ نگاہ سے اصل اہمیت رکھنے والی ایک اور شق بھی شامل تھی جو بہت کم لوگوں کو یاد ہے، اس کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کسی مجلس قانون ساز کا کوئی غیر سرکاری ممبر ایسی قرارداد یا مسودہ قانون پیش کرے جسے کسی فرقے کے ممبروں کی تین چوتھائی اپنے فرقے کے لئے نقصان دہ یا ناقابل قبول قرار دے دے تو ایسا بل یا ایسی قرارداد زیر بحث نہ لائی جائے گی۔ (نور احمد: سیدہ مارشل لاء سے مارشل لاء تک، دارالکتاب لاہور ص ۹)

(۶۱) یہی بات مسٹر گاندھی کے حوالے سے ہے ایف سی قر نے اپنی کتاب "India in Revolt" مطبوعہ لندن میں صفحہ ۱۶۸ پر لکھی ہے۔

(۶۲) سردار محمد خان: چودھری حیات قائد اعظم، پبلشرز پرائیویٹ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۲۹۹-۳۰۰

(۶۳) P. Hardy: The Muslims of British India, Pakistan Publishing House Karachi, 1973 Page 196

(۶۴) ماہنامہ علوم اسلام (دہلی) محرم الحرام ۱۳۵۸ھ / مارچ ۱۹۳۹ء ص ۹۶

(۶۵) ایسا ص ۸۶

(۶۶) امراء الرحمن بخاری: اسلام اور مذاہب عالم، نیو بکس لاہور ص ۷۰

(۶۷) رئیس احمد جعفری: علی ہمدردان، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء ص ۳

(۶۸) محمد امین ذہبی: سیاست خیر، آتش افشاں علی کیشنر لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۳۶

(۶۹) ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں: ایک اور مسئلہ ہے جو ایک ہندی نقطہ کے بعض میں سوراخ کے نقطہ میں آیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ محسن لباس کا تقرر آپ کو حقیقت و سمانی سے نا آشنا کر دے" (پروین روزینہ: عظیم العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۲)

(۷۰) Frank Moraes: Jawaharlal Nehru "A Biography" The Macmillan Company, New York, 1957 Page 74

(۷۱) محمد امین ذہبی: سیاست خیر، آتش افشاں علی کیشنر لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۵۳-۱۵۴

(۷۲) نور احمد: سیدہ مارشل لاء سے مارشل لاء تک، دارالکتاب لاہور ص ۲۷

(۷۳) Abul Kalam Azad: India Wins Freedom, Orient Longman Limited Madras, 1998 Page 11

(۷۴) محمد عدیل عباسی: قاضی تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۶۳

(۷۵) پروین روزینہ: عظیم العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۲

(۷۶) ایسا ص ۲۸۸

(۷۷) عبدالرشید ارشد: میں جسے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۷۳۰

(۷۸) رئیس احمد جعفری: اوراق تم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۵۹

(۷۹) پروین روزینہ: عظیم العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۲۱

(۸۰) ایسا ص ۱۳۵

(۸۱) محمد امام احمد راکاٹرنس انٹرنیشنل (کراچی) ۱۳/۱۲/۱۹۹۰ء ص ۷۷- ابوالکلام آزاد نے یہ بھی کہا تھا کہ "اگر خلیفہ کی فوج ہندوستان پر حملہ آور ہوگی تو مسلمان

اس سے بھی لڑنے کو تیار ہو جائیں گے، ہرگز غلط کام ساتھ نہ دیں گے" (محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند، طریق لدنی والا ارشاد الی احکام الامارت والجماعہ)
انجمن ارشاد المسلمین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۷۸

(۸۲) رئیس احمد جعفری: اوراقِ گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۸۵

(۸۳) مجتہد برک گل (کراچی) ۱۹۳۰ء جوہر نمبر ص ۳۸۳

(۸۴) محمد ادریس، مولوی: خطبات لدنی، مکتب خانہ مجیدیہ ملتان ص ۲۴۹

(۸۵) ماہنامہ الحق (اکوڑہ شنگ) جون ۱۹۸۸ء ص ۱۱

(۸۶) (الف) محمد اکرام، شیخ: رد کوثر، فیروز سنر لاہور ۱۹۷۰ء

(ب) برہان الدین احمد قادری: حضرت شیخ احمد سرہندی کا نظریہ توحید، مکتب خانہ پنجاب لاہور ۱۹۸۳ء

(۸۷) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط غیر ملکہ دوم ص ۲۷۰

(۸۸) Jamil ud Din Ahmed: Middle Phase of Muslim Political Movement, Publishers United Limited Lahore, 1969 Page 38

(۸۹) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند، الخاری الداری حصہ سوم، انجمن ارشاد المسلمین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۳۱ حاشیہ

(۹۰) رشید محمود، راجانہ: تحریک ہجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۱

(۹۱) رئیس احمد جعفری: علی برادران، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۳ء ص ۴۰

(۹۲) سید سلیمان ندوی کی روایت ہے: (مولانا) حسرت (مہربانی) مرحوم نے مجھ سے ایک دفعہ کہا تھا کہ گاندھی جی جتنی ظنی کی طرح ہر کلام میں دو مضائقہ پہلے رکھتے

ہیں اور بیک وقت دونوں کو حق سمجھتے ہیں" (سلیمان ندوی) سید: یاد و رفتگان، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۳ء ص ۳۳۶

(۹۳) عبدالرحمن، مفتی: کمدار قائد اعظم، شیخ اکیڈمی لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۱۵

(۹۴) محمد امین زہری: سیاست علیہ، آتش فشاں، جلی کیشنر لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۵۸

(۹۵) Horace Alexander: Consider India, Asia Publishing House Bombay, 1961 Page 43

(۹۶) رئیس احمد جعفری: قائد اعظم اور ان کا عہد، مقبول اکیڈمی لاہور ص ۸۹

(۹۷) کاش الہی: سلم انڈیا، سار لائٹس، پبلیشنگ کمپنی لاہور ۱۹۳۳ء ص ۲۳

(۹۸) ظفر علی خان: چمنستان، پبلشرز پوائنٹ لاہور ۱۹۴۳ء ص ۱۸۷

(۹۹) مجتہد برک گل (کراچی) ۱۹۳۰ء جوہر نمبر ص ۳۸۳، مولوی عبید اللہ سندھی کا بھی یہی نظریہ ہے۔ دیکھئے: محمد سرور، پروفیسر: خطبات و مقالات مولانا عبید اللہ سندھی،

سندھ سائیکل لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۸۳

(۱۰۰) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند، طریق لدنی والا ارشاد الی احکام الامارت والجماعہ، انجمن ارشاد المسلمین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۷۸

(۱۰۱) رئیس احمد جعفری: اوراقِ گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۷۳

(۱۰۲) ایضاً ص ۷۳

(۱۰۳) ایضاً ص ۷۳

مُشَاق کلام

پیشکش

وراثی کامرکز

ہر موسم کی وراثی کیلئے
تشریف لائیں
تھمیری بازار
لاہور



- (۱۰۳) محمد امجد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء، ص ۸۳-۸۳
- (۱۰۵) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد اول ص ۳۱۲
- (۱۰۶) A History of Non-Co-Operation in the Punjab, Superintendent Government Printing Punjab Lahore, 1925 Page 42
- (۱۰۷) سردار محمد خان: چودھری حیات خان کا اعظم، پبلشرز یونائیٹڈ لاہور ۱۹۳۹ء ص ۱۸۰
- (۱۰۸) عبداللہ لغاری: مولوی مولانا عبداللہ سندھی کی سرگزشت کاظمی قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۶۸
- (۱۰۹) روزنامہ الحقیقہ (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام نمبر مطبوعہ گوجرانوالہ ص ۲۱
- (۱۱۰) محمد سرور: پروفیسرہ قطبیت و مقالات مولانا عبداللہ سندھی، مندرجہ سالگرہ اکادمی لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۳۵
- (۱۱۱) پروین روزنامہ: عین العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۵-۱۳۶
- (۱۱۲) محمد سلیمان اشرف: پروفیسرہ انور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۳۱ء ص ۳۵
- (۱۱۳) Jamil ud Din Ahmed: Middle Phase of Muslim Political Movement, Publishers Limited Limited Lahore, 1964 Page 33
- (۱۱۴) رئیس احمد: مغربی علی برادران، محمد علی انیسٹی ٹیوٹ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۲۳
- (۱۱۵) خدیجہ نیاز: سید اقبال کے حضور، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء ص ۲۳۲-۲۳۳
- (۱۱۶) پروین روزنامہ: عین العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۷۷
- (۱۱۷) محمد سہیل: مولوی علامہ حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، حصہ اول، مکتبہ شیخ الاسلام رحیم یار خان ص ۲۰۲
- (۱۱۸) محمد عدیل عباسی: قاضی تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۰
- (۱۱۹) A History of Non-Co-Operation in the Punjab, Superintendent Government Printing Punjab, 1925 Page 44
- (۱۲۰) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۰۳
- (۱۲۱) پروین روزنامہ: عین العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۶
- (۱۲۲) محمد امین: زمین سیاست، آتش فشاں جلی کیشور لاہور ۱۹۹۰ء ص ۳۳
- (۱۲۳) علامہ اقبال رحمت اللہ علیہ بھی اس لکچر کے خلاف تھے (محمد امجد خان: اقبال کا سیاسی کارنامہ، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۸۳)
- (۱۲۴) محمد امین: زمین سیاست، آتش فشاں جلی کیشور لاہور ۱۹۹۰ء ص ۳۶
- (۱۲۵) ماہنامہ طلوع اسلام (دہلی) جون ۱۹۳۲ء ص ۵۷
- (۱۲۶) ابوالاعلیٰ مودودی: مسئلہ قومیت، اسلامک جلی کیشور لاہور ۱۹۸۲ء ص ۹۵
- (۱۲۷) ماہنامہ الرشید (لاہور) فروری مارچ ۱۹۷۶ء دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۳۶۶
- (۱۲۸) ماہنامہ صوفی پبلی ہاؤس الدین (موجودہ منڈی بھاؤ الدین ضلع کجرات) نومبر ۱۹۳۱ء ص ۳۲-۳۵
- (۱۲۹) پروین روزنامہ: عین العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۹
- (۱۳۰) محمد مسعود احمد: پروفیسرہ کھیات امام احمد رضا خان بریلوی مد تحیات و مناقبات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۲۸
- (۱۳۱) حسین احمد دیوبندی: مولوی غفر حیات جلد دوم، دارالاشاعت کراچی ص ۶۷
- (۱۳۲) Ishiaq Hussain Qureshi, Dr: The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent, MA AREF Limited Karachi, 1977 Page 296
- (۱۳۳) عبدالوہید خان: آثار و تصورات، مکتبہ ایوان ادب لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۳۳
- (۱۳۴) محمد عدیل عباسی: قاضی تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۰
- (۱۳۵) ڈاکٹر اسرار احمد نے واضح الفاظ میں اس بات کی تردید کی ہے کہ ابوالکلام آزاد کو امام المذہب تسلیم کر لیا گیا تھا، اگرچہ مولوی محمود حسن نے کوشش کی تھی لیکن مسلمان راہنماؤں کے خیال میں وہ اس عہدہ کے اہل نہ تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال بھی یہی ہے، لکھتے ہیں: "بعد کے حالات و واقعات سے ثابت ہوا اس عہدہ کے لئے مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت ہی موزوں نہ تھی" اسرار احمد، واکٹرمولانا ابوالکلام آزاد۔ عین العلماء ہند اور حضرت شیخ الحدیث مکتبہ جدیدہ پریس لاہور ص ۱۹
- (۱۳۶) محمد عدیل عباسی: قاضی تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۷۰

- (۱۳۷) مجتہد برک علی (کراچی) ۱۳۶۱ھ تاہر نمبر ص ۱۹۳
- (۱۳۸) مجتہد برک علی (کراچی) ۱۳۶۱ھ تاہر نمبر ص ۱۹۳
- (۱۳۹) محمد امین ڈھیری: سیاست غیر آئین قضاہ پہلی کثیر لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۶۶
- (۱۴۰) ماہنامہ اردو ڈائجسٹ (لاہور) اگست ۱۹۷۳ء آزاد ہی نمبر ص ۱۷
- (۱۴۱) عبداللہ قادری: مولوی: مولانا عبد اللہ مدنی کی سرگزشت کابل: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۱۱
- (۱۴۲) محمد انوار الحسن: پروفیسر: حیات عثمانی: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۹۸۵ء ص ۳۳
- (۱۴۳) مسعود احمد قاسمی: سیرت انور: مکتبہ چراغ اسلام لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۸
- (۱۴۴) محمد انوار الحسن: پروفیسر: حیات عثمانی: مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۹۸۵ء ص ۱۷۱
- (۱۴۵) اصغر حسین: مولوی: حیات شیخ الحداد: ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء ص ۱۸۱: سید خدیجہ بیگم نے بتایا کہ جامعہ علیہ کا افتتاح ہونے والا تھا تو ۱۹۷۰ء (محمد علی) جوہر نے علامہ اقبال کو کار بھیجا کہ وہ آئیں اور اس پختہ بندی کا تمام انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں لیں: علامہ نے معذرت کر دی کہ وہ نہیں آ سکتے (ہفت روزہ افق کراچی) ۲۲ تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۸ء ص ۹
- (۱۴۶) اصغر حسین: مولوی: حیات شیخ الحداد: ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۷۷ء ص ۱۸۲
- (۱۴۷) اسرار احمد: ڈاکٹر: مولانا ابوالکلام آزاد: تجلیت العلماء: بند اور حضرت شیخ الحداد: مکتبہ جدید پریس لاہور ص ۱۳
- (۱۴۸) C.H. Philips: The Partition of India, George Allen and Unwin Ltd London, 1970 Page 406
- (۱۴۹) ایضاً ص ۳۰۸
- (۱۵۰) مجتہد برک علی (کراچی) ۱۹۷۶ء تاہر اعظم نمبر ص ۱۱۱
- (۱۵۱) محمد اقبال: علامہ: مکتبہ اقبال بنام خان نیاز الدین خان: اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۵
- (۱۵۲) محمد حسین بدر: حکیم: منزل انیس فی نو شریک سفر تھے حصہ دوم: دارالاشاعت خٹک: پشتون ڈیڑہ نواب صاحب ص ۲۳-۲۴
- (۱۵۳) ایضاً ص ۲۳
- (۱۵۴) ترک موالات کی مخالفت کی وجہ سے نیشنلسٹ مولویوں کی طرح: مولانا محمد علی جوہر بھی علامہ اقبال سے ناراض تھے اور انہیں "اقبال مروجہ" کہتے تھے تھے (جذہ علم و آگہی (کراچی) ۷۹-۸۰ء خصوصی شمارہ ص ۲۳
- (۱۵۵) محمد احمد خاں: اقبال کا سیاسی کارنامہ: اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۲۳۹
- (۱۵۶) محمد اقبال: علامہ: مکتبہ اقبال بنام خان نیاز الدین خان: اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۳
- (۱۵۷) محمد احمد خاں: اقبال کا سیاسی کارنامہ: اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۸۳-۸۴
- (۱۵۸) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- (الف) رشید محمود: راجہ: اقبال و احمد رضا: انجمن خدام احمد رضا لاہور ۱۹۷۷ء
- (ب) نور محمد قادری: سید: اقبال کے دینی اور سیاسی افکار: ذمیدار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن ممبئی ۱۹۸۲ء
- (۱۵۹) تفصیل کے لئے دیکھئے:
- (الف) محمد اقبال: علامہ: ارمغان خاں: شیخ: نظام علی ایڈیٹر لاہور
- (ب) خدیجہ بیگم: سید: اقبال کے حضور: اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء
- (ج) نور محمد قادری: سید: اقبال کا آخری سفر: مطبوعہ لاہور
- (د) حسین احمد دیوبند: مولوی: مسئلہ قومیت اور اسلام: محمود اکیڈمی لاہور ۱۹۸۸ء

پروپرائیٹر
محمد اشرف

آرڈر پر
روغنی نان، قیہ لہانان،
اور غمیری روٹی بنوائیے

دھلی روڈ
صد بازار
لاہور چھانڈی

اشرف کلچرل شاپ

- (۱۶۰) یہ معلوم ہونے پر کہ قانونی صاحب اعلیٰ غلام دہلوی سے ہے، یہ فیصلہ صاحب نے تحریری طور پر اس کا اعتراف کر دیا کہ میں اپنی اس غلطی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہوں (مگر عبدالحقیم اختر شاہجہانپوری نے رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ جدید لاہور ۱۹۷۶ء ص ۸۷)۔
- (۱۶۱) محمد صدیق، پروفسر، پروفسر محمد علی ماسک، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۳ء ص ۱۰۲
- (۱۶۲) ندی نیازی، سیدہ اقبال کے حضور، اقبال، ادبی پاکستان لاہور، ۱۹۸۱ء ص ۱۵۵
- (۱۶۳) محمد اقبال، علامہ، مکتبہ اقبال، نظام خان، نیاز الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۵
- (۱۶۴) ایسا ص ۸۸-۸۹

(۱۶۵) القرآن، اجرات: ۱۰

(۱۶۶) محمد سلیمان اشرف، پروفسر، انور مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۹۱ء ص ۳۲۷

(۱۶۷) القرآن، توبہ: ۲۸

(۱۶۸) محمد مسعود احمد، پروفسر، تحریک آزادی ہند اور السواد الاظم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۰۸

(۱۶۹) محمد مسعود احمد، پروفسر، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مد تقیہات و اتفاقات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۳۳

(۱۷۰) حاکم علی، پروفسر، قانع القرآن، دار الفکر، مطبوعہ لاہور ۱۹۳۴ء/۱۹۳۰ء ص ۱۷۱

(۱۷۱) احمد رضا خان بریلوی، امام، کنگز الائنمان فی ترجمہ القرآن، چاند کتب خانہ لاہور ص ۸۹۰ (الغاشیہ: ۲۱)

(۱۷۲) محمد مسعود احمد، پروفسر، تحریک آزادی ہند اور السواد الاظم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۰۸-۱۰۹

(۱۷۳) القرآن، النساء: ۵۹

(۱۷۴) محمد عدیل عباسی، قاضی، تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۸۰، حالانکہ بعد میں خود مولانا محمد علی نوہر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ: "ایک بدعاش

سلطان ہزار گانہ جوں سے بتر ہے" (مجلد علم و آگہی (آراہی) ۷۸-۷۹، اشاعت خاص ص ۵۵)

(۱۷۵) نور محمد قادری، سیدہ، امام احمد رضا کی بصیرت کے چند مناظر، انجمن فدائیان مصطفیٰ کھاریاں ۱۹۸۶ء ص ۱۷

(۱۷۶) رئیس احمد، حضرت اوراقِ اہم، محمد علی دکنی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۳۹

(۱۷۷) محمد مسعود احمد، پروفسر، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مد تقیہات و اتفاقات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۱۷

(۱۷۸) نور احمد، سیدہ، مارشل لاء سے مارشل لاء تک، دارالکتب لاہور ص ۱۳

(۱۷۹) Jawaharlal Nehru: An Autobiography, John Lane The Bodley Head London, 1936 Page 75

(۱۸۰) جامدہ اشرف لاہور کے مفتی عبد الرحمن دھڑاڑ: "ہندوؤں کی طرح زہر پانے والا پھل پھٹا یا پھٹائی پر ٹکھٹ لگا لینا ایسا تشبیہ حرام ہے مگر انہیہ کفر کا ہے" اس لئے

کہ حکم لکھا شعائر کفر کا اختیار اس کے قلبی رضا کی علامت ہے اور معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں تشبیہ کفر کو تحریمی ہے" (ماہنامہ جنگ لاہور، ۱۶ نومبر

۱۹۸۳ء)

(۱۸۱) اشرف علی قانونی، مولوی، الاقنات الیومیہ، صدر ششم، ادارہ تالیفات اشرفیہ، مکتان ص ۲۰۵

(۱۸۲) محمد مسعود احمد، پروفسر، مکتوبات امام احمد رضا خان بریلوی مد تقیہات و اتفاقات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۳۳

(۱۸۳) محمد سعید، آجنگ یادداشت، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۹ء ص ۲۹-۳۰

(۱۸۴) محمد عدیل عباسی، قاضی، تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۶۵

(۱۸۵) عبدالحقیم سالک، یاران کمن، چٹان پرنٹنگ پریس لاہور ۱۹۶۷ء ص ۱۱

(۱۸۶) رشید محمود، راجہ، تحریک نبوت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۵۰

(۱۸۷) ابو سلمان شاہجہانپوری، مولانا ابوالکلام آزاد، ایک شخصیت ایک مصلح، پروگریسو بکس لاہور ص ۱۳۳

(۱۸۸) ایسا ص ۱۳۳

(۱۸۹) Khalid B. Sayeed: Pakistan the Formative Phase, Oxford University Press Karachi, 1978 Page 50

(۱۹۰) عبدالحقیم کوکب، قاضی، مقالات یوم رضا صدر اول، دار الفکر لاہور ۱۹۶۸ء ص ۵۷

(۱۹۱) رشید محمود، راجہ، تحریک ہجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۵

(۱۹۲) محمد عدیل عباسی، قاضی، تحریک خلافت، پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۹۶

- (۱۵۳) ایضاً ص ۱۰۰
- (۱۵۴) روزنامہ الحلیہ (دہلی) ۱۵ فروری ۱۹۵۸ء شیخ الاسلام ہند پاکستانی ایڈیشن ص ۲۵
- (۱۵۵) محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریک آزادی ہند اور السواد الاظم، نیاہ القرآن، ممبئی کیشنہ لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۳۰
- (۱۵۶) ایضاً ص ۱۳۰
- (۱۵۷) ایضاً ص ۱۳۰
- (۱۵۸) رئیس احمد جعفری: اوراق تم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۵۵
- (۱۵۹) محمد عبدالکیم شرف قادری: یاد اعلیٰ خلعت، مکتبہ قادریہ لاہور ص ۵۷
- (۲۰۰) پروین روزیتہ: جمعیت العلماء ہند جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۳
- (۲۰۱) محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریک آزادی ہند اور السواد الاظم، نیاہ القرآن، ممبئی کیشنہ لاہور ۱۹۸۷ء ص ۱۳۱-۱۳۲
- (۲۰۲) عبد السلام نور شید، ڈاکٹر: وسع صورتحس الہی، قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۰۳
- (۲۰۳) Abdul Hamid: Muslim Separatism in India, Oxford University Press Lahore, 1971 Page 148
- (۲۰۴) رشید محمود، راجا: تحریک تجرت (۱۹۳۰ء) مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۵
- (۲۰۵) محمد امین زبیری: سیاست غیر آئین نظام ممبئی کیشنہ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۳۳
- (۲۰۶) Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Lahore 1969 Page 240
- (۲۰۷) مطلوب علی زیدی، سیدہ شہور و آسمی، عزیز، ممبئی کیشنہ لاہور ص ۱۰۹-۱۱۰
- (۲۰۸) غلام شاہ بھٹو: تاریخ نظریہ پاکستان، مکتبہ خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور ۱۹۷۰ء ص ۱۸۶
- (۲۰۹) ایچ بی خان: برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص ۱۳۳
- (۲۱۰) Ishaq Hussain Qureshi: The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent, MA AREF Limited Karachi, 1977 Page 311
- (۲۱۱) Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Sheikh Muhammad Ashraf Lahore, 1969 Page 248, 249
- مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:
- Dogu Ergil: Secularism in Turkey, Foreign Policy Institute Ankara
- (۲۱۲) محمد مدنی عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پروگرام بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۵۳
- (۲۱۳) عبدالمجید جماد زنگی، فیروز سز لاہور ۱۹۷۳ء ص ۲۷۳-۲۷۵
- (۲۱۴) Abdul Hamid: Muslim Separatism in India, Oxford University Press Lahore, 1971 Page 148
- (۲۱۵) رئیس احمد جعفری: اوراق تم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۸۸
- (۲۱۶) ایضاً ص ۱۳۶
- (۲۱۷) ایضاً ص ۱۱۱
- (۲۱۸) رئیس احمد جعفری: اوراق تم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۷۷
- (۲۱۹) A History of Non-Co-Operation in the Punjab, Superintendent: Government Printing Punjab, 1925 Page 18
- (۲۲۰) ایضاً ص ۱۷۸

ہر قسم کے زمانہ مرزا کیپڑے کی خریداری کا مرکز
مین بازار قلعہ محمد رحمت پورہ لاہور غلام رسول اعوان
فون پانی۔ 800070 - 801868

سرگودھا کلاتھ پیس

- (۲۲۱) ایضاً ص ۱۹
- (۲۲۲) ایضاً ص ۲۲
- (۲۲۳) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پورگریو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۳۲
- (۲۲۴) ایضاً ص ۱۳۳
- (۲۲۵) ایضاً ۱۳۳-۱۳۴
- (۲۲۶) ایضاً ص ۱۳۳
- (۲۲۷) رئیس احمد جعفری: اوراق گم شدہ، محمد علی ایڈمی لاہور ۱۹۶۸ء ص ۷۳
- (۲۲۸) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پورگریو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۳
- (۲۲۹) فیوض الرحمن، قاری: شیخ اقصیہ اور ان کے تلامذہ پاکستان ایک سنٹر لاہور ص ۱۲۹
- (۲۳۰) Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Sheikh Muhammad Ashraf Lahore, 1969 Page 242
- (۲۳۱) عبداللہ لغاری، مولوی: مولانا عبداللہ سندھی کی سرگزشت کابل، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۲۸
- (۲۳۲) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پورگریو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۳۹
- (۲۳۳) کوئی ہندو یا سکھ مسلمانوں کے ساتھ ہجرت کی نیت سے نہیں گیا تھا (مشرقی لفظ)
- (۲۳۴) عبداللہ لغاری، مولوی: مولانا عبداللہ سندھی کی سرگزشت کابل، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۹۹-۲۰۰
- (۲۳۵) Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Sheikh Muhammad Ashraf, Lahore 1969 Page 243
- (۲۳۶) محمد عدیل عباسی، قاضی: تحریک خلافت، پورگریو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۳۵
- (۲۳۷) طفیل احمد شگودی، سید: مسلمانوں کا روشن مستقبل، شمارہ گیتی لاہور ص ۴
- (۲۳۸) مردار محمد خان، چودھری: حیات قائد اعظم، پبلشرز پرائیویٹ لاہور ۱۹۳۸ء ص ۱۵۸
- (۲۳۹) تاریخ بخاری: تحریک آزادی اور باپا خان، مجلس پائس لاہور ۱۹۹۰ء ص ۴۱
- (۲۴۰) ایضاً ص ۴۲
- (۲۴۱) ماہنامہ الحق (لاہور، فلک) شوال ۱۳۰۸ھ/ جون ۱۹۸۸ء ص ۱۵
- (۲۴۲) اللہ بخش یحییٰ: سرحد اور جدوجہد آزادی، مرکزی اردو بورڈ لاہور ص ۲۴۰
- (۲۴۳) تذکرہ فیاضی، سید: اقبال کے حضور، اقبال اڈا پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء ص ۲۴
- (۲۴۴) محمد جلال الدین قادری: قطعات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رشیدیہ گجرات ۱۹۷۸ء ص ۱۵۵
- (۲۴۵) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۳
- (۲۴۶) ایضاً ص ۲۱۰
- (۲۴۷) بی الاذکار قائد اعظم جناح ایک قوم کی سرگزشت (مترجم رئیس امروہوی) نیوز سنٹر لاہور ۱۹۹۷ء ص ۱۸۷
- (۲۴۸) Khalid B. Sayeed: Pakistan the formative phase, Oxford University Press Karachi, 1978 Page 54
- (۲۴۹) محمد امین زبیری: سیاست خیر، آتش فشاں، جلی کیشور لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۳۲
- (۲۵۰) Jawaharlal Nehru: An Autobiography, John Lane The Bodley Head London, 1936 Page 471
- (۲۵۱) P. Hardy: The Muslims of British India, Pakistan Publishing House Karachi, 1973 Page 198
- (۲۵۲) پروین روزیدہ: بحیثیت العلماء، جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۳۱
- (۲۵۳) Khalid B. Sayeed: Pakistan the Formative Phase, Oxford University Press Karachi, 1978 Page 52
- (۲۵۴) پروین روزیدہ: بحیثیت العلماء، جلد اول، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۱۵۰
- (۲۵۵) ایضاً ص ۱۶۰
- (۲۵۶) ایضاً ص ۱۷۰
- (۲۵۷) Wilfred Cantwell Smith: Modern Islam in India, Sheikh Muhammad Ashraf Lahore, 1969 Page 245

- (۲۵۹) محمد عدیل عباسی 'قاضی: تحریک خلافت' پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۵۳
- (۲۶۰) پروین روزینہ: عجیبہ العزیزہ، جلد اول، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۲۱۷
- (۲۶۱) ایضاً ص ۲۳۸
- (۲۶۲) مایا، قادی (مراد آباد) ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ نکال نمبر ص ۶
- (۲۶۳) ایضاً ص ۱۳
- (۲۶۴) ایضاً ص ۱۰
- (۲۶۵) ابراہیم علی مدنی: مولوی کا دوران زندگی، مجلس نشریات اسلام کراچی ص ۵۷
- (۲۶۶) محمد امین زبیری: سیاست علیہ "آتش فشاں" مجلس کیشور لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۵۱
- (۲۶۷) Frank Moraes: Jawaharlal Nehru "A Biography", The Macmillan Company, New York, 1957 Page 88
- (۲۶۸) عبدالرشید ارشد: میں جسے مسلمان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۹ء ص ۵۳
- (۲۶۹) ایچ بی خان: برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں ملہ کا کردار، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص ۱۸۷
- (۲۷۰) عاشق حسین بخاری: چند یادیں چند مآثرات، مکتبہ میل، مجلس کیشور لاہور ۱۹۹۲ء ص ۷۳
- (۲۷۱) Rajinder Prasad: India Divided, Book Traders Lahore Page 122
- (۲۷۲) احمد سعید: پادشہ صول پاکستان، انجمن کیشور لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۳۶
- (۲۷۳) عبدالغنی خان: تقسیم ہند، مکتبہ ایمان ادب لاہور ۱۹۵۸ء ص ۱۲ تا ۳۹
- (۲۷۴) E. Woodcock: India on Trail, Macmillan and Company Limited London, 1929 Page 115
- (۲۷۵) محمد عدیل عباسی 'قاضی: تحریک خلافت' پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۲۷۴
- (۲۷۶) Wajikhan: Facts and Facts, VIRAS Publishing House New Delhi, 1987 Page 5
- (۲۷۷) ابراہیم علی مدنی: تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ اول (مقدمہ) اسلامک مجلس کیشور لاہور ۱۹۷۰ء ص ۳-۵
- (۲۷۸) Ishraq Hussain Qureshi, Dr: The Muslim Community of the Indo-Pakistan Subcontinent, MA AREF Limited Karachi, 1977 Page 316
- (۲۷۹) رئیس احمد جعفری: قائد اعظم اور ان کا عہد، مکتبہ اکیڈمی لاہور ص ۸۶
- (۲۸۰) محمد عدیل عباسی 'قاضی: تحریک خلافت' پروگریسو بکس لاہور ۱۹۸۶ء ص ۱۸۱
- (۲۸۱) مایا، دومین (لاہور) دسمبر ۱۹۹۲ء کانگریس نمبر ص ۲۲-۲۳
- (۲۸۲) روزنامہ جنگ لاہور ۳۱ مئی ۱۹۹۱ء
- (۲۸۳) جگہ ترک گل (کراچی) ۱۳۰۱ھ نومبر نمبر ص ۳۳۱
- (۲۸۴) پروین روزینہ: عجیبہ العزیزہ، جلد دوم، قوی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۱ء ص ۵۹۸
- (۲۸۵) ابراہیم علی مدنی: مولوی: برائے چراغ حصہ دوم، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۸۱ء ص ۱۵
- (۲۸۶) اقب۔ ابراہیم علی مدنی: قائد اعظم، ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۳ء ص ۲۵۶-۲۵۷
- (۲۸۷) Sharif Al Mujahid: Qaid-i-Azam Jinnah, Qaid-i-Azam Academy Karachi, 1981 Page 190
- (۲۸۸) ابراہیم علی مدنی: صدائے دستگیر، ادارہ معارف اسلامی لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۵۱
- (۲۸۹) رئیس احمد جعفری: قائد اعظم اور ان کا عہد، مکتبہ اکیڈمی لاہور ص ۱۲۶-۱۲۷

صدر بازار
لاہور چاؤڈ

زبیر میڈیکل سٹور

معیاری ادویات
کے لیے

- (۲۸۹) محمد امین رحیمی: سیاست علیہ، آتش فشاں، جلی کیشور لاہور ۱۹۹۱ء ص ۱۹۶
- (۲۹۰) شورش کاشمیری: تہذیب و تعلیمات، ادارہ، مکتبہ مجاہدین، لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۳۵
- (۲۹۱) بیرون روزیت: بیست سالہ، بندہ جلد دوم، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۱ء ص ۶۰۵
- (۲۹۲) عبدالرشید ارشد: جس پر اسے سلطان، مکتبہ رشیدیہ لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۸۳
- (۲۹۳) مراد محمد خان: چوہدری قیصر علیہ، قادیان، لاہور ۱۹۳۵ء ص ۲۳۳
- (۲۹۴) امیر سید گلزار: قائد اعظم، قومی کیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۷۶ء ص ۱۹۹
- (۲۹۵) بکت روزہ استقلال (لاہور) ۲۲ تا ۳۰ جنوری ۱۹۸۷ء تحریک پاکستان نمبر ص ۱۳۳
- (۲۹۶) عبدالغنی: سید فاکر: سرائی اقبال، اردو ایکڈمی لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۲
- (۲۹۷) رئیس امیر: تحریک اقبال اور سیاست ملی، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۱۶
- (۲۹۸) محمد اقبال: علامہ مکتبہ اقبال، بنام خان غلام الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ۱۹۸۶ء ص ۳۶
- (۲۹۹) رشید محمود: راجا تحریک بخت (۱۹۳۰ء) کتبہ طالب لاہور ۱۹۸۶ء ص ۴۳
- (۳۰۰) بکت روزہ اتنی (راچی) ۲۸ تا ۲۹ جنوری ۱۹۷۸ء ص ۹

Al-Tab Selected Speeches and Statements of The Quaid-i-Azam, Research Society of Pakistan Lahore, 1966 page 61

M Rafique

- (۳۰۱) امیر سید گلزار: قائد اعظم، قومی کیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۷۶ء ص ۱۹۹
- (۳۰۲) نور احمد: سیرۃ مارشل لا سے مارشل لا، مکتبہ درالکتب لاہور ص ۲۹
- (۳۰۳) بی ایچ ایم: قائد اعظم جناح ایک قوم کی مرکزیت، (مترجم اور) خیر نواز لاہور ۱۹۶۷ء ص ۱۹۸
- (۳۰۴) راجس امیر: تحریک قائد اعظم اور ان کا بعد، حقیر، لاہور ص ۱۷۱
- (۳۰۵) (الف) حسین امیر: سیرۃ سیرت بنام، کاہرہ، محمد نور اس کا علی، قومی پرنٹنگ ورکس دہلی ص ۳۷
- (ب) ماہنامہ قائد (ہزار آباد) ۱۵ ستمبر ۱۳۵۷ھ ۱۹۳۷ء ص ۵۵

(۳۰۶) (۳۰۷) Azim Bag: Jinnah and his times, Babur and Amer Publications, Islamabad, 1986 page 152

(۳۰۸) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۷-۲۸

(۳۰۹) ایضاً ص ۳۳-۳۴

(۳۱۰) امیر سید گلزار: قائد اعظم، قومی کیشن برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۷۶ء ص ۳۳

(۳۱۱) ایضاً ص ۳۳

(۳۱۲) ایضاً ص ۳۳

(۳۱۳) ماہنامہ نقوش (لاہور) خطوط نمبر جلد دوم ص ۲۷

Abdul Hamid: Muslim Separatism in India, Oxford University Press Lahore, 1971 page 152

(۳۱۴) روزنامہ صبح اخبار (لاہور) ۱۳ مئی ۱۹۹۱ء

(۳۱۵) (الف) ماہنامہ السواد اعظم (ہزار آباد) شوال الحکم ۱۳۳۸ھ ص ۲۰

(ب) محمد مسعود امیر: تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم، نیو القرآن، جلی کیشور لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۲

(۳۱۶) (الف) ماہنامہ السواد اعظم (ہزار آباد) شوال الحکم ۱۳۳۸ھ ص ۱۵-۲۱

(ب) محمد مسعود امیر: تحریک آزادی ہند اور السواد اعظم، نیو القرآن، جلی کیشور لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۲-۲۳

(۳۱۷) رشاد مصطفیٰ بریلوی: سیرۃ سیرت بنام، لاہور، لاہور ص ۱۸

(۳۱۸) فیض امیر: فیض، لاہور، لاہور ص ۱۳

(۳۱۹) محمد عبدالغنی: فاکر، سرائی اقبال، بنام خان غلام الدین خان، اقبال اکادمی پاکستان لاہور ص ۱۱۶

- (۳۲۱) رشائے مصطفیٰ پر بیانیہ رد و جواب: قادری پریس بریلی ص ۵
- (۳۲۲) ایضاً ص ۶
- (۳۲۳) ایضاً ص ۷
- (۳۲۴) ایضاً ص ۸
- (۳۲۵) غلام مصین الدین نسیمی: مولانا حیات صدر الافاضل: ادارہ مجید رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۱۹۷-۱۹۹
- (۳۲۶) رشائے مصطفیٰ پر بیانیہ رد و جواب: قادری پریس بریلی ص ۱۱-۱۰
- (۳۲۷) غلام مصین الدین نسیمی: مولانا حیات صدر الافاضل: ادارہ مجید رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۹۹
- (۳۲۸) فیض احمد فیض: مولانا مرنس: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور ص ۲۷۳
- (۳۲۹) اسی لئے پروفیسر محمد سلیمان اشرف نے شیعہ قرآنی حق کو "میرے دوست" قرار دیا۔ کہیں نہایت عاجزان و کلہاڑے، لیکن صلاح و نفع کے لیے کسی لیے مذہب میں جذب ہونے سے اپنے کو محفوظ رکھو۔" (محمد سلیمان اشرف: پروفیسر ارشاد: مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۳۴)
- (۳۳۰) محمد نعیم الدین مراد آبادی: صدر الافاضل: مجموعہ افاضات صدر الافاضل: ادارہ مجید رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۳۳
- (۳۳۱) ایضاً ص ۲۵۸
- (۳۳۲) محمد طلال الدین قادری: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس: مکتبہ رضویہ کجرات ۱۹۷۸ء ص ۱۵
- (۳۳۳) محمد مسعود احمد: پروفیسر تحریک آزادی بندہ اور السواد الاعظم: نیاء القرآن، دہلی کیش لاہور ۱۹۸۸ء ص ۲۲۳
- (۳۳۴) محمد مسعود احمد: پروفیسر تحریک آزادی بندہ اور السواد الاعظم: نیاء القرآن، دہلی کیش لاہور ۱۹۸۸ء ص ۲۲۳
- (۳۳۵) محمد نعیم الدین مراد آبادی: صدر الافاضل: مجموعہ افاضات صدر الافاضل: ادارہ مجید رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۳۳-۳۲
- (۳۳۶) ایضاً ص ۲۶۶
- (۳۳۷) ایضاً ص ۲۵۲
- (۳۳۸) محمد سلیمان اشرف: پروفیسر: ارشاد: مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۳۰
- (۳۳۹) ایضاً ص ۲۰
- (۳۴۰) غلام مصین الدین نسیمی: مولانا حیات صدر الافاضل: ادارہ مجید رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۹۹ تا ۱۰۱
- (۳۴۱) محمد مسعود احمد: پروفیسر تحریک آزادی بندہ اور السواد الاعظم: نیاء القرآن، دہلی کیش لاہور ۱۹۸۸ء ص ۲۲۷
- (۳۴۲) محمد عبدالغنی: ڈاکٹر امیر حبیب اللہ: ادارہ حزب اللہ بلاچلور شریف ۱۹۹۵ء ص ۲۶۳
- (۳۴۳) محمد نعیم الدین مراد آبادی: صدر الافاضل: مجموعہ افاضات صدر الافاضل: ادارہ مجید رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۲۵۶
- (۳۴۴) ایضاً ص ۶۳ تا ۶۵
- (۳۴۵) فیض احمد فیض: مولانا مرنس: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور ص ۲۶۸
- (۳۴۶) ایضاً ص ۷۷
- (۳۴۷) آج الدین احمد: آج: مثنوی: بندوں سے ترک موالات: مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۱۸
- (۳۴۸) ایضاً ص ۱۵
- (۳۴۹) ایضاً ص ۱۶

- (۳۵۰) محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدرالفاضل: مجموعہ انقضاات صدرالفاضل، ادوارہ محمد رضویہ سواد اعظم لاہور ص ۳۳۳
- (۳۵۱) آغا محمد علی احمد خان، مکتبہ: ہندوؤں سے ترک موالیات، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۲ء ص ۸
- (۳۵۲) ایضاً ص ۳
- (۳۵۳) ایضاً ص ۱۸
- (۳۵۴) محمد حسین اشرف، پروفیسر الرضا، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۵-۱
- (۳۵۵) ایضاً ص ۱۵-۱
- (۳۵۶) ایضاً ص ۱۵
- (۳۵۷) (الف) محمود احمد رضوی، علامہ سید سیدی ابوالبرکات، مطبوعہ لاہور ص ۱۷
- (ب) ماہنامہ رضوان (لاہور) ستمبر اکتوبر ۱۹۷۹ء ص ۱۸-۱
- (۳۵۸) (الف) ماہنامہ رضوان (لاہور) اکتوبر ۱۹۷۹ء مکتبہ اعظم پاکستان غیر ص ۷
- (ب) ماہنامہ رضوان (لاہور) مئی ۱۹۸۹ء ص ۹
- (۳۵۹) (الف) محمد مسعود احمد، پروفیسر قادیانی مکتبہ مطبوعہ کراچی ص ۳۲۸-۳۲۹
- (ب) بخت روزہ افق (کراچی) ۱۸ تا ۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء ص ۳
- (۳۶۰) احمد رضا خان فاضل، مطبوعہ: امام دوام، الفیش (مقدمہ)، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۳۳
- (۳۶۱) محمد امین پانی پتی، مقالات سر سید احمد شاہزادہ، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۵۲
- (۳۶۲) محمد صدیق حسن خاں، نوایہ: ترمیم و باب، مطبوعہ محمدی لاہور ۱۳۱۲ھ ص ۵۵
- (۳۶۳) (الف) بخت روزہ اقدام (لاہور) ۲۹ مئی ۱۹۷۳ء
- (ب) محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ کجرات ۱۹۷۸ء ص ۱۶
- (۳۶۴) محمود الرحمن، ڈاکٹر: جنگ آزادی کے اردو شعراء، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۶ء ص ۱۳۵
- (۳۶۵) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۵، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۷۵
- (۳۶۶) رئیس احمد بھٹائی: بشار شاہ ظفر اور ان کا بعد، کتاب خانہ لاہور ص ۸۶۳، مزید تفصیل کے لئے دیکھئے:
- (الف) حسین احمد دہلوی، مولوی: نقش حیات جلد دوم، دارالاشاعت کراچی ص ۳۶۲
- (ب) عبداللہ شاہ خاں شروانی، باقی ہندوستان، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۸ء
- (ج) بخت روزہ اقدام الدین (لاہور) ۲۳ نومبر ۱۹۷۲ء
- (۳۶۷) (الف) اقبال احمد قادری، بیزارا: تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۸۸
- (ب) محمد عبداللہ شرف قادری، علامہ: تذکرہ اکابر اہلسنت، شہر بازار پبلشرز لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۲۶-۳۲۷
- (۳۶۸) فیض احمد فیض، مولانا: سرسبز، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور ص ۲۸۳
- (۳۶۹) محمد ارم رضا، پروفیسر: حیات شیخ الاسلام، مکتبہ قادریہ چشتیہ گوبر انوار ۱۹۸۳ء ص ۲۳
- (۳۷۰) محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ کجرات ۱۹۷۸ء ص ۱۵۳-۱۵۵
- (۳۷۱) احمد رضا خان فاضل، مطبوعہ: امام دوام، الفیش (مقدمہ)، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۳۱
- (۳۷۲) ایضاً ص ۳۲
- (۳۷۳) عبد اللہ، ڈاکٹر: سید مسائل اقبال، اردو آئینی لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۶۱-۳۶۲
- (۳۷۴) عبد القیوم کرب، تصانیف: مقالات یوم رضا احمد سوم، رضا آئینی دائرہ، المصنفین لاہور ص ۱۰-۹
- (۳۷۵) رشید احمد صدیقی، کتب خانہ کراچی، آئینہ ادب لاہور ۱۹۷۷ء ص ۳۹ تا ۳۱
- (۳۷۶) (الف) رمی حیدر، خواجہ دو قوی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سورتی آئینی کراچی ۱۹۸۲ء ص ۲۰
- (ب) بخت روزہ افق (کراچی) ۸ تا ۱۳ جنوری ۱۹۷۹ء ص ۹

- (۳۱۳) عاشق حسین خانوی، ڈاکٹر، اقبال کے آخری دو سال، اقبال اکادمی پاکستان کراچی ۱۹۶۶ء ص ۱۵
- (۳۱۵) عبدالقیل کوکب، قاضی مقالات، ہم رضا حد سوم، رضا اکیڈمی، واہگہ، پاکستان لاہور ص ۱۰
- (۳۱۶) نا میاں قادری، شام سوانح اعلیٰ حضرت، ابن برادر، کراچی ص ۱۵۷
- (۳۱۷) محمد مسعود احمد، پروفیسر، قاضی مقالات، ہم رضا حد سوم، رضا اکیڈمی، واہگہ، پاکستان لاہور ص ۱۵۷
- (۳۱۸) ولی مکرانی، وکیل، قاضی مقالات، ہم رضا حد سوم، رضا اکیڈمی، واہگہ، پاکستان لاہور ص ۱۵۷
- (۳۱۹) (الف) احسان الہی، قاضی مقالات، ہم رضا حد سوم، رضا اکیڈمی، واہگہ، پاکستان لاہور ص ۱۵۷
- (ب) فرید احمد، پروفیسر، پاکستان میں آج کی تحریک اور جمہوریت کا مسئلہ، (مقدمہ)، کتبہ معاویہ کراچی ۱۹۷۷ء ص ۱۳
- (ج) محمد شیمان، افسر، پروفیسر، مولانا محمد رضا خان، تحریک آزادی برصغیر، حیات انجیٹ لاہور ص ۲۲
- (د) ماہنامہ الرشید (لاہور) فروری مارچ ۱۹۷۶ء دارالعلوم دیوبند نمبر ص ۳۶۳
- (ه) ماہنامہ القادوسی (کراچی) صفحہ ۱۳۱۳
- (و) ہفت روزہ تہذیب الدین (لاہور) ۸ مارچ ۱۹۷۳ء
- (ز) ایضاً ۱۳ فروری ۱۹۷۶ء
- (ح) ایضاً ۱۳ مئی ۱۹۷۶ء
- (۳۲۰) محمد رضا خان، قاضی مقالات، امامت قادوسی رضویہ جلد ششم ص ۹۸
- (۳۲۱) محمد مصطفیٰ رضا خان، قادوسی، مفتی اعظم ہند، القادوسی الداری حد اول، انجمن ارشاد السلفین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۲۲-۲۱
- (۳۲۲) ایضاً حد سوم ص ۷۹-۹۰
- (۳۲۳) محمد مسعود احمد، پروفیسر، کتابت امام احمد رضا خان، تحریکات و فتاویٰ، کتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۹۰
- (۳۲۴) محمد مصطفیٰ رضا خان، قادوسی، مفتی اعظم ہند، القادوسی الداری حد سوم، انجمن ارشاد السلفین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۷۹
- (۳۲۵) حسین احمد دیوبندی، مولوی، نقل حیات جلد دوم، دارالاشاعت کراچی ص ۶۵
- (۳۲۶) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند، القادوسی الداری حد اول، انجمن ارشاد السلفین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۲۲
- (۳۲۷) شرکت خلیفہ، انوار رضا، شرکت خلیفہ، لاہور ۱۹۷۷ء ص ۳۶
- (۳۲۸) ماہنامہ نقوش (لاہور) جلد دوم ص ۳۳
- (۳۲۹) محمد رضا خان، قاضی مقالات، امامت القادوسی، آیات المصنوعہ، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۳ء ص ۵۲
- (۳۳۰) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ، رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۳
- (۳۳۱) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ، رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۵۵
- (۳۳۲) احمد رضا خان، امامت دوام الفیض، کتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۹۵
- (۳۳۳) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ، رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۵۳-۱۵۲
- (۳۳۴) احمد رضا خان، قاضی مقالات، امامت القادوسی، آیات المصنوعہ، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۳ء ص ۲۲
- (۳۳۵) ایضاً ص ۳۳
- (۳۳۶) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی اعظم ہند، القادوسی الداری حد دوم، انجمن ارشاد السلفین لاہور ۱۹۸۳ء ص ۲۲-۲۱
- (۳۳۷) احمد رضا خان، قاضی مقالات، امامت قادوسی رضویہ جلد ششم ص ۱۱
- (۳۳۸) ایضاً ص ۳۳
- (۳۳۹) احمد رضا خان، قاضی مقالات، امامت قادوسی رضویہ جلد ششم ص ۱۱
- (۳۴۰) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ، رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۵
- (۳۴۱) ایضاً ص ۳۳-۳۲
- (۳۴۲) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، مولانا محمد رضا خان، رسائل رضویہ جلد دوم، کتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۸-۳۰
- (۳۴۳) ایضاً ص ۳۲

- (۳۳۳) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، مولانا رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۸۶-۸۷
- (۳۳۵) ادارہ ماہنامہ تہذیب الاخلاق (لاہور) بولائی ۱۹۸۷ء ص ۱۲
- (۳۳۶) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ دوام البیض، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۹-۱۵
- (۳۳۷) محمد مسعود احمد، پروفسر، کتابہ بے گناہی، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۳ء ص ۵۵
- (۳۳۸) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ دوام البیض، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۳۶-۴۷
- (۳۳۹) ایضاً ص ۵۶-۵۷
- (۳۴۰) ایضاً ص ۵۸
- (۳۴۱) ایضاً ص ۵۸-۵۹
- (۳۴۲) ایضاً ص ۵۹
- (۳۴۳) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۱۳۶-۱۳۷
- (۳۴۴) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ دوام البیض، مکتبہ رضویہ لاہور ۱۹۸۰ء ص ۱۰۰
- (۳۴۵) ایضاً ص ۱۰۱
- (۳۴۶) محمد مسعود احمد، پروفسر، کتابت امام امیر رضا خان بریلوی مسودات و فتاویات، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۹۸۸ء ص ۹۷-۹۸
- (۳۴۷) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۰
- (۳۴۸) ایضاً ص ۱۳۲
- (۳۴۹) ایضاً ص ۱۳۳
- (۳۵۰) عبداللہ بخاری، مولوی، مولانا عبداللہ رحمہ اللہ خدمت کی سرگزشت کامل، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۰ء ص ۲۳۹
- (۳۵۱) ایضاً ص ۲۳۹
- A History of Non-co-Operation in the Punjab, Superintendent Government Printing Punjab Lahore, 1925 page 41 (۳۵۲)
- (۳۵۳) ماہنامہ نورالحیوب (پشاور) جنوری ۱۹۷۹ء ص ۱۲
- (۳۵۴) محمد عبدالکلیم اختر شاہجہانپوری، علامہ رسائل رضویہ جلد دوم، مکتبہ حامدیہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۹۰
- (۳۵۵) ماہنامہ انوارالصوفیہ (پشاور) جنوری ۱۹۷۸ء ص ۱۱
- (۳۵۶) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ تہذیب الاخلاق و نیجات و اصلاح، نوری کتب خانہ لاہور ص ۵
- (۳۵۷) ایضاً ص ۷
- (۳۵۸) محمد بہان الحق بیہلوری، مفتی، اکرام امام احمد رضا، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۳۱
- (۳۵۹) محمد مرید احمد پشٹی، شاہان رضا، عظیم ملی کیشنز لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۳۰
- (۳۶۰) مختار الدین رضوی، ملک العلماء حیات اعلیٰ حضرت جلد اول، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۲ء ص ۱۳۰
- (۳۶۱) محمد اکرام مفتی، موج کوثر، فیروز سنز لاہور ۱۹۹۵ء ص ۱۸۸-۱۸۹
- (۳۶۲) عبدالعزیز دریابادی، خطوط مشاہیر حصہ اول، تاج کتب لاہور ص ۲۲-۲۳
- (۳۶۳) مختار الدین رضوی، ملک العلماء حیات اعلیٰ حضرت، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۹۲ء ص ۱۳۷
- (۳۶۴) محمد مصطفیٰ رضا خان، مفتی، اعظم ہند المظفر حصہ دوم، مکتبہ مجلس کتب کراچی ص ۵۰
- (۳۶۵) امیر رضا خان قاضی بریلوی، امامہ ہدایت بخش حصہ سوم، جامعہ سلیم پریس شاہدہ بھارت ۱۰۵-۱۰۶
- (۳۶۶) ایچ بی خان، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علامہ اکبر الہ آبادی، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت اسلام آباد ۱۹۸۵ء ص ۹۶
- (۳۶۷) محمد مسعود احمد، پروفسر، کتابہ بے گناہی، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۳ء ص ۳۲-۳۳
- (۳۶۸) محمد بہان الحق بیہلوری، مفتی، اکرام امام احمد رضا، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۳۱
- (۳۶۹) عاشق الہی سرخسی، مولوی، تذکرۃ الرشید حصہ اول، مکتبہ بکرا العلوم کراچی ص ۸۰
- (۳۷۰) امیر رضا بریلوی، امام و اشرف علی تھانوی، دو اہم فتوے، مکتبہ قادریہ لاہور ۱۹۷۷ء ص ۵-۶

(۳۸۱) (الف) رشی ندر، خواجہ دو قتی نظریہ کے حامی علماء اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی، سورتی اکیڈمی کراچی ۱۹۸۲ء ص ۱۹

(ب) ہفت روزہ الحق (کراچی) ۸ جنوری ۱۹۷۹ء ص ۹

(۳۸۲) محمد الیوب قادری، پروفیسر مقدمہ "پاکستان میں آئین کی تدوین اور جسوریت کا حسلہ" از پروفیسر نور شید احمد، مکتبہ معاویہ کراچی ۱۹۷۵ء ص ۳

(۳۸۳) مجلہ معارف رضا (کراچی) ۱۹۸۵ء ص ۸۳-۸۵

(۳۸۴) عبدالرشید، میاں پاکستان کا پس منظر و قتل منظر، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانشیہ پنجاب لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۴۰

(۳۸۵) رئیس احمد، نظریہ اوراقِ گم گشت، محمد علی اکیڈمی لاہور ۱۹۹۸ء ص ۵۷

(۳۸۶) ایسا ص ۵۳۹

(۳۸۷) مجلہ معارف رضا (کراچی) ۱۹۸۶ء ص ۹۷

(۳۸۸) محمد سرید احمد، چشتی: جہان رضا، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۲۵

(۳۸۹) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس (کراچی) ۱۹۹۰ء ص ۳۷

(۳۹۰) ہفت روزہ الفیج (کراچی) ۱۳-۱۴ مئی ۱۹۷۶ء ص ۱۷

(۳۹۱) ہفت روزہ الفیج (کراچی) ۲۸ مئی، ۳ جون ۱۹۷۶ء ص ۱۸

(۳۹۲) نور محمد قادری، سیدہ امام احمد رضا کی بصیرت کے چند مناظر، انجمن فدایان، مصطفیٰ کھاریاں ۱۹۸۶ء ص ۷-۸

(۳۹۳) (الف) مصباح الحسن، مثنیٰ سیدہ کانگریسی سلطان اور مخالف قرآن، مکتبہ رشیدیہ لاہور

(ب) ماہنامہ فکر و فکر (اسلام آباد) جولائی ۱۹۷۹ء ص ۷-۸

(۳۹۴) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس (کراچی) ۱۹۹۰ء ص ۳۷

(۳۹۵) ادارہ روزنامہ سے اخبار (لاہور) ۳ نومبر ۱۹۹۲ء

(۳۹۶) اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علامتہ پاک و ہند، اقبال اکاڈمی پاکستان لاہور ۱۹۷۷ء ص ۲۰۸

(۳۹۷) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس انٹرنیشنل (کراچی) ۱۹۹۰ء ص ۵۱

(۳۹۸) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس انٹرنیشنل (کراچی) ۱۹۹۲ء ص ۳۳

(۳۹۹) محمد سرید احمد، چشتی: خیابانِ رضا، عظیم ملی کینٹر لاہور ۱۹۸۲ء ص ۷۵

(۴۰۰) روزنامہ نوائے وقت (لاہور) ۲۱ اکتوبر ۱۹۸۷ء

(۴۰۱) مجلہ معارف رضا (کراچی) ۱۹۸۷ء ص ۲۰۸

(۴۰۲) ایسا ص ۱۵۷

(۴۰۳) ولی نظرائے دو کیت: عثمانیوں کے چراغِ جلد سوم، مجلس کارکنان تحریک پاکستان ملتان ۱۹۸۹ء ص ۱۳۳

(۴۰۴) روزنامہ نوائے وقت (لاہور) ۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء

(۴۰۵) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس انٹرنیشنل (کراچی) ۱۹۹۰ء ص ۲۱

(۴۰۶) مجلہ امام احمد رضا کانفرنس (کراچی) ۱۹۹۰ء ص ۳۷

(۴۰۷) مجلہ معارف رضا (کراچی) ۱۹۸۸ء ص ۱۶۷-۱۶۸

(۴۰۸) ادارہ ماہنامہ تنقید الافلاک (لاہور) جولائی ۱۹۸۷ء ص ۱۱۰

9. J.E.Woolacott : India on Trial, Macmillan and company Limited London, 1929 Page - 115
10. Halide Edib : Inside India, George Allen and Unwin Limited London, 1937 Page- 30
11. P. Hardy : The Muslims of British India, Pakistan Publishing House Karachi, 1973 Page - 198.

filled up by Hindus. The depressed Muslims were facing mental torture and confronted difficulties in earning the daily commodity of life. A limited number of Hindu also left the service but alternative jobs were provided to them by thier community.

special arrangements were made to Protect Daar-ul-Uloom Deoband from disturbances just like Hindu educational institutions. Governor of united Provinces visited this daar-ul-Uloom and arranged to grant the title of "SHAMS-UL-ULEMA" to its administrator (8).

"Ulema" attached with congress declared the united India as Daar-ul-Harb and advised the Muslims to migrate to Afghanistan. Many simple mind Muslims, sold their movable and immovable Property on cheap Prices to "Hindu brothers" and went to the neighbour Muslim country. They were ordered to go back to their homeland by Afghan ruler after a short Period. However none of the "Muftis" migrated himself.

The activities of the apostle of non-cooperation and "civil disobedience " have inflicted serious injury and loss upon India, without achieving any beneficial result (9).

The khilafat movemnet had, however, two curiously contradictory results in India: that of uniting the Muslims and Hindus around a common activity; and that of dividing them (10).

P.Hardy writes : So much energy and Passion had been mobilised, and the upshot was that Muslims appeared not only rather foolish but also rather dangerous in the eyes of their Hindu fellow countrymen; foolish for Pursuing an ideal (Preservation of Khilafat) which other Muslims in the Pure Muslims lands of Arabia and Asiatic Turkey did not share, and dangerous because it seemed they could only be actively enlisted for causes which had little to do with India and into which the majority of India's Population could not enter (11).

1. Z.A. Suleri : My Leader, Institute of Islamic Culture Rawalpindi, 1992 Page - 97
2. H.M.Seervai : Partition of India, Emmenem Publications Limited Bombay 1989
Page -13
3. Al-Quran : Al - Imran - 118
4. Al-Quran : Al - Imran - 120
5. a-Jawaharjal Nehru : An Autobiography, John Lane The Bodley Head London, 1936,
b-William L.Shirer : Gandhi A Memoir, Sphere Books Limited London, 1981
6. Muhammad Abdul Hakim
Akhtar Shahjahanpuri : Rasail-e-Rizvia Volume - 2, Maktaba-e- Haamdia Lahore, 1976.
7. Nur Ahmed : From Martial Law to Martial Law, Vanguard Books Limited Lahore,
1985 Page - 19
8. Muhammad Anwaar-ul-Hassan,
Professor : Hayaat-e- Usmani, Maktaba Daar-ul-Uloom Karachi, 1985, Page
158,171

شہر لاہور کی مہمانداری کاروائیاتی انداز بط سویت هاؤس کی مٹھائیاں



لاہور

ہماری ثقافت کا ایک

عظیم ورثہ

کہتے ہیں جو ایک بار

لاہور آیا وہ لاہور ہی

کا ہو کر رہ گیا۔

یہاں کے تاریخی مقامات کی سیر

اور زندہ دلائل لاہور کی روایتی

مہمانداری کوئی نہیں بھول سکتا۔

بط

سویت هاؤس

کی لذت اور خوش ذائقہ مٹھائیاں

ایسا مزہ جو ہمیشہ ساتھ رہے

ہمیشہ یاد رہے

Butt

sweet house

سویت هاؤس، بیکرز اینڈ کفیکشنرز

۱۰-میں وحدت روڈ لاہور

فون: ۵۸۶۶۰۵۳

۱۶-میکوڈ روڈ (لکھمی چوک) لاہور

فون: ۴۳۲۲۶۲۸